مستقل ہو اور انھیں مطلق اس کی پروا نہ ہو کہ حکومت کی دوسری شاخوں کے لوگ انھیں اچھا سمجھتے ہیں یا برا۔ ممالک متحدۂ امریکہ کی قومی حکومت میں یہ مقصد نہایت خوبی کے ساتھ عمل میں آتا ہے۔ نظام سلطنت کے دفعہ ۳ فقرۂ ۱ میں یہ درج ہے کہ "اعلیٰ و ادنیٰ دونوں قسم کی عدالتوں کے جج جب تک عمدگی سے کام کریں اپنے عہدے پر برقرار رہیں گے اور انکے خدمات کا معاوضہ انھیں مقررہ اوقات پر ملتا رہے گا جس میں ان کے عہدے پر قائم رہنے تک کمی نہیں ہوگی۔ یہی حالت برطانیۂ عظمیٰ کی ہے، سترھویں صدی کے اختتام تک انگلستان کے جج بادشاہ کے حسب مرضی اپنے عہدوں پر قائم رہتے تھے، ظاہر ہے کہ یہ حالت ناطرفداری و بے لوثی کے بالکل منافی تھی (سنہ ۱۷۰۱ء کے) قانون ترتیب جانشینی نے یہ قرار دے دیا کہ "جج اپنے منصب پر اس وقت تک برقرار رہیں گے جبتک کہ وہ نیک چلنی سے کام کریں اور ان کی تنخواہیں معین و مستقل ہونگی"۔ برخاستگی صرف ہر دو ایوانہائے پارلیمنٹ کی درخواست پر ہو سکے گی[1]" حکام عدالت کی جو حیثیت اس طرح قائم ہو گئی اس میں پھر کبھی تبدیلی نہیں ہوئی، یہی طریقہ برطانیہ کی نوآبادیوں میں بھی اختیار کر لیا گیا ہے۔ لیکن ممالک متحدۂ امریکہ اور شہنشاہی برطانیہ کے ججوں کا استقلال اور ان کی آزادی جس طرح محفوظ ہو گئی ہے اور جس کا وجود فرانس، اور دوسری ممتاز سلطنتوں میں بھی پایا جاتا ہے، بدقسمتی سے یہ حال تمام دنیا کا نہیں ہے۔ ممالک متحدۂ امریکہ کی ریاستیں اس کی نمایاں استثنا موجود ہیں، ان میں سے بعض ریاستوں میں اقتدار عوام کے اصول کا غلط تصور اور "تدویر عہدہ" کے اصول کے مضرت رساں اثر کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ججوں کا انتخاب قوم کی طرف سے چند معینہ برسوں کے لیئے ہوتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ بعض ریاستوں میں

---

[1] انیسن اسے ایک ایسی میعاد قرار دیتا ہے جو بادشاہ کی نسبت سے تو نیک چلنی کے وقت تک ہے اور پارلیمنٹ کی نسبت سے اس کی مرضی تک" لیکن عملاً یہ ایک مستقل میعاد ہے۔

جج گورنر کی طرف سے نامزد ہوتے ہیں یا مجلس واضع قوانین ان کا انتخاب کرتی ہے لیکن بیشتر ریاستی حکومتوں میں عدالتی عہدے ایک معینہ میعاد کے لئے انتخاب ہی سے پُر کیئے جاتے ہیں، بعض وقت یہ میعاد صرف دو برس کے لیئے ہوتی ہے۔ اس قسم کی تنظیم کی جس قدر بھی مذمت کیجائے کم ہے، اس کی وجہ سے جج اپنے منصبی فرائض کے ادا کرنے میں سیاسی و ذاتی اغراض کے زیر اثر آجاتے ہیں، ان کے فیصلوں کی بے لوثی جاتی رہتی ہے اور لامحالہ اس سے کل عدالتی گروہ کی اخلاقی حالت تنزل پذیر ہو جاتی ہے۔ یہ حالت اس وقت اور بھی بدتر ہو جاتی ہے جب جج حق برطرفی کے زیر اثر کر دیئے جاتے ہیں یعنی عام رائے سے ان کی برطرفی عمل میں آسکتی ہے جیسا کہ اتحاد امریکی کی بعض ریاستوں میں ہوتا ہے۔

۲۔ حکام عاملانہ و مجلس وضع قوانین کے ساتھ عدالتوں کے تعلقات :۔ معاوضۂ خدمت و معیار عہدہ کا تعین اس امر کے ضامن ہیں کہ حکام عدالتی پر حکومت کی دوسری شاخوں کا ناواجب دباؤ نہ پڑے۔ اب دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حکام عدالتی کے اقتدار سے تشریعی و عاملانہ محکموں کے عہدہ دار کس طرح پر اور کس حد تک محفوظ رکھے جائیں، اس میں تو کوئی کلام ہی نہیں ہو سکتا کہ ان کا ابتدائی تقرر یا انتخاب حکام عدالتی کے ذریعہ سے عمل میں نہیں آتا مگر اس امر کا بھی تصفیہ ہو جانا چاہیئے کہ آیا جب تک وہ عہدہ پر قائم ہیں ان کے سرکاری کاموں کا جواز و عدم جواز عدالتوں کے فیصلہ پر منحصر ہونا چاہیئے یا نہیں۔ آیا جج اس امر کے فیصلہ کرنیکے مجاز ہیں کہ مجلس واضع قوانین، یا مجلس عاملانہ یا اس کے کسی جزو نے اپنے کسی کام میں اپنی کسی قانونی حد سے تجاوز کیا ہے یا نہیں۔ ایک امریکی کے نزدیک جو دوسرے ملکوں کی حالت سے واقف نہیں ہے بے چون وچرا اس کا صاف جواب یہ ہے کہ بیشک ایسا ہے، کیونکہ امریکہ کے نظم و ترتیب کی بنیاد ہی محدود آئینی اختیارات اور عدالتوں کے روبرو جوابدہی پر رکھی گئی ہے لیکن قانون عامہ کے اس نہایت ہی اہم مسئلہ پر ازمنۂ جدید کی

سلطنتوں کے رواج میں غایت درجہ تخالف وتضاد پایا جاتا ہے۔ ممالک متحدۂ امریکہ، لاطینی امریکی جمہوریتوں اور برطانیۂ عظمیٰ اور اس کی نو آبادیوں میں حکومت کے عہدہ دار عدالتہائے قانونی کے روبرو جوابدہ ہیں۔ شاہ برطانیہ کا ازروئے قانون ہر قسم کی جوابدہی سے کلیتہً بری الذمہ ہونا اور علیٰ ہذا (بجز قیام مقدمہ کے اور طرح پر) رئیس جمہوریہ ممالک متحدۂ امریکہ کی برأت، خاص نوعیت کے مستثنیات ہیں جن پر اس خصوص میں غور کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ برخلاف ازیں براعظم یورپ کے اور ملکوں کا دستور یہ ہے کہ عام عدالتہائے قانون کو تشریعی وعاملانہ عہدہ داروں کے سرکاری افعال کے جواز وعدم جواز یا ان کے دستور سلطنت کے موافق یا ناموافق ہونے کے متعلق کسی قسم کی بازپرس کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ ان دو ضد یکدگر اصولوں کے نتائج پر زیادہ غائر نظر سے غور کرنے پر عیاں ہو جائے گا کہ اس کی وجہ سے افراد ملک کے ساتھ حکومت کے تعلقات میں کتنا عظیم الشان فرق پیدا ہو گیا ہے۔

اس معاملہ میں سلطنت برطانیہ کی حالت نسبتاً کم پیچیدہ ہے اور اس پر پہلے غور ہونا چاہیئے۔ سلطنت متحدۂ برطانیہ میں (بادشاہ کے سوا اور) ہر ایک ملازم سلطنت اپنے اعمال وافعال کے لئے معمولی عدالتوں کے سامنے جوابدہ ہے، مسٹر ڈائسی[1] لکھتے ہیں کہ "وزیر اعظم سے لیکر ایک کانسٹبل محصل تک ہر ایک عہدہ دار اپنے ہر اس فعل کے لئے جو بلا وجوہ قانونی عمل میں آیا ہو اسی طرح جوابدہ ہے جس طرح کوئی اور باشندۂ ملک جوابدہ ہو، نظائر قانونی میں بکثرت ایسے مقدمات موجود ہیں کہ عہدہ داران سرکاری عدالتوں کے سامنے پیش کئے گئے اور اپنے ان افعال کے لئے جو سرکاری حیثیت سے نگران کے اختیار قانونی سے متجاوز ہوں، مستوجب سزا قرار پائے یا انھیں تاوان ادا کرنا پڑا"۔ نہ صرف عمال ملکی بلکہ فوج کے افسر وسپاہی بھی انفرادی طور پر عام عدالتوں کے سامنے اپنے خلاف قانون

---

[1] "قانون نظام سلطنت" (Law of the Constitution)

افعال کے لیئے قابل مواخذہ ہیں خواہ یہ افعال کسی بالاتر افسر کے حکم ہی سے کیوں نہ وقوع پذیر ہوئے ہوں۔ وہی مصنف لکھتا ہے کہ "ایک سپاہی کی حالت نظری و عملی دونوں جہتوں سے سخت مشکل کی حالت ہو سکتی ہے۔ اس کی نسبت یہ خوب کہا گیا ہے کہ اگر وہ حکم کی خلاف ورزی کرتا ہے تو فوجی عدالت اسے نشانۂ بندوق بنا سکتی ہے اور اگر وہ اس کی تعمیل کرتا ہے تو جج و جوری اسے پھانسی پر لٹکائے دیتے ہیں۔" اس آخری مثال کے متضاد نظائر پیچیدگی کے باوجود عہدہ داران عدالتی کی اس ذمہ داری سے انفرادی آزادی جس حد تک محفوظ ہو جاتی ہے اس کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ البتہ برطانیۂ عظمیٰ کی مجلس وضع قوانین کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کسی قانون کے بنانے میں وہ اپنے حد اختیار سے تجاوز کر گئی ہے کیونکہ پارلیمنٹ (اپنے قانونی مفہوم کے اعتبار سے جس میں بادشاہ، دارالامرا اور دارالعوام تینوں داخل ہیں) سب سے اعلیٰ قوت ہے جو قانون بھی وہ بنائے گی وہ قانوناً صحیح و درست ہوگا اور عدالتیں ان کے متعلق کسی قسم کی جرح و قدح نہیں کر سکتیں، لیکن پارلیمنٹ کے علاوہ اور دوسری چھوٹی درجہ کی جماعت وضع قوانین کے نافذ کردہ قانون ہمیشہ ایسے سمجھے جاتے ہیں جنھیں عدالتیں نظر انداز کر سکتی ہیں اور بے ضابطہ ہونے کی بنا پر شاید ان کو خارج بھی کر سکتی ہیں۔

لیکن جہاں افعال حکومت کے جواز پر عدالتی فیصلہ کے اصول سب سے زیادہ اپنا اثر دکھاتے ہیں وہ ممالک متحدۂ امریکہ کے ایسے ملک ہیں۔ انگلستان کی طرح یہاں بھی جماعت عاملانہ کے اراکین اپنے سرکاری افعال کے لیئے عدالتوں کے روبرو جوابدہ ہیں، مگر معاملہ صرف یہیں تک ختم نہیں ہو جاتا بلکہ بدیں وجہ کہ ہر قومی و ریاستی مجالس وضع قوانین کو ازروئے نظام سلطنت چند معین و محدود اختیارات دیئے گئے ہیں لہذا یہ فیصلہ کرنا عدالتوں کا فرض ہے کہ آیا مجلس وضع قوانین کسی قانون کے بنانے میں اپنی حد قانونی کے اندر رہی ہے یا اس سے تجاوز کر گئی ہے جس موقع پر مجلس وضع قوانین اپنی حد اختیار سے تجاوز کر گئی ہو وہاں عدالت

(اس قانون کو منسوخ یا اس میں ترمیم تو نہیں کر سکتی مگر) خاص معاملہ پر جو اس کے روبرو پیش ہے اس کے نفاذ سے انکار کر سکتی ہے جو عملاً اسی کے برابر ہے کہ عدالت نے اس قانون کو ناجائز قرار دیدیا ہے۔ اہل امریکہ اس امر کے عادی ہو گئے ہیں کہ عدالتوں کے اس اختیار کو تحریری نظام سلطنت کا ایک لازمی نتیجہ سمجھیں، کیونکہ یہ سوال ہو سکتا ہے کہ اگر ایسا نہ خیال کیا جائے تو پھر وہ کونسی صورت ہے جس کے ذریعہ سے مجلس وضع قانون و جماعت عاملانہ مناسب طور پر ٹھیک ٹھیک ان اختیارات کے اندر رکھی جا سکیں جو ان کو عطا ہوئے ہیں۔ یہ استدلال اگرچہ منطق کے عین موافق معلوم ہوتا ہے مگر ابھی ابھی جرمنی و فرانس کے حالات سے یہ واضح ہو گا کہ یہ امر بھی اسی حد تک درست و صحیح ہے کہ کسی تحریری دستور کے لیئے ہمیشہ یہ ضروری نہیں ہوتا کہ اسکے ساتھ عام عدالتہائے قانونی کا اختیار نظر ثانی بھی لازم و ملزوم کی طرح شامل ہو۔ درحقیقت اس قسم کی تنظیم کا امریکہ میں نشو و نما پانا امریکہ کے سیاسی ارتقا کی نہایت ہی اعلیٰ خصوصیات میں سے ایک اہم خصوصیت ہے۔ اس نشو و نما کے لیئے تخم ریزی نوآبادی ہی کی حکومتوں کے زمانہ میں ہو چکی تھی کیونکہ اس زمانہ میں آخری چارۂ کار کے طور پر نوآبادیوں کی مجالس وضع قانون یا ان کے حکام عاملانہ کے کسی کام کے خلاف کوئی مرافعہ ان حکومتوں کے ہاتھ سے نکال کر بادشاہ باجلاس کونسل کے حضور میں پیش ہو سکتا تھا۔ تحریری منشور جو نوآبادیوں کی تاریخ میں اس قدر مشہور و معروف ہیں اور جو انقلاب کے وقت تک میساچوسٹس، روڈ آئلینڈ اور کونکٹیکٹ میں موجود تھے، انھوں نے ایسے تحریری نظام ہائے سلطنت کے لیئے راستہ تیار کر دیا جس میں اعضائے حکومت کے اختیارات محدود رکھے گئے تھے جب تاج برطانیہ اور نوآبادیوں کے تعلقات منقطع ہو گئے تو ضرورت یہ محسوس ہوئی کہ بادشاہ باجلاس کونسل کے عدالتی اختیار کی جگہ پر کوئی اور شئے قائم کی جائے چنانچہ (۱۷۸۷ء کے) متفقہ نظام سلطنت کے بننے کے قبل ہی نئی ریاستی حکومتوں کے

حکام عدالتی اس جگہ پر قابض ہونے لگے تھے۔ ریاستی عدالتوں کے ایسے متعدد فیصلے محفوظ ہیں جن میں مجالس وضع قوانین کے ضوابط و قوانین کو خلاف آئین قرار دیا گیا ہے۔ ورجینیا کے ۱۷۸۲ء کے ایک مقدمہ کے دوران میں جس میں یہ بحث پیدا کی گئی تھی، یہ بیان ہوا ہے کہ ”چانسلر بلیر اور دوسرے ججوں کی یہ رائے ہے کہ عدالت کو یہ اختیار حاصل ہے کہ مجلس وضع قوانین یا اس کی دونوں شاخوں میں سے کسی شاخ کی کسی قرارداد کو غیر آئینی و ناجائز قرار دیدے“[1]۔ ۱۷۸۹ء کے متفقی نظام سلطنت میں عدالت کا یہ فرض صریحی طور پر درج نہیں ہوا ہے مگر نظام سلطنت کے دفعۂ ۳ فقرۂ ۲ و دفعۂ ۶ میں بطرز مناسب اس کا جواز موجود ہے۔ ان دفعات میں یہ مندرج ہے کہ ”اس نظام سلطنت کے تحت میں جسقدر صورت حالات پیدا ہوں ان سب پر عدالتی اختیار حاوی ہوگا“ علاوہ ازیں یہ بھی مرقوم ہے کہ ”یہ نظام سلطنت اور اس کی مطابقت میں ممالک متحدۂ امریکہ کے متعلق جو قوانین بنائے جائیں وہی اس ملک کا اعلیٰ قانون ہوگا اور ہر ایک ریاست کے جج اسی کے پابند ہوں گے“۔ (۱۸۰۳ء میں) ماربری بنام میڈیسن کے مقدمہ نے (جس میں کانگریس کے ایک قانون کو خلاف دستور قرار دیا گیا تھا) قومی حکومت کی آیندہ کی کارروائی کے لئے قطعی طور پر ایک نظیر قائم کردی، لیکن محکمۂ عدالت اور حکومت کے دوسرے اعضا کے درمیان جو آئینی تعلق اس طرح قائم ہوگیا ہے وہ ممالک متحدۂ امریکہ کے نوادرات میں سے نہیں ہے۔ چنانچہ قلمرو کناڈا کے اندر ”قانون برطانوی شمالی امریکہ“ کی تشریح و توضیح میں حکام عدالت اسی قسم کے اختیار سے کام لیتے ہیں، اور آسٹریلوی دولت عامہ کے وفاقی نظام میں ججوں کو اس قسم کے فرائض تفویض کیئے گئے ہیں۔

---

[1] ڈبلیو ڈبلیو ویلوبی ”ممالک متحدۂ امریکہ کی عدالت عالیہ“ (Supereme Court of the United States

امریکہ کی عدالتہائے قانونی اور اس کی کانگریس جماعت عاملانہ کے فیمابین جو کیفیت اس وقت پیش نظر ہے بر اعظم یورپ کے خاص خاص ممالک کی عدالتوں کی حالت اس سے بہت زیادہ مغائر ہے۔ جیسا اس کے قبل معلوم ہو چکا بہ استثنائے ہنگری یہ ممالک تحریری نظام سلطنت کے زیر اثر ہیں، پھر بھی وہاں یہ نہیں ہوتا کہ عدالتہائے قانونی مجلس وضع قوانین کے نافذ کردہ قانون کو غیر آئینی قرار دینے کا کام انجام دیں۔ فرانس و اطالیہ کے ایسے ممالک میں یہ امر زیادہ تعجب انگیز نہیں معلوم ہوتا کیونکہ ان ممالک کی متفقی حکومت نہیں ہے اور ان صورتوں میں نظام سلطنت میں صرف حکومت کی تنظیم و ترتیب اور انفرادی آزادی کی حفاظت سے بحث کی گئی ہے اور اختیار قانون سازی کو مرکزی و مقامی جماعتوں کے درمیان تقسیم کرنے سے کچھ سروکار نہیں رکھا گیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ فرانسیسی عدالتیں کسی قانون کے جواز سے کچھ بحث نہیں کرتیں۔ ذہنی طور پر یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ کوئی فرانسیسی قانون قطعاً و حتماً خلاف دستور ہو مثلاً یہ کہ کوئی قانون ایسا منظور ہو جائے کہ حکومت کی جمہوری ہیئت کو منسوخ کر دینا چاہیئے تو اس قانون سے نظام سلطنت کی صریحی خلاف ورزی ہوگی مگر عملاً ایسا ہوتا نہیں۔ سابق شہنشاہی جرمنی میں جو ایک متفقی سلطنت تھی اور جس میں تحریری نظام سلطنت موجود تھا ہر شخص کو یہ توقع ہوگی کہ وہاں ممالک متحدۂ امریکہ کی طرح عدالتوں سے برابر یہ کام لیا جاتا رہا ہوگا کہ وہ مختلف ریاستوں کے اور خود سلطنت متفقہ کے قوانین کے دستوری و غیر دستوری ہونے پر حکم لگائیں مگر عمل اس پر تھا کہ اس قسم کے فیصلے صادر نہیں ہوتے تھے۔ شاذ و نادر واقعات ایسے پیش آئے جہاں (متفقی و ریاستی دونوں قسموں کی) عدالتوں نے جرمنی کی چھوٹے درجہ کی مجالس وضع قوانین کے بعض قوانین کے متعلق ریاست کے نظام سلطنت کے خلاف ہونے کا فیصلہ کیا مگر شہنشاہی قوانین جب ایک مرتبہ منظور ہو جاتے تھے تو پھر ان کے جواز پر کبھی کوئی رد و قدح نہیں ہوتی تھی، لیکن

قابل وثوق رایوں کا غلبہ (جس کی تائید خود عدالت شہنشاہی سے ہوتی تھی) اس جانب ہے کہ عدالتوں کی نظر ثانی کے اختیار کا وجود تسلیم کرنا چاہیئے، مگر ان کے علاوہ اور بھی ارباب حل وعقد ایسے تھے جن کی رائے اس کے بالکل ہی مخالف تھی، چونکہ شہنشاہی مجلس وضع قوانین کا کوئی قانون اس وقت تک نفاذ پذیر نہیں ہوتا تھا جب تک کہ شہنشاہ اس کا اعلان نہ کردے، پس ان مصنفین کا یہ خیال تھا کہ یہ اعلان بجائے خود اس قانون کے حسب آئین ہونے کا کافی ووافی معیار تھا، بہر حال جو کچھ بھی ہو، واقعہ یہ تھا کہ شہنشاہی قوانین کو عدالتیں ہمیشہ صحیح وبجا تسلیم کرتی تھیں۔ اس سے زیادہ قابل لحاظ یہ امر ہے کہ سوئٹزرلینڈ کی متفقی جمہوریت میں بھی یہی طریقہ رائج ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ سوئٹزرلینڈ کے نظام سلطنت ہی میں ایک دفعہ یہ موجود ہے کہ کوئی قانون جسے مجلس متفقیہ منظور کرلے اسے ہر طرح پر صحیح وبجا تسلیم کیا جائے[1]۔

۳۔ قانون انتظامی وعدالتہائے انتظامی: لیکن عدالتوں کے اس نظر ثانی کے اختیار کا نہ موجود ہونا ہی ایک ایسا امر نہیں ہے جس میں براعظم یورپ کا عمل امریکہ کے عمل سے مختلف ہے بلکہ دونوں جگہوں میں قانون کی نظر میں حکام عاملانہ کی تمام حیثیت بھی مختلف ہے۔ وہ اصول جس کے بموجب انگلستان وامریکہ کا ہر ایک عہدہ دار اپنے سرکاری افعال کے لیئے عدالت کے روبرو جوابدہ ہے وہ یہاں عائد ہی نہیں ہوتا۔ براعظم یورپ میں جوابدہی کی اس صورت کے بجائے ضوابط وطریق کار معین کیئے گئے ہیں جو قانون انتظامی کے نام سے مشہور ہیں[2]۔ اس طریق کے

---

[1] دستور دفعہ ۱۱۳۔

[2] قانون انتظامی کے لفظ کا مفہوم ایک سے زائد ہے، فرانس میں یہ لفظ جس معنی میں استعمال ہوتا ہے اس میں صرف وہی قوانین داخل نہیں ہیں جو حکام انتظامی ودیگر باشندگان ملک کے تعلقات پر محتوی ہوں بلکہ اس کے معنی میں وہ تمام قوانین عامہ

بموجب ملازمان سرکاری جو اپنی سرکاری حیثیت سے کام کر رہے ہوں، وہ عام عدالتوں کے دائرۂ اثر سے خارج ہو جاتے ہیں، اور صرف انتظامی عدالتوں کے روبرو جوابدہی کے لیئے طلب کیئے جا سکتے ہیں، ان عدالتوں کی ایک خاص ترتیب ہوتی ہے جس میں زیادہ تر جماعت عاملانہ کے ارکان شامل ہوتے ہیں مثلاً فرانس میں انتظامی عدالتیں درجہ بندی کے ساتھ موجود ہیں اور وہ عام عدالتوں کے دوش بدوش قائم ہیں۔ ہر صوبہ میں پریفکٹ اور اس کی مجلس شوریٰ (جسے رئیس جمہوریہ مقرر کرتا ہے) انتظامی عدالت کا کام دیتی ہیں۔ عدالت حسابات، مجالس نظر ثانی، (فوجی بھرتی وغیرہ کے لیئے) عدالتہائے اختلافات — نوآباد، اور تعلیمات عامہ کی بعض مجلسیں خاص خاص عدالتی اختیارات عمل میں لاتی ہیں۔ آخری عدالتی اختیار مجلس کے ہاتھ میں ہے[1]، مجلس سلطنت ایک جماعت ہے جسے رئیس جمہوریہ نامزد کرتا ہے۔ ایک خاص جماعت (یعنے عدالت اختلافات) دونوں قسم کی عدالتوں کے مساوی التعداد نمایندوں سے ترتیب دیگئی ہے جس میں وزیر عدالت

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ: — داخل ہیں جو سلطنت کے نظم و ترتیب سے تعلق رکھتا ہو۔ انگریزی میں یہ لفظ زیادہ تر اول الذکر محدود معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ براعظم یورپ میں انتظامی قانون کا جس طرح عملدرآمد ہوتا ہے اس کے لیئے طالبعلم کو سیمونے کی تصنیف۔ مبادی حقوق عامہ، (Simonet: Traite Elementair de Droit Public) اور گڈنو کی تصنیف تطبیقی انتظامی قانون (Comparative Administrative Law) دیکھنا چاہیئے۔

[1] یہ جماعت جو حکومت عاملانہ کے لیئے مجلس شوریٰ کا کام دیتی ہے اور ایک طرح کی عدالت بھی ہے، اس کے صحیح نظام ترکیب کے لیئے دیلا بینی دے دیل نیو کی تصنیف مبادی نظام سلطنت فرانس (Elements de Droit Constitutional Francais) حصہ اول باب سوم جزو دوم دفعہ ۳ دیکھنا چاہیئے۔

اور دو زائد ارکان بھی شامل ہوتے ہیں، یہ عدالت ان مقدمات کا فیصلہ کرتی ہے جن کی نوعیت مشکوک و متنازعہ فیہ ہوتی ہے۔ عہدہ داروں کے کاموں پر انتظامی عدالتوں کے اختیارات مستثنیات سے کلیتہً خالی نہیں ہیں۔ "عام عدالتوں کو ان کی قانونی حیثیت کے طور پر اخراج ملکیت یعنی (سلطنت کی طرف سے اپنے) اقتدار اعلیٰ کے حق کے استعمال میں لانے کے معاملہ میں کامل اختیار حاصل ہے[1] مزید براں انتظامی حیثیت سے سلطنت جو گرفتاریاں کرے وہ ضابطہ تعزیرات کی رو سے عام عدالتوں کے زیر اثر ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ جب حکومت یا حکومت کا کوئی محکمہ معمولی تجارتی معاہدہ کا کوئی فریق بنجاتا ہے تو اس صورت میں اس کے معاملات معمولی عدالتوں کے اختیار میں آجاتے ہیں[2]"، لیکن فی الاصل صحیح یہی ہے کہ فرانس اور عام طور پر براعظم یورپ کے ممالک میں، جب افراد و حکومت کے درمیان کوئی تنازعہ پیش آجاتا ہے تو اس کا تصفیہ خود حکومت ہی کرتی ہے۔

فرانس میں انتظامی عدالتوں کے رواج کی ابتدا مطلق العنان مرکزی بادشاہت کی وسعت کے ساتھ ہی ساتھ ہوئی جس کا رجحان یہ تھا کہ قدیم مقامی عدالتوں کو برطرف کر کے ان کے بجائے شاہی عہدہ دار مقرر کیئے جائیں۔ ۱۷۸۹ء کی مجلس ترکیب دستور نے جماعت عاملانہ کے کاموں پر حکم لگانے کے لیئے صاف طور پر عاملانہ عدالتوں کا اصول قبول کرلیا تھا۔ اس کارروائی سے انھیں یہ توقع تھی کہ حکام عاملانہ حکومت کی عدالتی شاخ کے زائد از ضرورت تائید و دست نگری سے آزاد ہو جائینگے اور اپنے اس فعل کی سند انھیں تفریق اختیارات کے زبان زد عقیدہ مسلمہ میں مل گئی۔ "حکام عدالت اگر انتظامی معاملات میں دراندازی کریں گے،"

---

[1] منشا یہ ہے کہ حکومت اگر اپنے اقتدار اعلیٰ سے کام لے کر کسی کو اسکی ملک سے بیدخل کرنا چاہے تو اس کا تصفیہ عام عدالت کے حدود اختیارات میں داخل ہوگا۔

[2] گڈنو، تطبیقی انتظامی قانون (Comparative Adminstrative Law)

اور انتظامی عہدہ داروں کو ان کے ادائے فرائض میں پریشان کریں گے تو یہ بھی نظام سلطنت کی ویسی ہی خلاف ورزی ہوگی جیسا حکام عاملانہ کا عدالتی معاملات میں دخل دینا۔ عدالتوں کا ہر ایک وہ فعل جس سے حکومت کے انتظامی کاموں کی مخالفت کرنا یا ان کا روکنا مقصود ہو وہ خلاف دستور ہونے کی وجہ سے ناجائز وغیر موثر ہوگا[۱]۔ اس طرح جو اصول ایک مرتبہ قائم ہوگیا اسے بعد کی وہ حکومتیں جو فرانس پر کارفرما رہیں برابر قبول کرتی چلی آئیں۔ اگرچہ تیسری جمہوریت کے قیام کے وقت ظاہراً اس قاعدے کو منسوخ کردیا گیا تھا مگر اصطلاحاً اس حکم منسوخی کی تاویل ایسے طور پر کی گئی کہ عملی حیثیت سے وہ حکم بے اثر محض ہوگیا۔ نظری طور پر یہ طریقہ تقسیم اختیارات کے اصول پر مبنی ہے مگر حقیقۃً اس کا اثر یہ ہوا ہے کہ اس نے عاملانہ حکومت کے ہاتھوں کو قوی کردیا ہے۔ بیشک بعض مصنفوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ انتظامی عدالتیں بجائے خود انفرادی آزادی کے لئے جائز و موزوں تحفظ کا کام دیتی ہیں مگر بیشتر شہادتوں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ایک ایسے طریقہ میں جہاں حکام عاملانہ تعدی بھی کریں اور پھر اس کے ساتھ ہی وہی اس تعدی کا انصاف کرنے بیٹھیں افراد کے حقوق کو لامحالہ قربان کرنا پڑے گا۔

۴۔ جماعت انتخاب کنندگان، خاص خاص ممالک میں حق رائے دہی عامہ کا ارتقا:۔ حکومت کی عاملانہ تشریعی و عدالتی شاخوں کی بحث میں ان صیغوں کے عہدہ داروں کے قوم کی طرف سے منتخب ہونیکا ذکر آیا ہے اس لئے مناسب ہے کہ اعضائے حکومت کی بحث کے آخر میں انتخاب کنندگان کے متعلق بھی ایک مختصر تبصرہ کیا جائے، انتخاب کنندگان کے لفظ سے جو جماعت مراد ہوتی ہے وہ تمام باشندگان ملک کے ہم معنی نہیں ہے۔ باشندۂ ملک کے معنی ہیں سلطنت کا ہر وہ رکن (مرد ہو یا عورت)

---

[۱] ۱۶ تا ۲۴؍ اگست ۱۷۹۰ء کے قانون کی ہدایات بحوالہ گڈنو۔

داخل ہے جو سلطنت کی وفاداری کا پابند ہو اور جو سلطنت کی طرف سے اپنی حفاظت کا استحقاق رکھتا ہو مگر انتخاب کنندگان میں صرف وہی لوگ داخل ہیں جو اس خاص سلطنت کے قانون حق رائے دہی کے بموجب رائے دینے کا حق رکھتے ہوں۔ انتخاب کنندگان یا رائے دہندگان کو اکثر "سیاسی قوم" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے تاکہ وہ ان لوگوں سے ممیز ہو جائیں جنھیں معاملات عامہ کے انصرام میں کسی قسم کا براہ راست قانونی حق حاصل نہیں ہے۔ سنہ ۱۷۹۱ء کے فرانسیسی نظام سلطنت میں یہ کوشش کی گئی تھی کہ ایک طرف تو رائے دہندوں کی تعداد بہت ہی محدود ہو، دوسری طرف عوام کے اقتدار اعلیٰ کا اصول بھی تسلیم کر لیا جائے، پس ان دونوں میں تطبیق پیدا کرنے کے لیئے اس نے "باشندگان عملی و غیر عملی" کی دو قسمیں بنالیں۔

عام جماعت قومی کا اپنے اوپر حکومت کرنے کے لیئے اپنے نمایندوں کی نسبت رائے دینے کا حق برطانیۂ عظمیٰ و امریکہ کے آزاد ادارات کا سنگ بنیاد ہے۔ اس نیابتی حکومت کی ابتدا اینگلو سیکسن ادارات کے بہت ہی ابتدائی زمانہ میں ہو چکی تھی، سیکسنی زمانہ کے انگلستان میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہر ایک قصبہ، صوبے کی عدالت یا مجلس عامہ میں اپنی نمایندگی کے لیئے ایک منتخب شدہ سرخیل اور چار شخصوں کو بھیجا کرتا تھا۔ یہ فرض کر لیا گیا ہے۔ اس ابتدائی زمانہ کے انتخاب میں ہر آزاد شخص شریک ہوا کرتا تھا، لیکن انگلستان میں پارلیمنٹی حکومت کے آغاز ہونے کے وقت سے رائے دہی کا حق قابضان اراضی کے لیئے مخصوص ہونے لگا، یہ حالت ایک ایسے ملک میں جیسا کہ پندرھویں صدی کا انگلستان تھا، بالکل طبعی حالت تھی۔ اس زمانہ میں دولت، معاشری وقعت، اور زمین کی ملکیت بالکل ہی مترادف الفاظ تھے۔ ہنری ششم کے (سنہ ۱۴۳۰ء کے) ایک قانون نے اضلاع میں حق رائے دہی کو ان باشندوں کے لیئے محدود کر دیا جن کے پاس چالیس شلنگ سالانہ آمدنی کی زمین ہو۔[1]

---

[1] انیس قانون و دستور نظام سلطنت (Law and Custom of the Constitution

پندرھویں صدی اور بیسویں صدی کے ابتدائی ایام کے درمیان روپیہ کی قیمت میں کم از کم ایک اور پندرہ کا فرق ہو گیا ہے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رائے دہی کا معیار بہت اونچا تھا۔ اقامت کے متعلق جو دفعہ تھی وہ اگرچہ متروک ہو گئی مگر انگلستان کے اضلاع میں حقوق رائے دہی کے متعلق چار سو برس تک اسی قانون پر عملدرآمد ہوتا تھا۔ ذی اختیار بلدیات میں اگرچہ حق رائے دہی کی حالت مختلف قصبوں میں بہت ہی مختلف تھی مگر اس کی بنا زیادہ تر جائداد غیر منقولہ کے رکھنے یا محصولوں کے ادا کرنے ہی پر تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بمرور ایام رائے دہی کا حق قبضۂ جائداد کا مستقل جزو بن گیا، اور جیسا کہ بالعموم ہوا کرتا ہے اس سیاسی امر واقعہ کی تشریح و تثبیت کے لئے ایک سیاسی نظریہ بھی پیدا ہو گیا۔ سمجھا یہ جانے لگا کہ قوم میں اصحاب جائداد ہی وہ اشخاص ہیں جنھیں ملک کی مادی بہبود سے تعلق ہے اور ان کی رائے دہی ان کے باشندۂ ملک ہونے کی حیثیت سے نہیں ہے بلکہ یہ نتیجہ ہے ان کے قبضۂ جائداد کا ریاست ہائے امریکہ کی آزادی کے ابتدائی زمانہ میں ان میں بھی یہی نظریہ رائج تھا۔ رائے دہی اور اس کے ساتھ ہی منتخب ہونے کا حق دونوں کے لئے جائداد کی شرط لگی ہوئی تھی اور وہ بھی بہت قیود کے ساتھ۔ انقلابی فرانس کے (سنہ ۱۷۹۱ء کے) پہلے نظام سلطنت میں بھی وہی لوگ "عملی باشندگان ملک" میں شامل کئے گئے تھے جو براہ راست سالانہ اس قدر محصول ادا کرتے ہوں کہ وہ بدرجۂ اقل تین دن کی مزدوری کے برابر ہو۔"

لیکن عمومیت کے جو خیالات اٹھارھویں صدی کے فلسفہ اور فرانسیسی و امریکی انقلابات سے پیدا ہوئے انھوں نے بتدریج ایک بالکل دوسرے قسم کے خیال کو حاوی و غالب بنا دیا۔ یہ وہ خیال تھا جسے "ہمہ گیر حق رائے دہی" کا اصول کہتے ہیں یعنی ملک کے تمام بالغ و ذی اہلیت اشخاص کو

بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ:— حصۂ اول باب پنجم جزو ۲ فقرۂ یکم۔

محض باشندۂ ملک ہونے کی حیثیت سے رائے دینے کا حق ہونا چاہیئے اور جائداد کے قبض ودخل سے اس کو کوئی سروکار نہ ہونا چاہیئے۔ اس عقیدہ کا اعلان "جیکوبن" (فرانسیسی انقلابیوں میں انتہائی جمہوریت پسندوں) نے کیا لیکن ان میں بھی بہت تھوڑے ہی ایسے تھے جو اس "ہمہ گیر حق" میں عورتوں کو بھی شامل کرنا چاہتے تھے[1] اس نظریہ کا اثر امریکہ میں انیسویں صدی کے اوائل میں ظاہر ہوا، جبکہ ریاستوں نے جائداد کے اصول کی شرط کو ترک کر دیا اور رائے دہی کے لیئے صرف ایک شرط بلوغ کو قائم رکھنے کے لیئے یوماً فیوماً ان کا قدم آگے بڑھنے لگا۔ انگلستان جہاں مجرد سیاسی نظریات کا کچھ وزن نہیں ہے، وہاں بھی محدود حق رائے دہی کی عملی ناانصافی نے ایک مدت دراز تک شورش برپا رکھی جس کا انجام سنہ ۱۸۳۲ء کی پارلیمنٹی اصلاح پر ہوا جن مختلف حکومتوں نے برطانیہ وممالک متحدۂ امریکہ کو نمونہ قرار دے کر اپنے انتظام کو اسی سانچہ میں ڈھالا ہے۔ انھوں نے بھی ہمہ گیر حق رائے دہی کے اصول کو قبول کر لیا ہے۔

اس صدی کے آغاز کے وقت عمومیت پسند ملکوں میں قوم کے جس حصہ کو رائے دہی کا حق حاصل تھا وہ آبادی کا محض ایک جزو قلیل تھا جو پانچویں حصہ سے بھی کم ہی کم ہوتا تھا۔ عام اصول یہ تھا کہ تمام بالغ مردوں کو جن کی دماغی واخلاقی حالت درست ہو رائے دہی کا حق دیا جائے۔ یہ اصول نہایت ہی سادہ وآسان تھا اور بعض سلطنتوں میں صرف ایک ہی وسیع الاثر قانون سے تمام قوم اس کے حیطۂ عمل میں آجاتی تھی۔ چنانچہ فرانس میں ۷؍ جولائی سنہ ۱۸۷۴ء کے قانون نے فرانس کے تمام مرد باشندوں کو جن کی عمر کم از کم اکیس برس کی ہو رائے دہی کا حق عطا کیا۔

---

[1] انقلاب فرانس کے دوران میں عورتوں کے حق رائے دہی کے مسئلہ کے متعلق اولارڈ کی "تاریخ سیاسیۂ انقلاب فرانس" (Histoire Politique de la Revolution Fraincaise) دیکھنا چاہیئے۔

اسی طرح جرمنی کی ریشٹاگ یعنی مجلس وضع قوانین کے عمومی ایوان کے ارکان کے منتخب کرنے کا حق شہنشاہی جرمنی کے ہر ایک اس مرد باشندہ ملک کو دیا گیا تھا جس کی عمر پچیس برس کو پہنچ چکی ہو[1]۔ براعظم یورپ میں، یہی حالت اس وقت (سنہ ۱۹۲۰ء) تک رائج ہے مگر انگریزی زبان بولنے والی عمومیت میں عورتوں کے حق رائے دہی کی وسعت کے متعلق وسیع تغیر ہو گیا ہے۔ اس کا شمار بیسویں صدی کے نہایت ہی نمایاں سیاسی ارتقائات میں کرنا چاہیئے۔

جدید عمومی دور کی ابتدائی کیفیتوں میں عورتوں کی رائے دہی کے دعوے کو بہت کم تائید حاصل ہوئی تھی۔ امریکی و فرانسیسی انقلابات کے پرجوش حامیوں نے بھی زیادہ تر اس امر کو ایک امر مسلمہ سمجھ لیا تھا کہ عورتوں کا "فطری میدان عمل"، سیاسی کاموں کے بجائے کسی اور جگہ واقع ہے، صرف اس قسم کی مستثنیٰ جماعتیں جیسے کہ فرانسیسی انقلاب کے کارڈیلیر تھے یا اس قسم کے منفرد مصنفین جیسے میری ولسٹن کرافٹ تھی[2]، یہی عورتوں کے سیاسی حقوق کی حمایت کرتے تھے مگر ان کی حمایت کی طرف بہت کم توجہ کی جاتی تھی۔ انیسویں صدی کے پہلے نصف حصہ میں اس مسئلہ کی اہمیت جو کچھ تھی وہ علمی انجمنوں کے اندر محدود تھی مگر وہ اقتصادی تغیرات جو روز بروز عورتوں کو مزدوری پیشہ بناتے گئے اور حرفتی کاموں کے گھروں کے اندر انجام پانے کے بجائے کلوں کا رواج دیا، ان تغیرات کا نتیجہ یہ ہوا کہ عورتوں کے لیئے سیاسی حقوق کا مطالبہ بڑھتا گیا۔ جان اسٹوارٹ مل کی کتاب "عورتوں کی حلقہ بگوشی" (The Subjection of Women)

---

[1] دستور شہنشاہی دفعہ ۲۰۔

[2] میری ولسٹن کرافٹ۔ اثبات حقوق نسوانی (سنہ ۱۷۹۲ء)۔

جو سنہ ۱۸۶۹ء میں شائع ہوئی تھی اس کی نسبت یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس نے ایک نئے دور کی ابتدا کر دی تھی۔ عورتوں کو رائے دہی کا حق اول اول جدید قوموں میں عطا کیا گیا (چنانچہ امریکہ کی) بعض مغربی ریاستوں (جن میں سب سے پہلے وایومنگ نے سنہ ۱۸۶۹ء میں اس کی ابتدا کی) اور ممالک آسٹریلیشیا میں یہ حق پہلے عطا ہوا، بیسویں صدی کی پہلی دہائی کے ختم ہوتے ہوتے اس مسئلہ کو اول درجہ کی اہمیت کا مسئلہ تسلیم کر لیا گیا۔ ”حقوق طلب“ عورتوں کی پریشاں کن جانبازیاں، برطانیہ کے سیاسی آب و گل کے سکوں پر غالب آ گئیں اور جن لوگوں نے اب تک اس کی مخالفت کی تھی انھیں عورتوں کے زمانۂ جنگ کے کاموں کے تسلیم کیے جانے سے پیچھے ہٹنے کا ایک حیلہ ہاتھ آ گیا۔ برطانیہ کا سنہ ۱۹۱۸ء کا ”قانون رائے دہی“ اور ممالک متحدۂ امریکہ کے نظام سلطنت کی ترمیم جس کی کیفیت نیچے بیان ہوئی ہے، ان دونوں کی نسبت یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ انھوں نے حکومت کے ایک سیاسی اصول کو قطعی طور پر تسلیم کر لیا ہے اور اب اغلب یہ ہے کہ اسے ترک نہ کیا جائے گا۔

برطانیۂ عظمیٰ اور امریکہ میں حق رائے دہی اس وقت جس حالت میں قائم ہے اس کی نسبت اب ان تغیرات کی روشنی میں تفصیل کے ساتھ بحث ہو سکتی ہے۔ حق رائے دہی اگرچہ اصولاً و عملاً نہایت ہی عمومی طریق پر ہے مگر قانونی جزئیات نہایت پیچیدہ ہیں۔ دستور مملکت نے اس معاملہ کو ریاستوں کی حکومتوں کے ہاتھوں میں چھوڑ دیا ہے۔ چنانچہ دستور کے دفعۂ ۱ فقرۂ ۲ کا منشا یہ ہے کہ وفاقی دار النائبین کے ارکان کے متعلق رائے دینے کے لئے رائے دہندوں کو ہر ریاست میں ان شرائط کو پورا کرنا ہوگا جو اس ریاست کی مجلس مقننہ کے کثیر التعداد ایوان کے انتخاب کنندوں کے لئے لازم قرار دی گئی ہوں۔ اس کے ساتھ پندرھویں ترمیم کی شرط کو بھی شامل کر لینا چاہئے یعنی ”ممالک متحدۂ امریکہ کے اہل ملک کی حق رائے دہی ان کی قومیت، یا رنگ یا سابقہ حالت غلامی کی وجہ سے ممالک متحدہ یا اس کی کسی واحد ریاست کی طرف سے نہ تو بند کی جائے گی اور نہ اس میں کمی کی جائے گی۔“

۱۹۱۹ء میں موتمر (کانگریس) نے ایک مزید ترمیم تجویز کی اور اسے ریاستوں کے سامنے پیش کیا، وہ ترمیم یہ تھی کہ "ممالک متحدۂ امریکہ کے شہریوں کے لیئے نہ ممالک متحدہ کی طرف سے اور نہ کسی ریاست کی طرف سے محض جنس کی بنا پر حق رائے دہی سے انکار کیا جائے گا اور نہ اس میں تخفیف کیجائیگی"۔ اس سے پیشتر ہی بہت سی ریاستوں نے (جن کی تعداد ۱۹۱۹ء کے آخری دور میں سولہ تک پہنچ چکی تھی) عورتوں کو مکمل حق رائے دہی عطا کردیا تھا اور جزوی حق رائے دہی تو اکثر ریاستوں کی عورتوں کو پہلے ہی سے حاصل تھا۔ مختلف ریاستوں کے قوانین رائے دہی اگرچہ اکیس برس سے کم عمر کے اشخاص کو خارج کرنے میں متفق ہیں مگر اور شرائط کے اعتبار سے ان میں بڑا اختلاف ہے۔ بعض ریاستیں ان غیر ملکیوں کو بھی رائے دہی کا حق عطا کرتی ہیں جو اور طرح پر شرائط کو پورا کرنے اور حقوق ملکی کے حاصل کرلینے کا ارادہ ظاہر کر چکے ہیں۔ رائے دہی کے قبل ریاست میں رہنے کے لیئے جو مدت لازمی قرار دی گئی ہے اس میں تین مہینے سے لے کر دو برس تک کا اختلاف ہے (چنانچہ مین میں تین مہینے اور الاباما اور بعض دوسری ریاستوں میں دو برس کی مدت مقرر ہے)۔ اسی طرح ضلع، شہر اور نواح شہر میں رہنے کے لیئے اگر مدت قیام کی شرط ہوتی ہے تو وہ بھی جابجا مختلف ہے۔ اخراج کی عام فہرست میں مجنون، فاتر العقل اور مجرم اشخاص شامل ہیں۔ بہت سی ریاستیں مفلوکوں کو بھی خارج کردیتی ہیں اور بعض ریاستیں (مثلاً کلیفورنیا، نیواڈا، اوریگن) بالتخصیص چینیوں کو خارج رکھتی ہیں۔ متعدد جنوبی ریاستوں میں رائے دہی کے خاص قوانین ایسے پائے جاتے ہیں جن کی غرض یہ ہے کہ پندرھویں ترمیم کو اس طرح محدود کردیا جائے کہ اس کا بالواسطہ اثر یہ ہو کہ حبشی رائے دینے سے محروم رہجائیں چنانچہ لوئیزیانا کی فہرست رائے دہندگان ممالک متحدۂ امریکہ کے ان شہریوں تک محدود کی گئی تھی جو لکھنے پڑھنے کی قابلیت رکھتے ہوں اور جو بذات خاص تین سو ڈالر کی جائداد کے مالک ہوں یا جن کے باپ یا دادا یکم جنوری ۱۸۶۷ء کو رائے دینے کے مستحق رہے ہوں۔

سلطنت متحدۂ برطانیہ میں پارلیمنٹ کے لئے حق رائے دہی نہایت ہی پیچیدہ نوعیت کا ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ پارلیمنٹ نے کبھی یہ مناسب نہ سمجھا کہ ایک ہی وقت میں مروجہ طریق رائے دہی پر تمام وکمال نظر ثانی کرے اور سابق کے تمام قوانین کو منسوخ کر کے ان کے بجائے ایک واحد و یکساں قانون رائے دہی نافذ کر دے بلکہ پارلیمنٹی اصلاح کے ہر مرحلہ میں موجود الوقت قانون کے صرف ایک ایک جزو کی ترمیم و تنسیخ ہوتی رہی۔ حق رائے دہی کی وسعت کے متعلق انیسویں صدی میں تین اہم قوانین نافذ ہوئے ہیں۔ سنہ ۱۸۳۲ء کے قانون اصلاح نے مالکان اراضی کے ساتھ کاشتکاروں کو بھی شامل کر کے اضلاع کے قدیم رائے دہندوں کی تعداد میں وسعت کر دی اور شہری رائے دہی کے ضمن میں ان محصول ادا کرنے والے مالکان مکان کو بھی داخل کر لیا جو ایسے مکانوں میں رہتے ہوں جس کی سالانہ آمدنی کم از کم دس پونڈ ہو۔ سنہ ۱۸۶۷ء کے قانون اصلاح نے اس میں مزید وسعت کی۔ آخر میں سنہ ۱۸۸۴ء کے "قانون نمایندگی قوم" نے انگلستان و ویلز کے اندر شہر و قصبہ دونوں جگہوں میں نہایت عام حق رائے دہی عمومی طریق پر قائم کر دیا ہے۔ شرائط یہ تھے کہ رائے دینے کا مستحق وہ شخص ہوگا جو مرد ہو، کم از کم اکیس برس کی عمر کا ہو، ایک معینہ قیمت کی زمین یا مکان کا مالک یا پٹہ دار یا کرایہ دار ہو (یہ رقم ملکیت و عدم ملکیت کی نوعیت کے اعتبار سے مختلف تھی۔) یا کسی ایسے معینہ مکان پر قابض ہو یا اس میں رہتا ہو جس کی ایک مخصوص سالانہ مالیت ہو یا اس پر مقامی محصول ادا کیا جاتا ہو۔ اسکاٹ لینڈ و آئرلینڈ میں پارلیمنٹ کے لئے رائے دہی کے شرائط انگلستان کے شرائط کے لفظ بلفظ مطابق تو نہیں مگر کم و بیش ایسے ہی تھے۔ علاوہ اس کے سابق کے غیر منسوخ شدہ قوانین کی رو سے بھی لوگ رائے دہی کا حق حاصل کر سکتے تھے مثلاً جو اشخاص خاص خاص شہروں میں پیدا ہوئے ہوں یا وہاں کے آزاد باشندے ہوں یا شہر لندن کی شہری کمپنیوں میں سے کسی کمپنی کے رکن ہوں یا مثلاً آکسفورڈ، کیمبرج، ڈبلن یا لندن کے دار العلوموں کی فہرست انتخابی

میں بحیثیت وہاں کے گریجویٹ کے داخل ہوں، اور اس طرح بعض اور صورتو میں لوگوں کو رائے دہی کا حق حاصل ہو جاتا تھا۔ خارج شدہ اشخاص کی فہرست میں وہ غیر ملکی جنھوں نے ہنوز اہل ملک کے حقوق نہ حاصل کیئے ہوں فاتر العقل، سزا یافتہ مجرم اور طبقۂ امرا کے ارکان داخل ہیں۔ انگلستان میں رائے دہی کی موجودہ حالت کی پیچیدہ تاریخی کیفیت اور عملی طور پر اس کی عمومی نوعیت انگریزی سیاسی تنظیمات کے ارتقا کی خصوصیات میں داخل ہے۔ سیاسی نظریات کے لفظی شرائط کا بہت ہی کم لحاظ کیا جاتا ہے بشرطیکہ عملی کارروائی عقل و انصاف کے منافی نہو۔ جنگ عظیم کے زمانہ میں عمومی جذبات کی ترقی کی وجہ سے ایک نیا قانون رائے دہی بنام "قانون نمایندگی قوم" منظور ہوا، جو بہت ہی اہم تغیرات پر مشتمل تھا۔ تمام اشخاص جو کہ غیر ملکی ہوتے یا (پانچ برس کے لیئے) معترض خدمت جبری ہونے کی وجہ سے ناقابل نہ قرار دے دیئے گئے ہوں ان کو رائے دہی کا حق حاصل ہے، بشرطیکہ ان کی عمر اکیس برس کی ہو اور چھ مہینے معینہ قیام کیا ہو۔ تمام عورتیں جو ناقابل نہ قرار دی گئی ہوں اور تیس برس کی عمر کی ہوں اور یا تو خود مقامی حکومت میں انتخاب کنندہ ہوں ورنہ ان کے شوہر مقامی حکومت میں انتخاب کنندہ ہوں، وہ سب رائے دے سکتی ہیں۔ سنہ ۱۹۲۰ء میں ایک مسودۂ قانون عورتوں کی عمر کی حد کے اکیس برس تک گھٹانے کے لیئے پیش ہوا تھا مگر وہ منظور نہ ہوا۔

عورتوں کی رائے دہی کا حق انگلستان کی ان نوآبادیوں میں جنھیں حکومت خود اختیاری حاصل ہے بہت وسعت کے ساتھ تسلیم کیا جاتا ہے۔ آسٹریلیا کی تمام ریاستوں میں عورتیں ریاستی اور متفقی انتخابات میں رائے دیتی ہیں۔ نیوزیلینڈ میں بھی عورتوں کو حق رائے دہی انھیں شرائط کے ساتھ حاصل ہے جو مردوں کے لیئے ہے، کناڈا کے نو صوبوں میں سے اکثر صوبوں میں عورتونکو رائے دہی کا حق حاصل ہے۔ ان میں چار مغربی صوبے شامل ہیں مگر کوئے بیک شامل نہیں ہے۔ سنہ ۱۹۱۷ء تک کناڈا کے متفقی انتخابات میں رائے دینے کا حق ہر صوبے میں انھیں رائے دہندوں کے لیئے محدود تھا جو صوبے کے قانون کے

بموجب رائے دینے کے اہل تھے۔ ۱۸۶۷ء کے قانون برطانی شمالی امریکہ کے بموجب متفقی حکومت کو قلمرو کے لیئے ایک عام حق رائے دہی کا طریقہ بنانے کا حق حاصل ہے مگر ۱۸۸۵ء سے ۱۸۹۵ء تک کے مختصر زمانہ کے سوا)، اس نے اسی کو مرجح سمجھا کہ اس معاملہ کو صوبوں کی صوابدید پر چھوڑ دے۔ ۱۹۱۷ء کے ایک قانون کے بموجب بعض عورتوں (یعنی سپاہیوں کی بیویوں اور ماؤں وغیرہ) کو اس سال کے عام انتخاب میں رائے دینے کا حق دیا گیا تھا، جنگ کے بعد "مسودۂ قانون رائے دہی قلمرو" ۱۹۱۹ء کی پارلیمنٹ میں پیش کیا گیا۔

۵۔ قلیل التعداد جماعتوں کی نمایندگی:۔ رائے دہی کے معاملہ میں ایک خاص دلچسپ مسئلہ قلیل التعداد جماعتوں کی نمایندگی ہے۔ اگر قومی مجلس وضع قانون کے ارکان سب کے سب ایک "عام ٹکٹ" (اجازت نامہ) کی رو سے تمام قوم سے اس طرح منتخب ہوتے یعنی ہر رائے دہندہ اتنی ہی بار رائے دیتا جتنی جگہیں پُر کرنا منظور ہوتیں تو صاف ظاہر ہے کہ رائے دہندوں کی ایک قلیل التعداد جماعت ایسی بھی ہوتی جس کا کوئی امیدوار منتخب نہ ہوتا لیکن عملاً "بے نیابت اقلیت" کی کوئی ایسی حیرت انگیز مثال وقوع میں نہیں آتی۔ اس ضرورت سے کہ ہر حلقہ سے کم از کم ایک حصۂ قوم کی نمایندگی ہو سکے لازماً یہ طریقہ اختیار کرنا پڑتا ہے کہ تمام ملک کو حلقوں میں تقسیم کر دیا جائے اور ہر حلقہ سے ایک یا چند امیدوار منتخب کیئے جائیں۔ لیکن حلقوں کی اس قسم کی تقسیم کے باوجود بھی کچھ لوگ اپنی رائے ایسے امیدواروں کو دیتے ہیں جن کا انتخاب نہیں ہوتا اور اس طرح ایک معنی کر کے ان کی نمایندگی نہیں ہوتی۔ علاوہ ازیں اس طریق میں منتخب شدہ امیدواروں کو فی الواقع ہمیشہ اس سے بہت زیادہ رائیں ملجاتی ہیں جتنی ان کے انتخاب کے لیئے ضروری ہوتی ہیں۔ اکثر صورتوں میں یہ فاضل رائیں بہت زیادہ ہوتی ہیں۔ جہاں فریقانہ امیدواروں کا انتخاب حلقہ بہ حلقہ ہوتا ہے وہاں بخوبی ایسا ہو سکتا ہے کہ جو امیدوار ایک فریق سے منتخب ہوئے ہوں ان کے پاس ان حلقہائے انتخاب میں جہاں انھیں کامیابی ہوئی ہو، اس قدر بے ضرورت رائیں فاضل بچ گئی ہوں کہ

ان کے نمایندے رائے عام کے مجموعے کے لحاظ سے کثرت رائے حاصل کرلیں اور پھر بھی مجلس وضع قوانین میں قلیل التعداد رہیں۔ یہ خرابی اور بھی بڑھ سکتی ہے اگر اقتدار یافتہ فریق حلقجات انتخابی کو اس طور پر تقسیم کردے کہ اپنے فرقہ والوں کی رائے سے بیش از بیش کام لے سکے اور مخالفوں کی رایوں کا اثر کم سے کم کردے۔ یہی طریقہ "قطع برید" (Gerrymandering) کے نام سے مشہور ہے اور بدقسمتی سے اس زمانہ کی سیاسیات میں اس کا رواج ضرورت سے زیادہ ہوگیا ہے۔ بعض وقت انتخابی حلقوں کے تعین میں اس سے اس حد تک کام لیا جاتا ہے کہ ہر جگہ مخالف رائے دہندوں کی تعداد اس درجہ کم ہوجاتی ہے کہ وہ کسی حلقہ میں بھی کامیاب نہیں ہوسکتے۔ اگر یہ ناممکن ہوتا ہے تو دوسری ترکیب یہ اختیار کی جاتی ہے کہ مخالف رائے دہندوں کا گچھا بنادیا جاتا ہے" (یعنے ایک ہی حلقہ میں انھیں زیادہ سے زیادہ جمع کردیا جائے) جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب وہ کسی حلقہ میں کامیاب ہوتے ہیں تو اس میں انھیں ضرورت سے بہت زیادہ رائیں صرف کردینا پڑتی ہیں اور عملاً رائے دہندوں کا یہ حصۂ کثیر ان کے لیئے بیکار ہوجاتا ہے۔

اس مسئلہ کے متعلق کہ قلیل التعداد جماعت کی نیابت کی کیا صورت اختیار کی جائے، بہت کچھ فکر کی گئی ہے اور اس کے لیئے مختلف تجویزیں سوچی گئی ہیں اور کسی حد تک ان کو اختیار بھی کیا گیا ہے۔ یہاں اس میں سے چند تجویزوں کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے، تاریخی حیثیت سے سب سے زیادہ قابل تذکرہ مسٹر ٹامس ہیر کی تجویز ہے جس کی طرف اواسط انیسویں صدی میں انگلستان میں بہت زیادہ توجہ مائل ہوگئی تھی[1]۔ یہ تجویز "خود ساختہ حلقۂ انتخاب" کی تھی۔ ملک کو حلقوں میں تقسیم کرنے کے بجائے یہ تجویز کی گئی تھی کہ ہر وہ شخص امیدوار منتخب ہوسکتا ہے جس کے لیئے ملک میں کہیں بھی کافی رائیں حاصل

---

[1] ٹامس ہیر "انتخاب نمایندگان" (The Election of Pepresentative) ۱۸۵۹ء۔

ہوگئی ہوں - کافی رایوں کے تعین کی صورت یہ قرار دی گئی تھی کہ پارلیمنٹ میں جس قدر جگہوں کے پر کرنے کی ضرورت ہے ان کی تعداد سے رائے دہندوں کی تعداد کو تقسیم کر دیا جائے - اس طرح سے ہر ایک مخصوص قلیل التعداد جماعت مختلف حلقہائے انتخابی میں منتشر ہونے اور ہر جگہ مغلوب ہو جانے کے بجائے متفق ہو کر متحدہ رائے دے سکتی ہے، لیکن یہ تجویز اس لئے قابل العمل نہیں ہے، کہ اس کے لئے ہر رائے دہندہ میں بحد جزوی و کلی سیاسی کاروانی و مستعدی لازمی ہے[1] -

قلیل التعداد جماعت کی نمایندگی کی دوسری تدبیر "محدود رائے دہی" کا طریقہ ہے - یہ طریقہ اس وقت استعمال ہوتا ہے جب کوئی بورڈ یا کونسل مرتب کرنے کے لئے متعدد امیدوار منتخب کئے جاتے ہیں - یہ ان حلقوں میں کام نہیں دے سکتا جہاں صرف ایک ہی امیدوار کا انتخاب کرنا ہو - اس طریقہ کے مطابق ہر ایک رائے دہندہ کو اس قدر امیدواروں کے لئے رائے دینے کی ضرورت نہیں ہوتی جس قدر جگہوں کا پر کرنا منظور ہوتا ہے - وہ صرف ایک محدود تعداد میں رائے دے سکتا ہے، مثلاً کسی شہری کونسل میں بارہ جگہوں کا پر کرنا منظور ہو مگر ہر رائے دہندہ کو صرف سات رایوں کا حق ہو، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک سیاسی جماعت کے سات رکن منتخب ہونگے اور دوسری کے پانچ - کوئی فریق کل ارکان کا انتخاب نکر سکے گا جب تک کہ وہ اس قدر قوی نہ ہو کہ خود کو علٰحدہ علٰحدہ رائے دینے والی جماعتوں میں منقسم کر دے اور پھر بھی دوسرے فریق کو شکست دیدے - یہ طریقہ ایک فریق ثانی کی نیابت کی ضرورت کو تو پورا کر دیتا ہے مگر اس کے ساتھ ہی ایک بہت بڑی تعداد کو بے نیابت کے چھوڑ دیتا ہے - اسی کے مثل "مجموعی رائے دہی" کا طریقہ ہے - اس طریقہ کے بموجب جب متعدد اشخاص منتخب ہونے والے ہوں تو

---

[1] اس کی تنقید کے لئے بیجہٹ کی تصنیف "نظام سلطنت انگلشیہ" (English Constitution) باب ششم دیکھنا چاہیئے۔

ہر ایک رائے دہندہ ایک ایک بار ہر امیدوار کے لیئے رائے دے سکتا ہے یا اپنی کل رائیں ایک ہی امیدوار کو دے سکتا ہے۔ اس طرح اگر بارہ ارکان کا انتخاب منظور ہو تو ہر ایک بہت ہی کمزور قلیل التعداد جماعت بھی ایک نمایندہ حاصل کر سکتی ہے بشرطیکہ اس کی تمام رائیں ایک ہی امیدوار کو دیجائیں۔

لیکن قلیل التعداد جماعتوں کی نمایندگی کا ایک بہت زیادہ اہم طریقہ وہ ہے جس کی اب ہمہ گیر طور پر حمایت کی جاتی ہے اور وہ "تناسبی نمایندگی" کے نام سے بہت زیادہ قبول ہو چکا ہے[1] اس عام صنف کے تحت میں بہت سی تجویزیں ہیں جو سب کی سب ٹامس ہیر کی ابتدائی تجاویز پر مبنی ہیں۔ ان میں ایک تجویز جو سب سے زیادہ مشہور اور سب سے زیادہ مستعمل ہے وہ "قابل الانتقال واحد رائے" کی تجویز ہے۔ اسی کو بعض وقت تناسبی نمایندگی کا "طریق ہیر" یا "طریق ہیر اسپنس" بھی کہتے ہیں۔ اس کی بنا یہ ہے کہ مجلس وضع قوانین یا مجلس مقامی کے ارکان کا انتخاب حلقہائے رکن واحد سے نہو بلکہ حلقوں کے مجموعات سے ہو۔ ایک رکن کے انتخاب کے لیئے جس قدر رایوں کی ضرورت ہو اس کو حساب کے سادے طریقہ سے اس طرح حاصل کر لیا جائے کہ رائے دہندوں کی مجموعی تعداد کو جگہوں کی تعداد سے تقسیم کر دیا جائے۔ ہر ایک رائے دہندہ امیدواروں میں سے نہ صرف اپنی پہلی پسندیدگی کی نسبت اظہار رائے کردے بلکہ دوسری، تیسری اور اسی طرح اور آگے تک کے لیئے اظہار رائے کرے۔ رایوں کے شمار کرنے میں جس جس امیدوار کو پسندیدگی اول سے کافی رائیں ملگئی ہوں وہ فوراً منتخب شدہ قرار دیدیا جائے۔ اس کی پسندیدگی اول کی رایوں میں سے جو فاضل بیچے وہ تناسب کے ساتھ ان لوگوں میں تقسیم کردی جائے جو اس فہرست میں پسندیدگی دوم کے درجہ پر ہوں جس میں وہ منتخب شدہ امیدوار اول تھا۔ اس طریق میں

---

[1] اس مبحث کے لیئے سب سے بہتر سند جان ہمفریز کی تصنیف "تناسبی نمایندگی" (Proportional Representatiue) سنہ ۱۹۱۱ء ہے۔

خاص دقت یہ ہے کہ اس کے لئے کثیر التعداد ارکان کے حلقہائے انتخاب چاہیں۔ بعض قوموں کی یہ خواہش کہ (قصبہ، ضلع وغیرہ کے ایسے) چھوٹے چھوٹے رقبات کی نمایندگی ہو، اس کے خلاف پڑ جاتی ہے ایک دوسری تجویز اس مشکل کے رفع کرنے کی "رائے اختیاری" کی صورت میں نکالی گئی ہے۔ اس میں واحد رکن کے انتخاب ہی سے کام لیا جاتا ہے اور رائے دہندہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ کن امیدواروں کو وہ اپنی پسند میں اول و دوم وغیرہ قرار دیتا ہے۔ جس امیدوار کو پسندیدگی اول کی صریحی کثرت حاصل ہوتی ہے وہ منتخب شدہ ظاہر کردیا جاتا ہے۔ اگر ایسی کثرت نہیں حاصل ہوتی تو سب سے آخری امیدوار خارج کردیا جاتا ہے اور درجۂ دوم کی پسندیدگیاں اول میں شامل کردیجاتی ہیں اور یہی سلسلہ جاری رہتا ہے تاآنکہ کوئی نہ کوئی منتخب ہوجاتا ہے۔ مگر غور کرنے سے یہ معلوم ہوجائے گا کہ اس قسم کی تجویز کے نتائج قلیل التعداد جماعتوں کی نمایندگی کرنے میں دوررس اثر نہیں رکھتے۔

تناسبی نمایندگی "قابل انتقال واحد رائے" کے تحت میں اب بہت وسعت کے ساتھ استعمال ہوتی ہے۔ اس کا اجرا تسمانیہ میں ۱۸۹۶ء میں ہوا۔ جنوبی افریقہ میں مجلس سینات کے انتخاب کے لئے (۱۹۰۹ء میں) یہ طریقہ جاری کیا گیا۔ نیوزیلینڈ میں مجلس وضع قوانین کے انتخاب کے لیے ۱۹۱۵ء میں اس سے کام لیا گیا اور شہروں میں اسے اختیاری بنا دیا گیا ہے۔ آئرلینڈ کے بلدی انتخابات میں اس کا بکثرت استعمال ہوتا ہے اور ۱۹۱۸ء کے "قانون نمایندگی قوم" کے تحت میں پارلیمنٹ برطانیہ کے انتخاب کے متعلق دارالعلوموں کے حلقہائے انتخاب میں اسے قبول کیا گیا ہے۔ امریکہ میں مقامی مجالس کے انتخاب میں اسے جاری کیا گیا ہے، چنانچہ کالنگاری، کالامازو، بولڈر اور برطانوی کولمبیا کے بہت سے شہروں میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ ۱۹۱۸ء میں جرمانی و آسٹروی قومی مجالس ترکیبی میں بھی تناسبی نمایندگی کا طریقہ عائد کیا گیا اور ہالینڈ، اطالیہ، سویڈن، اور سوئزرلینڈ کے پارلیمنٹی انتخابات میں اس سے کام لیا جاتا ہے۔

قابلِ مطالعہ کتابیں

اے۔ وی۔ ڈائسی ''قانون نظام سلطنت'' (Law of the Constitution) (طبع چہارم سنہ ۱۸۹۳ء) حصۂ دوم باب دوازدہم۔

ڈبلیو، ڈبلیو ولوبی۔ ''ممالک متحدۂ امریکہ کی عدالت عالیہ'' (سنہ ۱۸۹۰ء) (The Supereme Court of the United States) باب پنجم۔

جے۔ شولر۔ مضامین دستوری (سنہ ۱۸۹۷ء) (Constitutional Studies) حصۂ سوم باب چہارم۔

جی۔ بریڈ فرڈ۔ حکومت عامہ کا سبق (سنہ ۱۸۹۹ء) (The Lesson of popular Government) جلد اول باب اول

اسنادِ مزید

ایم فان، ہولسٹ۔ ممالک متحدۂ امریکہ کا دستوری قانون۔ (سنہ ۱۸۸۷ء) (Constitutional Law of the United States of America)

ف، گڈ نو۔ تطبیقی انتظامی قانون (سنہ ۱۸۹۷ء) (Comparative Administration Law)

ٹیسویل لینگمیڈ تاریخ نظام سلطنت انگلشیہ English Constitutional History (طبع پنجم سنہ ۱۸۹۶ء)

ویلا بینی دے ویل نیو ''مبادی قانون نظام سلطنت فرانس'' (Elements de Droit Constitutional Francais)

ہیسلی۔ نظامہائے سلطنت فرانس Les Constitution dela France)

ای۔ اے۔ فریمین۔ سیاسیات تطبیقی (Comparative Politics)

لکچر (خطبہ) پنجم (سنہ ۱۸۷۳ء)

ڈبلیو۔ اسٹبس۔ انگلستان کی تاریخ دستوری (Constitutional History
of England) (طبع چہارم سنہ ۱۸۸۳ء)

ای۔ ڈبلیو۔ رجبس قانون نظام سلطنت انگلشیہ (سنہ ۱۹۰۵ء) (English
constitutional Law)

ڈبلیو۔ جے براؤن، عمومیہ جدیدہ سنہ ۱۸۹۹ء (The New Democracy)

ٹی۔ ہیر۔ انتخاب نمائندگان (سنہ ۱۸۵۹ء) (The Election of Pepre
santatives)

اس، والپول۔ جماعت انتخاب کنندگاں و مجلس واضع قوانین (سنہ ۱۸۸۱ء)
(The Electorate and the Legislature)

جے، اس، مل۔ عورتوں کی حلقہ بگوشی (سنہ ۱۸۶۹ء) (The Subjection
of Women)

جے، اس، مل۔ حکومت نیابتی (سنہ ۱۸۷۵ء) (Representation
Government)

جے، ہمفریز: تناسبی نمائندگی (Propertional Representation)
طبع دوم سنہ ۱۹۰۷ء۔

جے، ایف، وسیمز: اصلاح نیابت سیاسیہ سنہ ۱۹۱۸ء (The Reform and
Polical representation)

باب پنجم

حکومت متفقیہ

۱۔ متفقی اصول کی اہمیت، اس کا ارتقائے تاریخی۔ ۲۔ متفقیت کے مختلف اقسام۔ ۳۔ سلطنت متفقی میں اقتدار اعلیٰ۔ ۴۔ تسویۂ باہمی میں اصول متفقیت سے استفادہ۔ ۵۔ سلطنتہائے متفقیہ میں تقسیم اختیارات۔ ۶۔ نتائج۔

۱۔ متفقی اصول کی اہمیت، اس کا ارتقائے تاریخی:۔

حکومت متفقیہ کا موضوع اس قدر اہم ہے کہ اس کے لئے ایک علحدہ باب کا مخصوص کرنا ہر طرح موزوں و مناسب ہے۔ متفقیت کا آغاز و نشو و نما اور زمانۂ گزشتہ کے ارتقا میں اس نے جو کام انجام دیا ہے وہ سب افادات تاریخی میں نہایت ہی دلچسپ مباحث ہیں۔ ہمارے زمانہ کے سیاسی مسائل میں کوئی مسئلہ اس سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا کہ متفقی طریق حکومت میں مقامی و مرکزی حکومتوں کے درمیان کیا تعلق ہو۔ ازمنۂ جدیدہ کی سلطنتوں کے نمو و ارتقا میں اصول متفقیت نے بڑا ہی کار نمایاں کیا ہے۔ اسی سے وہ ضروری ارتباطی قوت حاصل ہوی ہے جس سے ممالک متحدہ امریکہ کی دولتہائے عامہ اور شہنشاہی جرمنی کی غیر مساوی بادشاہتیں اور آزاد شہر باہم مربوط و منسلک ہیں۔ میکسیکو، برازیل اور سوئٹزرلینڈ متفقی جمہوریتیں ہیں۔ شہنشاہی برطانیہ بہ حیثیت مجموعی ایک وحدانی سلطنت ہے لیکن اس کے دو نہایت ہی اہم توابع یعنے قلمرو کناڈا اور دولت عامہ آسٹریلیا جب علحدہ علحدہ دیکھے جائیں تو ان میں وہ متفقی طریقہ رائج ہے جو ممالک متحدۂ امریکہ سے بہت ہی مشابہ ہے جہاں تک ہماری موجودہ سیاسی نظر پہنچ سکتی ہے یہی معلوم

ہوتا ہے کہ اگر کسی عالمگیر سلطنت کی بناڈالنے کی کوشش کی گئی تو اس کوشش میں متفقیت ہی کی روش پر چلنا پڑے گا۔ غالباً یہ خیال قرین قیاس ہوگا کہ اس زمانہ میں متفقی طریقہ پر مرکب حکومتوں کے قیام سے جو تجربہ حاصل ہو رہا ہے وہ مہذب بنی نوع انسان کے لئے اس ضروری تربیت کا کام دے رہا ہے جو آئندہ زمانہ کی عالمگیر سلطنت کے قیام کے لئے درکار ہوگی۔ متفقیت نے سیاسی نشو و نما کی تاریخ میں جو اہم کام انجام دیا ہے اس کی جس قدر بھی قدر کیجائے کم ہے۔ ایک بہت موٹی بات تو یہ ہے کہ مہذب حکومتوں کے نشو و نما کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ ایک سیاسی فرد یعنی سلطنت کے تحت میں جو رقبہ ہوتا ہے وہ برابر وسیع ہوتا جا رہا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ یہ وسعت ہمیشہ ایک مسلسل تاریخوار طریقہ سے جاری نہیں رہی ہے۔ چنانچہ اس زمانہ کی سلطنت سوئٹزرلینڈ کو جب شہنشاہی روما کے مقابلہ میں دیکھا جائے تو وہ ایک بہت ہی بے حقیقت سی سلطنت معلوم ہوتی ہے تاہم فی الجملہ یہ صحیح ہے کہ سیاسی ترقی کے نہایت ہی نمایاں اور نہایت ہی حقیقی عناصر میں سے ایک عنصر یہ بھی ہے کہ ایک ایک سلطنت کے تحت میں جو رقبہ ہوتا ہے وہ برابر وسیع ہوتا جا رہا ہے[1]۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے دو عظیم الشان تاریخی قوتیں اپنا کام کرتی رہی ہیں۔ ان میں سے ایک تو فتح اور جذب و توسیع کا اصول ہے اور بادشاہت فرانس کا نمو اور قلمرو برطانیہ کی وسعت پذیری اس اصول کی نمایاں مثالیں ہیں۔ دوسرا اصول ارادۂ متفقی اتحاد کا ہے، جس سے تسویۂ باہمی کی ایک بنیاد قائم ہو جاتی ہے، اور پھر یہ ممکن ہو جاتا ہے کہ ایسی سابق سلطنتوں میں سیاسی اتصال ہو جائے جو اپنے محل وقوع، زبان اور رسم و رواج کے لحاظ سے اس درجہ ایک دوسرے سے ربط رکھتی ہیں کہ ان کا الگ الگ رہنا نامناسب سا معلوم ہوتا ہے مگر اس کے ساتھ ہی وسعت رقبۂ مقامی

---

[1] اس کے متعلق حصۂ اول باب سوم دفعہ پنجم دیکھنا چاہیئے۔

رسم و رواج وغیرہ کے اعتبار سے باہم فرق بھی اتنا ہوتا ہے کہ ان میں کامل امتزاج نہیں ہو سکتا۔ ان دونوں میں ایک راستہ صلح و امن کا ہے اور دوسرا جنگ و جدل کا۔ دنیا کی بڑی بڑی سلطنتوں کے درمیان اب فتح کے ذریعہ سے کسی دیرپا اتحاد کی توقع نہیں ہو سکتی، ان میں اگر اتحاد ہو سکتا ہے تو صرف اسی صورت سے ہو سکتا ہے کہ ان کے قومی فخر اور قومی تفرد میں فرق نہ آئے۔

اپنے وسیع ترین معنی میں لفظ متفقیت اتحاد کی ہر ایک صورت پر حاوی ہے جو دو یا زائد آزاد سلطنتوں کے درمیان واقع ہو۔ اس کے متعلق بیشمار تاریخی مثالیں فوراً پیش نظر ہو جاتی ہیں، سیاسی تاریخ کے بالکل ہی ابتدائی زمانہ میں ہمیں اکائیہ کی مشہور لیگ کا پتہ چلتا ہے، اولاً یہ پیلوپونیز کے بارہ شہروں کا دفاعی محالفہ تھا لیکن اپنی مابعد کی شکل میں جب تیسری اور دوسری صدیوں میں (یعنی ۲۸۱ سنہ و ۱۴۶ سنہ قبل مسیحؑ کے مابین) اس میں ترمیم ہوی تو "یونانی آزادی کے اس ارتقاء ثانیہ" نے زیادہ پیچیدہ و وسیع نوعیت اختیار کر لی۔ اس میں کورنتھ، مگارا اور جنوبی یونان کے اور بہت سے اہم شہر شامل ہو گئے تھے۔ ہر شہر نے اپنے اندرونی انتظام کی نگرانی خود اپنے ہاتھ میں رکھی تھی مگر غیر ملکی تعلقات اور جنگ کی نگرانی لیگ کے تفویض کر دی تھی۔ پروفیسر فریمین لکھتے ہیں کہ[1] "اکائیہ کی ایک قوم اور اس کی ایک قومی مجلس تھی، کوئی ایک شہر خود اپنے اختیار سے صلح و جنگ کا مجاز نہیں تھا۔" اگر شہنشاہی روما کے عروج نے اسے ایک عالمگیر طاقت نہ بنا دیا ہوتا تو اغلب یہی تھا کہ اس قسم کی لیگ سے یونانی شہری سلطنتیں ایک وسیع الحدود قومی سلطنت کی صورت میں مبدل ہو جاتیں۔ زمانۂ مابعد کی تاریخ میں تیرھویں اور چودھویں صدیوں کے اطالوی شہروں کے مختصر الحیات انضمام کو بھی

---

[1] فریمین "حکومت متفقیہ" (Federal Government)

غالباً سلطنتہائے متفقی کہہ سکتے ہیں۔ ایک زیادہ نمایاں مثال سوئٹزرلینڈ جدید کے نشو و نما میں نظر آتی ہے۔ یہاں یہ ہوا کہ اوری شوئیٹز اور انٹروالڈن کے جنگلی اضلاع (جو ہنوز برائے نام شہنشاہ کے تحت میں تھے) سنہ ۱۲۹۱ء میں اپنی حفاظت کے لئے باہم متحد ہوگئے۔ اس طرح جو لیگ قائم ہوی وہ وسعت و اقتدار میں بڑھتی گئی، دوسرے اضلاع اور برن و زیورخ کے آزاد شہر اس میں شامل کرلئے گئے۔ چودھویں صدی کے آخر میں آسٹریا کی شکست سے اسے عملاً آزادی حاصل ہوگئی جس کی تصدیق بالآخر سنہ ۱۶۴۸ء کے معاہدۂ وسٹ فیلیا میں ہوگئی۔ اس طرح جو مشترکیت قائم ہوی اس میں ہر رکن کو اس کی مخصوص آزادی حاصل رہی اور اتحاد کی غرض صرف باہمی حفاظت تھی۔ اگرچہ فرانسیسی انقلابیوں کی مداخلت نے کچھ زمانہ کے لئے سب سلطنتوں کو ملا کر ایک "واحد و ناقابل تقسیم" جمہوریہ بنادیا تھا مگر جبتک انیسویں صدی میں (سنہ ۱۸۴۸ء و سنہ ۱۸۷۴ء کے) نظامہائے سلطنت میں تغیرات رونما نہیں ہوئے اُس وقت تک سوئٹزرلینڈ کی یہ ہیئت زائل نہیں ہوی کہ وہ جداگانہ سلطنتوں کی ایک مدافعتی لیگ تھی۔

اسی قسم کی لیگ وہ بھی تھی جو شمالی امریکہ کی آزاد ریاستوں میں (سنہ ۱۷۸۱ء تا سنہ ۱۷۸۹ء کی) "دفعات مشترکیت" کی رو سے قائم ہوی تھی یہاں ہر ایک ریاست ایک جداگانہ سیاسی جماعت تھی، مشترکہ اقتدار جو کچھ تھا وہ موتمر (کانگریس) کے ذریعہ سے عمل میں آتا تھا، یہ مجلس وکلا کی ایک ایسی جماعت تھی جسے کوئی اختیار ایسا حاصل نہیں تھا کہ وہ ریاستوں کو بزور اپنی مرضی پر چلا سکے اور نہ اسے ان تیرہ ریاستوں کے باشندوں کے متعلق کسی قسم کا حکم دینے یا ان پر کوئی محصول عاید کرنے کا حق تھا۔ متفقی نظام سلطنت جو سنہ ۱۷۸۷ء میں تیار ہوا اور سنہ ۱۷۸۹ء میں نافذ ہوا اس نے اس مشترکیت کے بجائے ایک متفقی نظام سلطنت قائم کیا جس میں مرکزی سلطنت کو براہ راست اہل ملک سے تعلق پیدا ہوا۔ انیسویں صدی کے دوران میں بہت سی تاریخی اہمیت رکھنے والی سلطنتہائے متفقی

عالم وجود میں آئی ہیں، از انجملہ سنہ ۱۸۴۸ء و سنہ ۱۸۷۴ء کے سوئٹزرلینڈ کے نظامہائے سلطنت کا اجرا، سنہ ۱۸۶۷ء میں صوبجات کناڈا کا ایک قلمرو میں متفق ہو جانا، اسی سال میں شمال جرمانی مشترکیت کا اور سنہ ۱۸۷۱ء میں جرمانی شہنشاہی کا قائم ہونا اور ابھی حال (سنہ ۱۹۰۰ء) میں آسٹریلیا کی دولت عامہ کا ایک متفقی سلطنت کی صورت اختیار کرنا، اس قسم کی سلطنتوں کی زیادہ وقیع و نمایاں مثالیں ہیں۔ مکسیکو و برازیل وغیرہ کی ایسی اور دوسری سلطنتوں نے بھی حکومت کا متفقی طریقہ اختیار کر لیا ہے مگر ان کی غرض اپنے رقبہ ارضی کا بڑھانا نہیں ہے بلکہ انھوں نے اسے اپنے مقامی و قومی اغراض میں ہم آہنگی پیدا کرنے کا ایک ذریعہ قرار دیا ہے۔

۲۔ متفقیت کے مختلف اقسام:۔ جب ہم اتحاد کی ان مختلف شکلوں پر غور کرتے ہیں جن کے ذریعہ سے جداگانہ سلطنتیں باہم ملائی جا سکتی ہیں تو ان میں زیادتی ارتباط کے تدریجی منازل صاف نظر آتے ہیں۔ اس معیار کی ایک حد پر وہ جارحانہ و مدافعانہ محالفہ ہے جو مختلف ذی اقتدار سلطنتوں کے درمیان واقع ہوتا ہے۔ اسی نوعیت میں وہ "ارتباط خاندانی" داخل تھا جو اٹھارھویں صدی میں فرانس و اسپین کے شاہان بوربون کے درمیان ہوا تھا۔ اس قسم کا اتحاد محض نقش بر آب ہوتا ہے کیونکہ اس میں حکومت کا کوئی مشترکہ آلہ کار نہیں ہوتا اور اس لیے اس میں کسی قسم کی مجبور کرنے والی قوت نہیں ہوتی۔ اس سے زیادہ ترقی یافتہ صورت اس قسم کی مشترکیت کی ہے جیسے اکائیہ کی لیگ، سنہ ۱۸۱۵ء کی جرمانی مشترکیت یا (امریکہ کی) جنوبی مشترکیت تھی۔ اس صورت میں ہر ایک شرکت کرنے والی سلطنت کم از کم رسمی طور پر ضرور ہی، اپنے آزادانہ اقتدار اعلیٰ کی حیثیت کو قائم رکھتی ہے، اس قسم کے اتحاد میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اتحاد کا باضابطہ قانون مشترکیت کو مستقل و دائمی قرار دے اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی قرار پا جائے کہ ہر ایک سلطنت کا اقتدار اعلیٰ بدستور قائم رہے گا۔ یہ ایک بالکل ہی متضاد امر معلوم ہوتا

ہے کیونکہ اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ہر سلطنت کو اتحاد سے الگ ہو جانے کی آزادی حاصل ہے اور اس کے ساتھ ہی وہ اس میں شامل رہنے پر بھی مجبور ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ امریکہ کے دفعات مشترکیت (جو سنہ ۱۷۸۱ء سے سنہ ۱۷۸۹ء تک نافذ العمل رہے) اور جنوبی مشترکیت کا نظام سلطنت اسی نوعیت کے تھے۔ اتحاد کے اس صورت سے آگے بڑھ کر متفقیت کامل یعنے سلطنت متفقی کا درجہ ہے[1] یہ متفقیت ایک شئے واحد ہوتی ہے جو سابق کے ذی اقتدار سلطنتوں سے مرکب ہوتی ہے اور اب ایک نئی سلطنت کا قالب اختیار کرنے کے لئے متحد ہو گئی ہے مگر ان میں سے ہر ایک سلطنت کے سیاسی حدود اختیارات بدستور قائم رہتے ہیں، اور مرکزی حکومت کے قانونی اختیار کا اس پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ممالک متحدۂ امریکہ کا موجودہ متفقی اتحاد اسی نوعیت کا ہے۔ اس سے بھی آگے بڑھ کر ایک اور امتیاز نظر آتا ہے جسے امتزاج یا سلطنت ممزوجہ کہنا چاہیے یعنی بتراضی طرفین مختلف سلطنتیں کلیتہً ایک دوسرے میں مدغم ہو جائیں۔ فتوحات کے ذریعہ سے کسی ایک ہی سلطنت کی وسعت حاصل کرنے میں اور اس صورت میں فرق یہ ہے کہ اس کے شریک کار ارکان اپنی آزادانہ مرضی سے امتزاج یا سلطنت ممزوجہ میں شامل ہوتے ہیں۔ اس کی بہترین مثال سلطنت متحدۂ برطانیہ کی ہیئت ترکیبی میں پائی جاتی ہے جس میں سنہ ۱۷۰۷ء کے قانون اتحاد کے بموجب انگلستان و اسکاٹلینڈ اور سنہ ۱۸۰۰ء میں برطانیہ عظمیٰ و آئرلینڈ متحد ہو گئے۔ یہ

---

[1] بعض مصنفوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ”متفقی سلطنت“ کا لفظ اس بنا پر قابل قبول نہیں کہ سلطنت ایک واحد شئے ہے (یعنے اس کے لئے وحدت لازم ہے) لیکن جہاں یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ ”مشترکی سلطنت“ کا لفظ استعمال کرنا استدلال منطقی کے خلاف ہے، وہیں ”متفقی سلطنت“ کا لفظ اس معنی میں قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ اس سلطنت کی تنظیم و ترتیب متفقی ہے۔

اتحادات اس طرح عمل میں آئے کہ ممالک زیر بحث کی پارلیمنٹوں نے علٰحدہ علٰحدہ ایک ہی مفہوم کے قوانین منظور کر لئے۔ ان اتحادات میں یہ اعلان کر دیا گیا تھا کہ وہ چند معینہ قیود و شرائط کے ساتھ عمل میں آئے ہیں مگر یہ کارروائی متفقیت سے اس امر میں مختلف تھی کہ ہر دو مواقع پر جن پارلیمنٹوں نے اتحاد قائم کیا تھا وہ خود برخاست ہو گئیں تاکہ ایک نئی پارلیمنٹ قائم ہو سکے جسے قانوناً اقتدار اعلیٰ حاصل ہو اور وہ اتحاد کے شرائط کی پابند نہو۔ یہ امر محض خیالی و ذہنی نہیں ہے بلکہ اس سے کچھ زائد ہے جس کا ثبوت اس واقعہ سے ملتا ہے کہ سنہ ۱۸۶۹ء کی برطانوی پارلیمنٹ نے آئرلینڈ کے سرکاری (یعنے اسقفی) کلیسا کو بند کر دیا حالانکہ اس کا قائم رکھنا سنہ ۱۸۰۰ء کے اتحاد کے شرائط میں داخل تھا۔ امتزاج کا اسی قسم کا ایک واقعہ متفرق اطالوی سلطنتوں کا سنہ ۱۸۵۹-۶۰ء میں باہم مخلوط ہو کر سلطنت اطالیہ کا قائم کر دینا ہے۔ اس قسم کی کارروائی کا نتیجہ متفقی سلطنت نہیں بلکہ وحدانی سلطنت ہوتا ہے۔

متحدہ سلطنتوں کی جو مختلف نوعیتیں اس طرح ہویدا ہوتی ہیں ان سے ایک اصول ہاتھ آجاتا ہے جس کی بنا پر شرح و بسط کے ساتھ مشترکیات و سلطنتہائے متفقہ کے مختلف اقسام کی درجہ بندی کیجا سکتی ہے۔ اس معاملہ میں قانون عامہ کے جدید جرمانی مقننوں کو خصوصیت کے ساتھ زیادہ دلچسپی ہے جس میں بعضوں نے بہت سی زیر تقسیمیں ایک دوسرے سے ممیز قائم کی ہیں۔ اس قسم کی درجہ بندی لابانڈ[1] اور ریلی نک[2] وغیرہ نے اختیار کی ہیں۔ ریلی نک سب سے اول "اتحاد واقعی" اور "اتحاد قانونی" میں امتیاز قائم کرتا ہے۔ اتحاد واقعی کی مثال کناڈا و آسٹریلیا ہیں جو خود قانوناً وحدانی سلطنت برطانیہ کا جزو ہیں۔ موخرالذکر (اتحاد قانونی) کو وہ اقسام ذیل میں تقسیم کرتا ہے (۱) محمیہ وغیرہ (۲) اعلیٰ و ادنیٰ سلطنتوں کے اتحاد جیسے ترکی و مصر[3] کی صورت میں

---

[1] سیاسیات سلطنت جرمانی۔

[2] سیاسیات ممالک حاضرہ۔

[3] جس صورت سے اُس وقت قائم تھیں۔

پایا جاتا ہے۔ (۳) شاہی اتحادات جس میں دو آزاد سلطنتیں ایک مشترک بادشاہ کے تحت میں شامل کردیجاتی ہیں۔ اسے پھر اصلی و شخصی دو قسموں میں اس اعتبار سے تقسیم کیا ہے کہ آیا اتحاد واقعی و بالارادہ ہے (جیسا کہ ۱۹۰۵ء کے قبل سویڈن و ناروے میں تھا) یا اتفاقی ہے (جیسا کہ قبل ازیں انگلستان اور ہانوور میں تھا)۔ (۴) سلطنت مشترکیہ (۵) سلطنت متفقیہ۔ دوسری درجہ بندیاں اور بھی زیادہ دقیق ہیں۔ امریکی و انگریزی مصنفوں کا عام میلان یہ ہے کہ وہ ان تمام نشیب و فراز کو الگ کر کے صرف سلطنت مشترکیہ و سلطنت متفقیہ کا ایک فرق قائم رکھتے ہیں۔ قانون عامہ میں یہ ایک وقیع نکتہ ہے اور اس کے لئے کسی قدر تشریح کی ضرورت ہے۔ مشترکیت ایک واحد سلطنت نہیں ہے بلکہ وہ آزاد و ذی اقتدار سلطنتوں کا ایک مجموعہ ہے جو معینہ شرائط کے ساتھ بعض اغراض کے لئے متحد ہو گئی ہیں۔ قانوناً ان میں سے ہر ایک کو یہ آزادی حاصل ہے کہ وہ جب چاہے اس سے علٰحدہ ہو جائے اِس لئے کوئی مشترکیت دائمی و ناقابل فسخ نہیں ہو سکتی کیونکہ اگر ایسا ہو تو ممالک ترکیبی کا اقتدار اعلیٰ فنا ہو جائے گا۔ برخلاف ازیں متفقیت ایک واحد سلطنت ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اتحاد کے قبل اس کے اجزائے ماتحت کی حیثیت ذی اقتدار سلطنتوں کی رہی ہو مگر لازماً ایسا ہونا ضروری نہیں ہے[1]۔ اور متفقیت قائم ہو جائے تو پھر وہ یہ حیثیت اختیار ہی نہیں کر سکتیں۔ قانوناً اس قسم کا اتحاد جہاں تک کہ جداگانہ ریاستی حکومتوں کے یا مرکزی حکومت کے کسی فعل کا تعلق ہے، ناقابل فسخ ہو جاتا ہے، اس کا انفساخ صرف اسی صورت سے ہو سکتا ہے کہ نظام سلطنت میں جیسا قاعدہ معین ہو اس کے موافق آئینی ترمیم کیجائے۔ جنوب امریکہ کی ریاستوں نے جب علٰحدگی اختیار کی اس وقت انھوں نے ممالک متحدہ کے نظام سلطنت کی جو تاویل کی تھی

---

[1] جمہوریہ برازیل کی حالت کو دیکھنا چاہئے، ۱۸۹۱ء کے نظام سلطنت نے اس کے صوبوں کو متفقی بنیاد پر قائم کردیا ہے مگر اس سے قبل ان کی حیثیت آزاد سلطنتوں کی نہیں تھی۔

اُس کے بموجب ایک مشترکیت کی صورت پیدا ہو جاتی، مگر شمال میں اس کی جو تاویل کی گئی اُس نے اسے ایک متفقی نظام سلطنت بنا دیا۔

۳۔ سلطنت متفقیہ میں اقتدار اعلیٰ:۔ اس سے ذہن فوراً ہی سلطنت متفقیہ کے اقتدار اعلیٰ کی معرکۃ الآرا بحث کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، امریکہ کی شمالی و جنوبی ریاستوں کی علٰحدگی کے عظیم الشان مسئلہ کا مرکز یہی سوال تھا کیونکہ مرکب سلطنت کا ہر جزو ترکیبی جب اپنے اقتدار اعلیٰ کو قائم رکھتا ہے تو اس سے لامحالہ اسے یہ حق بھی حاصل ہو جاتا ہے کہ جس متفقیت کا وہ جزو ہے اس سے وہ حسب مرضی علٰحدہ ہو جائے۔ ممالک متحدہ امریکہ کے خاص معاملہ سے قطع نظر کر کے ہمیں پہلے اس سوال کے مالہ و ماعلیہ پر فی نفسہ غور کرنا چاہئے۔ اوپر جو کچھ کہا گیا ہے اگر وہ صحیح ہے تو اس تعریف سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ سلطنت متفقیہ کے قائم ہو جانے سے اس کی اجزائی ریاستوں کا اقتدار اعلیٰ زائل ہو جاتا ہے یعنی اس کی تجدید یا تقسیم نہیں ہوتی بلکہ وہ مطلقاً فنا ہو جاتا ہے، کیونکہ اقتدار اعلیٰ یا موجود ہے یا معدوم، لیکن اس نئی سلطنت میں اقتدار اعلیٰ حکومت مرکزی کے ہاتھ میں نہیں ہوتا وہ اس جماعت کے ہاتھ میں ہوتا ہے جسے نظام سلطنت میں ترمیم کرنے کا اختیار ہو، اس سے بحث نہیں کہ وہ جماعت کہاں ہے اور کون ہے۔ قانونی اعتبار سے یہ ذی اقتدار جماعت متفقیت کو کلیۃً منسوخ کر کے اس کے ہر ایک رکن کی سابقہ آزادی بحال کر سکتی ہے۔ یہ کارروائی اور علٰحدگی ایک ہی شئے نہیں ہیں مگر اس سے یہ نتیجہ ضرور نکلتا ہے کہ اس قسم کا اتحاد قانوناً ناقابل فسخ نہیں ہے۔ برخلاف ازیں مشترکیت میں ہر ایک سلطنت بدستور ذی اقتدار سلطنت رہتی ہے۔ صحیح معنوں میں مشترکیت کا کوئی قانون نہیں ہے۔ اس کی مرکزی جماعت جو مشترک قواعد و ضوابط جاری کرتی ہے اور اس کی پابندی مشترکیت کی تمام سلطنتوں کے باشندوں پر لازمی ہوتی ہے، وہ ان باشندوں کے لئے صرف اس معنی کر کے قانون ہیں، کہ خود انکی سلطنت نے انھیں بہ حیثیت قانون کے قبول کر لیا ہے، جہاں قانون ہے وہاں سلطنت بھی ہے

اور سلطنت جب ہوگی تو اس کے ساتھ اقتدار اعلیٰ بھی ضرور ہوگا۔ پس اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مشترکیت اور علٰحدگی قانون عامہ کے نقطۂ نظر سے ایک ہی شئے ہیں، لیکن عملاً یہ ہوتا ہے کہ علٰحدگی کا مسئلہ جبر و قوت کی صورت میں اختیار کرلیتا ہے (یعنی علٰحدگی جب ہوتی ہے جبراً ہوتی ہے)۔ سنہ ۱۸۱۵ء سے سنہ ۱۸۴۸ء تک سوئٹزرلینڈ میں مسلمہ طور پر مشترکیت قائم تھی لیکن جب سنہ ۱۸۴۷ء میں سات رومن کیتھولک صوبوں نے علٰحدگی اختیار کرنے کا تہیہ کیا تو انھیں جبراً و قہراً بزور شمشیر مشترکیت میں واپس لایا گیا۔

ممالک متحدۂ امریکہ میں مسئلہ ما بہ النزاع یہ نہیں تھا کہ مشترکیت و سلطنت متفقی میں کیا فرق ہے بلکہ سوال یہ پیدا ہوا تھا کہ ممالک متحدہ کی صورت حکومت متفقی ہے یا مشترکی۔ بقول پروفیسر گولڈون اسمتھ ”اس معاملہ میں نظام سلطنت کی حیثیت گویا ڈلفی کی دیبی کی ہوگئی تھی“ نظام سلطنت کی عبارت ایسی ہے کہ اس میں دونوں تاویلوں کی گنجائش نظر آتی ہے، خاص کر جب اسے سنہ ۸۹-۱۷۸۱ء کی مشترکیت[1] کی تاریخ سابقہ کی روشنی میں دیکھا جائے (جو تیرہ سلطنتوں میں سے گیارہ سلطنتوں کے علٰحدہ ہوجانے سے عملاً فسخ ہوگئی تھی)[2] لیکن اس علٰحدگی کے مسئلہ سے قطع نظر کرکے بہت سے امریکی مصنفوں نے اگرچہ متفقی اتحاد کی مستقل نوعیت کو تسلیم کیا ہے مگر اقتدار اعلیٰ کے متعلق ان کی رائے اس سے بالکل مختلف ہے جو یہاں ظاہر کی گئی ہے۔ یہ دو عملی یا منقسم اقتدار اعلیٰ کا نظریہ ہے۔ اس رائے کے موافق متفقی اتحاد میں (جیسے کہ جمہوریہ امریکہ ہے) اقتدار اعلیٰ کسی ایک صاحب اقتدار کے

---

[1] نظام سلطنت جب (۴ مارچ سنہ ۱۷۸۹ء کو) نافذ العمل ہوا تو اس وقت روڈ آئلینڈ اور شمالی کارولینا، اتحاد میں نہیں داخل ہوئے تھے۔ یہ بھی یقین تھا کہ وہ اب مشترکیت میں ساہی نہیں رہے کیونکہ اس کا وجود باطل ہوچکا تھا۔ بایں ہمہ نظام سلطنت کے دفعات میں یہ اعلان کردیا گیا تھا کہ یہ ”اتحاد دائمی ہوگا“ (دفعہ ۱۳)

ہاتھ میں نہیں ہوتا بلکہ وہ متفقی و ریاستی حکومتوں میں منقسم ہوتا ہے، اس میں شک نہیں کہ اس قسم کا نظریہ اقتدار اعلیٰ کے اس تمام تصور سے جو ایک سابق باب میں بیان ہو چکا ہے بالکل ہی مغائر ہے۔ اس خیال کی نسبت بس یہی کہا جا سکتا ہے کہ اس نے اقتدار اعلیٰ کی (جو ہر حال میں اتم و اکمل ہوتا ہے) نظام سلطنت کی قوت کے ساتھ (جسے کسی حد تک بھی محدود کر سکتے ہیں) خلط ملط کر دیا ہے۔ اگر اقتدار اعلیٰ متفقی و ریاستی حکومتوں میں منقسم ہے تو پھر متفقی حکومت کی تینوں شاخوں میں بھی اس کی تقسیم مزید واقع ہو گی وعلیٰ ہذا آگے بھی یہی صورت رہے گی۔ لیکن باوجود اس تضاد کے اس دو عملی اقتدار اعلیٰ کے نظریہ کے حامیوں میں بڑے بڑے جلیل القدر اصحاب شامل ہو گئے ہیں، پریسیڈنٹ میڈیسن کو بہت شدت کے ساتھ اس پر یقین تھا۔ انھوں نے لکھا تھا کہ "ممالک متحدۂ امریکہ کے مرکب طریق حکومت کے متعلق قابل فہم طریقہ سے بحث کرنا بغیر اس کے نہیں ہو سکتا کہ اقتدار اعلیٰ کے قابل التقسیم ہونے کو قبول کر لیا جائے"۔ اس زمانہ کی امریکی عدالتوں نے بھی یہ قرار دیدیا تھا کہ "ممالک متحدہ کو حکومت کے ان تمام اختیارات میں اقتدار اعلیٰ حاصل ہے جو حقیقتاً اسے تفویض کر دیا گیا ہے۔ اور اتحاد کی ہر ایک ریاست ان اختیارات کے متعلق ذی اقتدار ہے جو اس کے پاس محفوظ رہ گئے ہیں[1]"

۴۔ تسویۂ باہمی میں متفقی اصول سے استفادہ: سلطنت متفقی کے اقتدار اعلیٰ کے جائے استقرار کے مسئلہ سے گزر کر جب ہم پھر اس کی عام حالت پر نظر کرتے ہیں تو ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ سیاسی عمارت کے بلند کرنے

---

[1] امریکی نظام حکومت کے تحت میں اقتدار اعلیٰ کی بحث کے متعلق طالب العلم کو میریم کی کتاب "تاریخ نظریہ اقتدار اعلیٰ از زمان روسو" (History of the Theory of Soueraignty of Since of Rousew) دیکھنا چاہیے۔ مذکورۂ بالا اقتباسات اسی کتاب سے دیے گئے ہیں۔

میں متفقی اصول کا خاص فائدہ یہ ہے کہ اس میں تسویۂ باہمی کا خیال غالب ہوتا ہے۔ ہر ایک چھوٹی قوم یا سلطنت اپنی حفاظت کی ضرورت سے مجبور ہوتی ہے کہ اپنے دوسرے ہمسروں کے ساتھ اتحاد پیدا کر لے، لیکن ایسا تعلق جس سے خود اس کی آزادانہ حکومت خود اختیاری کے روایات فنا ہو جائیں فطرتاً اس کے اہل ملک کے طبیعتوں کے خلاف ہوتا ہے، یہ مخالفت طبعی اس صورت میں اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے جب اتحاد اختیار کرنے والی قوتوں کے حدود وسعت میں غیر معمولی فرق ہو۔ اس حالت میں اگر ایک وحدانی سلطنت کے اندر سب کا اتحاد کامل ہو جائے تو عملاً اس کے معنی یہ ہوں گے کہ چھوٹی سلطنتیں بڑی سلطنتوں میں جذب ہو جائیں۔ ممالک متحدۂ امریکہ کے نظام سلطنت کی تیاری کے وقت نیوجرسی، ڈلاویر، اور کونکٹیکٹ کی حالت اسی قسم کی تھی۔ اس سے بھی زیادہ غیر مساوی کیفیت اس متفقیت کی تھی جس کی پخت وپز جرمنی کی سلطنتوں میں مدت سے ہو رہی تھی اور آخر کار اس کا ظہور سنہ ۱۸۷۱ء کی شہنشاہی متفقی کی صورت میں ہوا۔ شومبرگ لیپے کی امارت کا رقبہ کل ۲۱۲ میل مربع تھا اور اس کی آبادی ۳۱۱۸۶ نفوس کی تھی، دوسرے طرف سلطنت پرشیا کا رقبہ تقریباً ۱۳۷۰۶۶ مربع میل اور اس کی آبادی ۲۴۱۰۶۸۴۷ نفوس کی تھی اس قسم کی تمام صورتوں میں متفقی طریقہ سے ایک سلطنت قائم کرنے کا ذریعہ اس طرح بھی ہو سکتا ہے کہ بین الاقوامی مدافعت و اغراض عامہ کے معاملات میں سب ارکان متحد ہو جاتے ہیں اور اس کے لئے انھیں اپنی انفرادی زندگی اور سیاسی خصوصیات کو قربان نہیں کرنا پڑتا ہے جن ریاستوں کی حالت نسبتاً ایک دوسرے سے زیادہ مساوی ہوتی ہے (جیسا کہ اتحاد امریکہ کی چھتالیس ریاستوں کا حال ہے) وہاں بھی متفقی طریق سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ آب وہوا، نسلی عناصر، مقامی رسم و رواج اور سابقہ حالات کے اعتبار سے ان کے ماحول میں جو اختلافات پیدا ہو جاتے ہیں اُن کے حسب حال قوانین بن سکتے ہیں۔ تمام دنیا سے بڑھ کر ممالک متحدہ امریکہ میں اصول متفقیت سے ہر ممکن صورت سے پورا پورا فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ نو آبادیوں کی تاریخ کے نہایت ہی

ابتدائی زمانہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ کونکٹیکٹ نے اپنے شہروں کو ملا کر ایک متفقی اتحاد کی صورت پیدا کرلی تھی اور ۱۶۴۳ء میں باہمی حفاظت کے لئے شمالی نو آبادیوں نے متفق ہو کر نیو انگلینڈ کی متفقیت قائم کرلی تھی۔ اٹھارویں صدی میں جب برطانیہ عظمیٰ سے تنازعات پیدا ہوے تو تیرہ نو آبادیوں نے اتحاد قائم کرلیا جو براعظمی کانگریس اور ۱۷۸۱ء کی ناپائیدار مشترکیت کے ابتدائی مدارج سے گزر کر آخر الامر موجودہ متفقی جمہوریت کی صورت میں مستحکم ہو گیا۔ سیاسی نشوونما کے اصول اور ۱۷۸۹ء کے اختیار کردہ نظام سلطنت نے انیسویں صدی میں ممالک متحدہ امریکہ کے تمام مدارج ارتقا کو اپنے زیر اثر رکھا ہے۔

۵ سلطنتہائے متفقیہ میں تقسیم اختیارات :- متفقی اصول کی تاریخی و سیاسی کیفیت کے اس قدر پر بس کرنا کافی ہے۔ اب ہمیں اس اہم مسئلہ کی طرف توجہ کرنا چاہیئے کہ حکام متفقیت و کارفرمایان ماتحت کے درمیان اختیارات کی تقسیم کس طور پر ہونا چاہیئے۔ اس بحث میں اس کی کچھ ضرورت نہیں کہ ممالک متحدہ امریکہ کے نظام سلطنت کی بنا کے قبل کی کسی مشترکیت یا حکومت متفقی کی حالت پر غور کیا جائے، ان میں نہایت ہی ابتدائی اور بہت ہی ضروری اختیارات مرکزی حکومت کو تفویض کئے گئے تھے، لیکن ۱۷۸۹ء اور انیسویں صدی کی سلطنتہائے متفقی میں مسلسل ایسے دلچسپ واقعات ملتے ہیں جن پر اس نظر سے غور کرنا چاہیئے کہ مرکزی و ماتحت صاحبان اقتدار کی نسبتی حیثیت کے متعلق تجربہ کیا سکھلاتا ہے۔ اس کے آغاز کی بہترین صورت یہ ہو گی کہ ہم پہلے تجربۂ اختیارات کے عام اصول بیان کریں متفقیت کا سب سے مقدم تاریخی مقصد محافظت کی ضرورت ہے۔ اس لئے سب سے بڑی حاجت یہ ہے کہ افواج بری و بحری حکومت متفقی کے قبضہ میں ہوں۔ اس کے قریب قریب یہ ضرورت ہے کہ بیرونی سلطنتوں سے معاملت کرنے میں متفقیت ایک شخص واحد کی طرح سے کام کرے۔ اس لئے غیر ملکی تعلقات کی نگرانی مرکزی حکومت کے ہاتھ میں ہونا چاہیئے، اور چونکہ غیر ملکی تعلقات یا جنگ دونوں میں سے کوئی کام بھی بغیر مالی امداد کے نہیں چل سکتا

اس لئے مزید ضرورت یہ ہے کہ متفقی سلطنت کو باشندگان پر انفرادی طور سے محصول عاید کرنے کا کچھ نہ کچھ اختیار ہونا چاہیے اس کے لئے صرف یہ کافی نہیں ہے کہ وہ نقدی ضروریات کے متعلق متفقیت کی ہر ایک دولت عامہ سے مطالبہ کرسکتی ہے۔ اس کا کافی ووافی تجربہ (سنہ ۱۷۸۱-۸۹ء کی پرانی مشترکیت کے مالیات کے درہم وبرہم ہوجانے سے ہوچکا ہے۔ شدید وعارضی ضروریات کے پورا کرنے کے لئے مالی اختیارات میں قرض لینے کا اختیار بھی شامل ہونا چاہیئے۔ یہ تین فرائض یعنے جنگ ومدافعت کی کارروائی، غیر ملکی معاملات کی نگرانی اور روپیہ وصول کرنے کا اختیار، ایسے لازمی حوائج ہیں کہ ان کے بغیر کوئی متفقی سلطنت قائم ہی نہیں رہ سکتی۔

حکومتی فرائض کے دوسرے درجہ میں ان کاموں کو رکھنا چاہیئے جن کا موثر طور پر انجام پانا صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ انکی انجام دہی یکسانی وعمومیت کے ساتھ ہو۔ اس نوعیت کے کاموں میں سکجات کی نگرانی، حقوق ایجاد وحقوق تصنیف کا انضباط اور ڈاک کے کاموں کی انجام دہی داخل ہیں۔ تیسرے درجہ میں معاملات عامہ کے وہ اصناف متعلقہ داخل ہیں جن میں یکسانی اگرچہ قطعاً لازم نہیں ہے لیکن اگر ہو تو اس سے قومی ترقی میں بڑی مدد ملتی ہے۔ اس سلسلہ میں وسائل نقل وحرکت (یعنے بین الریاستی تجارت) کی مزید سہولتیں مثلاً ریل، نہر، تار، وغیرہ بنک کے کاروبار کا نظم وانضباط اور ایک عام محصول درآمد وبرآمد کا اجرا وغیرہ قابل ذکر امور ہیں آخر الذکر امر میں کسی قدر متضاد کیفیت پیش آتی ہے۔ محصول درآمد وبرآمد کا متفقی حکومت کے اختیارات میں ہونا اقتصادی بنا کے بہ نسبت مالی بنا پر زیادہ قابل قبول ہے۔ محصول درآمد وبرآمد روپیہ کے وصول کرنے کا ایک سہل اور کسیقدر پوشیدہ طریقہ ہے۔ اگرچہ نظری طور پر یہ مرکزی حکومت کے لازمی اختیارات میں داخل نہیں ہے مگر عملاً اسے نہایت اہمیت حاصل ہے (اگر خود ملک کے اندر) محصول درآمد وبرآمد کی دیواریں کھڑی ہوجاتی ہیں تو اس سے قومی

زندگی کے اجتماع و استحکام میں سخت رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کی بیّن شہادت کے لئے قواعد مشترکیت کے تحت میں امریکہ کی تیرہ ریاستوں کے محاصل درآمد و برآمد کے لغو تنازعات یا ۱۸۱۵ء کی مشترکیت کی جرمانی سلطنتوں کے حالات پر نظر ڈالنا کافی ہے۔ اس آخری مثال میں نہ صرف ہر ایک سلطنت محاصل درآمد و برآمد کے لئے ایک جداگانہ حلقہ کی حیثیت رکھتی تھی بلکہ ہر ایک ریاست کے اندر بھی تقسیم در تقسیم تھی، چنانچہ پرشیا سیاسی حیثیت سے ایک واحد سلطنت تھی مگر محصول کے اعتبار سے وہ سرسٹھ حلقوں میں منقسم تھی۔[1] چوتھے درجہ میں وہ بحث طلب معاملات داخل ہیں، جن کا متفقی یا اجزائے حکومت سے متعلق ہونا صوابدید و مقتضائے وقت پر منحصر ہے۔ اس کی نمایاں مثالیں ازدواج و طلاق کے قواعد اور تعلیم عامہ کی نگرانی وغیرہ ہیں۔ اس کے بعد آگے بڑھ کر پانچویں اور آخری درجہ میں وہ فرائض ہیں جنھیں بالیقین منفرد سلطنتوں کے ہاتھ میں چھوڑ دینا چاہئے۔ یہاں بھی رائے میں اختلاف ہو سکتا ہے مگر مقامی تعمیرات عامہ، عام خیرات، منشیات کا انضباط وغیرہ بالعموم ان میں داخل کر لئے جاتے ہیں۔

اس سرسری خاکہ کے بعد اب ہمیں اپنے زیر بحث خاص خاص سلطنتہائے متفقہ کے عملی تقسیم اختیارات کا مختصراً مقابلہ کرنا چاہئے۔ مناسب ہے کہ اولاً ان اختیارات قانون سازی کی تفصیل کیجائے، جو ممالک متحدہ امریکہ کے نظام سلطنت کی رو سے کانگریس کو حاصل ہیں۔

”کانگریس (موتمر) کو اختیار ہوگا کہ محصول، رسوم، باج، اور آبکاری وصول کرے، قرضوں کے ادا کرنے اور ممالک متحدہ کی مشترک مدافعت و عام بہبود کے لئے ہر قسم کا انتظام کرے، مگر تمام رسوم، باج اور آبکاری کل ممالک متحدہ میں یکساں ہوں گے۔

---

[1] اس سلسلہ میں سینیولوبس کی تصنیف سیاسی تاریخ یورپ (Seignohos Political History of Europe) کا باب چہاردہم دیکھنا چاہئے۔

،، ممالک متحدہ امریکہ کی ساکھ پر قرض لے ۔

،، غیر اقوام، مختلف ریاستوں اور انڈین قوم (اصلی باشندگان ملک) کے ساتھ تجارت کا انتظام و انضباط کرے ۔

،، تمام ممالک متحدہ میں غیر ممالک کے باشندوں کو حقوق ملکی دینے کا یکساں قاعدہ اور دیوالوں کے متعلق یکساں قوانین نافذ کرے ۔

،، سکہ جات مسکوک کرے اور ملکی و غیر ملکی سکوں کی قیمت کا تعین و انضباط کرے اور وزن و پیمانہ کا مصدقہ معیار مقرر کرے ۔

،، ممالک متحدہ کی ضمانتوں اور اس کے رائج الوقت سکوں کے جعلی بنانے کے متعلق سزادہی کے قواعد مقرر کرے ۔

،، ڈاک خانہ اور ڈاک کی سڑکیں قائم کرے ۔

،، مصنفوں اور موجدوں کے لئے ایک معینہ زمانہ تک کے لئے ان کے تصانیف و ایجاد کے لئے ان کو حق مخصوص دے کر علوم اور کارآمد صنعتوں کو ترقی دے ۔

،، عدالت عالیہ سے کم درجہ کی عدالتیں قائم کرے ۔

،، کھلے سمندروں میں جو قزاقی و غارتگری اور قانون اقوام کے خلاف جو جرائم ہوں ان کو مشخص کرے اور ان کے لئے سزائیں دیں ۔

،، اعلان جنگ کرے، جہازوں کی تیاری اور دشمن کے جہازونکی گرفتاری کے لئے اجازت نامے عطا کرے اور برّ و بحر پر دشمن کی ہر قسم کی گرفتاریوں کے لئے قاعدے مرتب کرے ۔

،، فوج بھرتی کرے اور اس کے اخراجات کا انتظام کرے مگر اس مقصد کے لئے دو برس سے زائد مدت کے لئے روپیہ نہ مخصوص کرے ۔

،، ایک بیڑے کا انتظام کرے اور اُسے قائم رکھے ۔

،، حکومت کے لئے قواعد اور برّی و بحری فوجوں کے لئے ضوابط مرتب کرے ۔

،، اتحاد کے قوانین کو عمل میں لانے، بغاوتوں کو فرو کرنے اور حملوں کو دفع

کرنے کے لئے "ملیشیا" (فوج محافظ ملک) سے کام لینے کا انتظام کرے۔

"ملیشیا (فوج محافظ ملک) کی تنظیم و انضباط، سامان جنگ سے اُسکی آراستگی اور اس کے جو حصے ممالک متحدہ کی خدمت میں لگے ہوں ان کے انتظام کا بندوبست کرے لیکن عہدہ داروں کے تقرر اور کانگریس (موتمر) کے مقرر کردہ قواعد کے موافق ملیشیا کی تعلیم و ترتیب کے اختیارات ہر ایک ریاست کے لئے محفوظ رہیں۔

"اس حلقۂ اراضی پر جو دس میل مربع سے زیادہ ہو اور جسے کسی خاص ریاست نے تفویض کیا ہو اور کانگریس (موتمر) نے قبول کرلیا ہو اور وہ ممالک متحدہ کی حکومت کا مستقر قرار پا گیا ہو ہر قسم کے تمام معاملات میں خود تنہا قانون سازی کے اختیارات عمل میں لائے اور اسی قسم کا اختیار ان تمام مقامات کے متعلق بھی عمل میں لائے جو قلعوں، مخزنوں، سلاح خانوں جہاز سازی کے بندروں اور دوسری ضروری عمارتوں کے لئے اس ریاست کی مجلس وضع قوانین کی رضامندی سے خرید کئے گئے ہوں، جس میں وہ واقع ہوں۔

"مذکورۂ بالا اختیارات اور ان دوسرے اختیارات کو عمل میں لانے کے متعلق جو اس نظام سلطنت کے موافق، ممالک متحدہ امریکہ کی حکومت، اس کے کسی محکمہ یا عہدہ دار کو تفویض کئے گئے ہوں ہر قسم کے ضروری و مناسب قوانین وضع کرے۔[1]

اس سے معاً یہ واضح ہو جائے گا کہ ان خاص دفعات کے علاوہ جو انڈین قوم (اصلی باشندگان ملک) اور ضلع کولمبیا سے متعلق ہیں اور کوئی اختیار ایسا نہیں ہے جو اس حکومت کو عطا کیا گیا ہو اور زمانۂ مابعد کی سلطنت متفقیہ میں سے کسی اور مرکزی حکومت کو نہ دیا گیا ہو۔ اس دفعہ کے بموجب قومی حکومت کو ضروری اختیارات سے زائد کچھ بھی نہیں ملا ہے۔ حکومت کے جو اختیارات اس سے بچ رہتے ہیں۔ یعنی وہ اختیار و اقتدار جنکے لئے

---

[1] دفعۂ اول فقرۂ ۸۔

کوئی خاص دفعہ نہیں ہے، وہ کسی اور حکومت کے لئے صریحاً علٰحدہ رکھے گئے ہیں۔

اب اس کے مقابلہ میں ہم اس تقسیم اختیارات کو پیش کرتے ہیں جو قلمرو کناڈا کی حکومت متفقہ اور اس کی صوبجاتی حکومتوں کے درمیان ہوئے ہیں، کناڈا کے نظام حکومت کی بنیاد برطانوی پارلیمنٹ کا ایک قانون ہے جس کا نام قانون برطانوی شمالی امریکہ سنہ ۱۸۶۷ء ہے تقسیم اختیارات کے قواعد اس قانون کی دفعات نود و یکم، نود و دوم، و نود و سوم میں ہیں۔ موجودہ بحث میں وہ اس وجہ سے بالتخصیص دلچسپ ہیں کہ وہ اسی انتظام پر مبنی ہیں جو ممالک متحدہ امریکہ کے نظام سلطنت میں قائم کئے گئے ہیں اور بعد کے سیاسی تجربات کی روشنی میں ان پر نظر ثانی کرلی گئی ہے۔ علاوہ ان اختیارات کے جو ممالک متحدہ میں کانگریس کو حاصل ہیں کناڈا کی متحدہ پارلیمنٹ کے اختیارات تعزیری، قوانین ازدواج و طلاق، سود اور ہر طرح کے محصول کے ذریعہ سے روپیہ وصول کرنے کے متعلق بھی وسیع کردئے گئے ہیں۔ دوسرے اور امور جیسے بنک کے کاروبار وغیرہ (جو بالتصریح کانگریس کو عطا نہیں کئے گئے ہیں بلکہ ممالک متحدہ کے ارباب حکومت نے بالمعنی اختیارات کی تاویل سے انھیں حاصل کرلیا ہے) کناڈا کے نظام حکومت میں شامل کردئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ اس قانون میں یہ بھی درج کردیا گیا ہے کہ کناڈا کی متحدہ پارلیمنٹ کو ان تمام معاملات میں قانون سازی کا اختیار حاصل ہے جو ان امور میں شامل نہیں ہیں جنھیں اس قانون کی رو سے خالصتہً صوبوں کی مجلس واضع قوانین کو تفویض کردیا گیا ہے۔" پس متفقی حکومت کو جس قدر اختیارات صراحتاً دئے گئے ہیں وہ امریکی نظام حکومت کی مذکورۂ بالا دفعہ سے بالکل مختلف معلوم ہوتے ہیں بلکہ بالمعنی اختیارات کے اصول کے موافق کانگریس کے اختیارات جس حد تک وسیع کرلئے گئے ہیں، ان سے مقابلہ کرنے پر بھی تعزیری قانون وغیرہ کے ایسے معاملات میں قلمرو کناڈا کی حکومت متفقی کے اختیارات بہت بڑھے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔

کناڈا کے دستور کے تیار ہونے کے بعد ہی دو اور اہم متفقی سلطنتوں

کے نظام حکومت تیار ہوئے جو اب تک رائج ہیں، یعنی ۱۸۷۱ء میں شہنشاہی جرمنی کا اور ۱۸۷۴ء میں سوئٹزرلینڈ کا نظام حکومت مرتب ہوا۔ ان دونوں میں مرکزی حکومت کے اختیارات اس سے بدرجہا زیادہ ہیں جو ممالک متحدہ امریکہ میں رائج ہیں، جرمنی نظام حکومت نے بشمول ترمیم مورخہ ۲۰ر دسمبر ۱۸۷۳ء متفقی حکومت کو نہ صرف ان امور کا اختیار و اقتدار دیا تھا جو کانگریس (امریکہ) کے حدود اختیار میں داخل نہیں بلکہ قانون تعزیری، قانون دیوانی، عدالتی کارروائی کارروائی بنک، پیشہ طبابت، ریل (باستثنائے بیویریا) انضباط مطابع، تجارت، بیمہ (بشمول بیمہ مزدوراں و قانون وظائف) اور بہت سے دوسرے معاملات سب اسی کے قبضۂ اقتدار میں دیدئے تھے[1] جرمنی میں مرکزی حکومت کے حدود قانون سازی امریکہ کی بہ نسبت اس سے بہت زیادہ وسیع تھے مگر نظم و نسق ملک کے معاملہ میں اس کا عملی اختیار نسبتاً کم تھا کیونکہ لامرکزیت کا اصول قبول کر لیا گیا تھا اور محصول درآمد و برآمد وغیرہ کی بابت بہت سے کام جنھیں متفقی حکومت کو کرنا چاہئے تھا انھیں اجزائی حکومتوں کے کارکن انجام دیتے ہیں، میدان عمل میں مرکزی حکومت کے دائرہ کا اثر اس طرح اور بھی تنگ ہو گیا تھا کہ ہم مثل اختیارات کے اصول سے زیادہ تر کام لیا جاتا تھا۔ مذکورۂ بالا معاملات میں سے بہت سے معاملات ایسے تھے جن میں متفقی حکومت کو خالصتہً و تنہا اختیار حاصل نہیں تھا جس موقع پر متفقی حکومت خود عملی کارروائی کرنا مناسب نہیں سمجھتی تھی وہاں ریاستوں کو قانون سازی کے اختیارات کو عمل میں لانے کی آزادی حاصل تھی، چنانچہ ریل، پیشہ طبابت، تعزیری و دیوانی قانون کے متعلق اسی اصول پر عمل ہوتا تھا، خالصتہً متفقی اقتدار سے صرف انھیں موقعوں پر کام لیا جاتا تھا جہاں صورت حالات کے اعتبار سے ایسا ہونا فی نفسہ ضروری تھا (جیسے شہنشاہی کے اعتبار یا ساکھ پر روپیہ لینا) یا جہاں صراحت کے ساتھ اس کو ظاہر کر دیا گیا تھا (جیسے درآمد پر

---

[1] نظام حکومت شہنشائی۔ دفعہ چہارم۔

محصول لگانا)[۱]۔ تصادم اختیارات سے بچنے کے لئے یہ قید لگا دی گئی تھی کہ حکومت متفقی کا قانون شہنشاہی کے اجزائے ترکیبی میں سے ہر ایک ریاست کے قانون پر غالب و فائق ہوگا۔ بیشک ہم مثل اختیارات کا اصول ممالک متحدہ امریکہ میں بھی پایا جاتا ہے مگر بہت کم، کانگریس کو جو اختیارات دئے گئے ہیں ان میں سے اکثر و بیشتر ایسے ہیں جن کا عمل میں لانا دولتہائے عامہ (ریاستوں) کے لئے ممنوع ہے مگر بعض معاملات میں (جیسے دیوالہ کے قوانین ہیں) اگر کوئی متفقی قانون نہ موجود ہو تو ریاستیں حسب خواہ کارروائی کرسکتی ہیں۔ سوئٹزرلینڈ کے (سنہ ۱۸۷۴ء والے) نظام سلطنت سے جس میں بعد کو ترمیمیں بھی ہوتی رہی ہیں، متفقی حکومت کے بہت وسیع اختیارات کا اظہار ہوتا ہے۔ پروفیسر اے۔ لارنس لوئل کہتے ہیں[۲] کہ یہ قومی حکومت کے قانون سازی کے اختیارات اس ملک کی بہ نسبت سوئٹزرلینڈ میں بہت زیادہ وسیع ہیں کیونکہ علاوہ ان اختیارات کے جو یہاں کانگریس کو عطا کئے گئے ہیں سوئٹزرلینڈ میں اس قسم کے اختیارات بھی مجلس وضع قوانین کو حاصل ہیں جیسے مذہبی جماعتوں کا انضباط، خانقاہی فرقوں کا اخراج، منشیات کی تیاری و فروخت، انسانی و حیوانی وباؤں کی روک، شکار کے قوانین، تمام ریلوں کا تیار کرنا اور ان کا چلانا، کارخانوں میں ہر قسم کی مزدوری کا انضباط، مزدوروں کا جبری بیمہ، قرضوں کا جمع کرنا اور جملہ اقسام کے تجارتی قوانین کا عمل میں لانا"، انھیں میں اس امر کا بھی اضافہ ہوسکتا ہے کہ متفقی حکومت کو (از روئے نظام سلطنت) یہ اختیار حاصل ہے کہ صوبوں کو جبری دنیاوی تعلیم کے قائم کرنے کے لئے (جو ابتدائی مدارج میں مفت ہو) مجبور کرسکے۔ لیکن حکومت سوئٹزرلینڈ کو براہ راست کسی قسم کے محصول کے لگانے کا اختیار حاصل نہیں ہے،

مرکزی اختیار کے متعلق ایک آخری مثال کے طور پر ہمیں نو آبادیہائے آسٹریلیا

---

[۱] شہنشاہی نظام سلطنت دفعہ ۳۵۔

[۲] دہ براعظم یورپ کی حکومتیں اور سیاسی فریق" (The Governments and Parties in Continental Europe) جلد ۲ باب ۹۔

کی حال کی قائم شدہ متفقیت پر نظر ڈالنا چاہیئے۔ شہنشاہی برطانیہ کے تعلقات سے علیحدہ ہو کر دیکھا جائے تو دولت عامہ آسٹریلیا ایک واحد متفقی سلطنت ہے جس میں چھ مختلف ریاستیں[1]" شامل ہیں۔ کناڈا کی طرح اس کا دستور بھی برطانوی پارلیمنٹ کے سنہ ۱۹۰۰ء کے ایک قانون "دستور دولت عامہ آسٹریلیا" کے بموجب مرتب ہوا ہے متفقی پارلیمنٹ کے اختیارات قانون سازی بہت شرح و بسط کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں[2]۔ اس میں وہ تمام اختیارات داخل کر لئے گئے ہیں جو حقیقتاً لازمی ہیں یا عملاً لازمی ہونے کے درجہ پر پہنچ جاتے ہیں، جن پر اس کے قبل بحث ہو چکی ہے۔ جیسے مدافعت، اجرائے محاصل، انتظام ڈاک، محصول در آمد و بر آمد بین الریاستی تجارت وغیرہ ہیں۔ اس کے علاوہ صاف الفاظ میں یہ بھی قرار دیا گیا ہے کہ متفقی حکومت کے اختیارات مسائل ذیل پر بھی حاوی ہوں گے۔ تیاری اشیاء صنعتی یا بر آمد کے لئے سرکاری امداد، بیمہ باستثنائے سرکاری بیمہ کے، ازدواج و طلاق، کمزوری و کبر سنی کے وظائف، غیر ملکی جماعتہائے تجارتی، سرکاری ریلوں کا (برضامندی ریاست) حاصل کرنا، فوجی اغراض کے لئے بلا رضامندی ریاست بھی ریلوں کو اپنی نگرانی میں لے لینا، حرفتی تنازعات کا اگر وہ کسی ایک ریاست کے اندر محدود نہ ہوں، بآشتی طے کر دینا، ترک وطن، مجرموں کا داخلہ اور دوسرے جزوی معاملات۔ ہم مثل اختیارات کے اصول سے جس طرح کام لیا گیا ہے اس پر نظر ڈالنا بھی خالی از دلچسپی نہیں ہے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ جرمنی کے نظام سلطنت میں بالارادہ اس طریقہ کو اختیار کیا گیا ہے، برخلاف ازیں

---

[1] صحیح ہو یا غلط مگر اہل آسٹریلیا نے اپنی متفقیت کے اجزائے ترکیبی کے لئے سرکاری حیثیت سے سلطنت States کا لفظ اختیار کیا ہے۔ چونکہ مجموعی نام سرکاری طور پر دولت عامہ ہے اسی لئے پروفیسر برجس اور دوسرے امریکی مصنفوں نے جو اصطلاحات استعمال کئے ہیں وہ یہاں بالکل برعکس ہو جاتے ہیں۔

[2] قانون نظام سلطنت حصۂ پنجم دفعات ۵۱ و ۵۲۔ پروفیسر ہریسن مور نے اپنی تصنیف "دولت عامہ آسٹریلیا" (The Commonwealth of Australia) کے باب پنجم میں اس کی بہت خوب شرح کی ہے۔

"قانون برطانوی شمالی امریکہ" میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ حکومت اعلیٰ اور صوبجاتی حکومتوں کے اختیارات جہاں تک ہوسکے ایک دوسرے سے علیحدہ کردئے جائیں، لیکن آسٹریلیا میں صرف چند اختیارات صراحتاً خالص و مختص ظاہر کئے گئے ہیں، (دفعہ ۵۲) بیشتر صورتوں میں متفقی حکومت نے جس معاملہ میں کچھ کارروائی نہ کی ہو وہاں ریاستی حکومت اپنے طور پر کارروائی کرسکتی ہے، مگر شہنشاہی جرمنی کی طرح جب کسی ریاست کا قانون دولت عامہ کے قانون سے مغائر ہو تو آخرالذکر ہی قانون عمل پذیر ہوگا۔" اس آخری شرط میں غلط فہمی نہ ہونا چاہئے۔ اس دولت عامہ کے قانون کو متفقی پارلیمنٹ کے آئینی اختیار کے خلاف نہ جاننا چاہئے ورنہ امریکہ کے مانند یہاں بھی اس کا نفاذ عدالتوں کے ذریعہ سے ناجائز قرار دیا جاسکتا ہے۔

۶۔ نتائج:۔ انیسویں صدی کی خاص خاص سلطنت ہائے متفقیہ کے مذکورۂ بالا مقابلۂ باہمی سے بہت سے اہم نتائج اخذ کئے جاسکتے ہیں۔ ان سب میں یہ میلان پایا جاتا ہے کہ مرکزی یا قومی حکومت کے حدود اختیارات وسیع و وسیع تر ہوتے جائیں۔ اس کے لئے مختلف توجیہیں پیش کیجاسکتی ہیں۔ سب سے پہلی وجہ تو یہ ہے کہ اس سے ایک ایسے طریق کار کا اظہار ہوتا ہے جو بالکل ہی طبعی و فطری ہے اور جسے صحیح طور پر ذی حیات کہہ سکتے ہیں متفقیت کے اجزائے منفردہ کا جب ایک مرتبہ ایک دوسرے کے ساتھ تعلق پیدا ہوجاتا ہے، تو وہ ایک ساتھ نشو ونما پانے لگتے ہیں اور یوماً فیوماً ایک متحدہ جسم کی حیثیت سے ان کی پیوستگی ایک دوسرے کے ساتھ ترقی کرتی جاتی ہے، اجزائے متفرقہ کی ابتدائی رقابت و مخصوصیت میں بتدریج وسعت نظری پیدا ہوتی جاتی ہے جو ایک فراخ تر قومی زندگی کا لازمہ ہے۔ متفقیت کی مرکزی حکومت باشندگان ملک کے ہر فرد واحد کی زندگی کا لازمہ بن جاتی ہے اور ہر فرد کو قوم میں اپنے فریق خاص کے ساتھ جو دلچسپی ہوتی ہے مرکزی حکومت کے متعلق وہ اس سے زیادہ اعلیٰ وارفع حب الوطنی سے کام لینے لگتا ہے۔ جب کوئی موقع ایسا آجاتا ہے کہ فطری عظمت کے احساس پر اثر پڑتا ہے تو آئینی پابندیاں عام اتفاق رائے سے

پس پشت ڈال دی جا سکتی ہیں، اس کی مثال کے طور پر ممالک متحدۂ امریکہ میں لوزیانا کے شامل کر لئے جانے کی طرف فوراً ذہن منتقل ہو جاتا ہے، متفقی حکومت کے اختیار کی وسعت کے لئے ایک ایسا ہی قوی محرک معاشرت جدیدہ کے مادی حالات و ضروریات سے بھی پیدا ہو جاتا ہے، نقل و حرکت، رسل و رسائل کی سرعت، تار برقی، تیاری مال و تجارت کی ترقی، یہ سب وہ امور ہیں کہ نظام سلطنت (امریکہ) کی بنا کے وقت خواب میں بھی نظر نہ آ سکتے تھے، ان سے وہ اقتصادی رکاوٹیں جو کسی وقت میں قائم تھیں سب پادر ہوا ہو گئی ہیں، وہ فرقے جو کسی وقت میں اپنی معاشری و اقتصادی زندگی کے اعتبار سے ایک دوسرے سے بالکل ممیز تھے ان میں صنعت و حرفت کی گرم بازاری نے کامل امتزاج و اختلاط پیدا کر دیا ہے، ہر ایک دوسرے کی ضروریات کا انصرام کرتا اور اس کے عوض میں نفع حاصل کرتا ہے، صوبجات ڈاکوٹا کے گیہوں کے کھیت اور میساچوسٹس کے کارخانے ایک دوسرے کے ضمیمے و تتمے ہیں۔ جہاں حرفت و تجارت ایک ہی اقتصادی زندگی میں اس طرح ممزج ہو جائے وہاں یہ ناممکن ہے کہ ان کی نگرانی کے لئے علیحدہ علیحدہ ارضی حلقے قائم کئے جا سکیں۔ یہ ایک لابدی ضرورت ہو جاتی ہے کہ سلطنت متفقیہ کے اختیارات یا تو صراحتاً ایسے رکھے جائیں یا ان کی اس طرح تاویل کر لی جائے کہ وہ اس تمام اقتصادی زندگی پر حاوی ہو جائے جس نے اجزائی ریاستوں کے حدود وسعت سے گزر کر قومی ہیئت و نوعیت اختیار کر لی ہے۔ اس وجہ سے یہ توقع ہوتی ہے کہ حکومت متفقی کے اختیارات کے اضافہ کی کارروائی آئندہ برابر جاری رہے گی حرفتی تمدن کی مداخلت کن قوتوں کے سامنے “ریاستی حد بندیاں” یوماً فیوماً بے معنی ہوتی جاتی ہیں مزید برآں حسب صحیح راستہ پر چلنا چاہئے اسے جرمنی و آسٹریلیا کے نظام ہائے سلطنت نے پہلے ہی واضح کر دیا ہے، ہم مثل اختیارات کے طریقہ کے اختیار کرنے اور اس امر کو مرکزی حکومت کی مرضی پر چھوڑ دینے سے کہ جس حد تک ارتقائے قومی کی رفتار ترقی کا اقتضا ہو اسی مناسبت سے وہ اس میدان میں قدم بڑھاتی جائے، ایک ایسا راستہ کھل گیا ہے جس میں ترقیات کی مصیبتوں اور کھینچ تان کر

قانون کی تاویل کرنے کی پریشانیوں میں پھنسے بغیر مرکزی حکومت کے اختیارات برابر وسیع ہوتے جائیں گے۔

ہم نے اس سوال پر ابھی غور نہیں کیا ہے کہ امریکہ کا نظام حکومت جو ایسے وقت میں مرتب ہوا تھا جب کہ متفقی حکومت کے وسعت اختیارات کی طرف سے مقامی رقابتوں کی وجہ سے نہایت تنگ خیالیاں پیدا ہو رہی تھیں، اب موجودہ حالات کے لحاظ سے کیوں کر اس میں تغیریات کئے جا سکتے ہیں۔ یہ پہلے ہی ظاہر کیا جا چکا ہے کہ یہ کارروائی قانونی ترمیمات کے ذریعہ سے نہیں ہوئی ہے۔ اس نظام حکومت میں جس طریقہ سے تبدیلی ہو سکتی ہے وہ اس قدر ناقابل عمل ہے کہ اس ضرورت کے لئے اس سے کام لینا بالکل ہی بیکار ہے، لیکن لفظی ترمیم کے بجائے انیسویں صدی کے تمام زمانہ میں عملی ترمیم کی کارروائی اس طرح جاری رہی ہے کہ عدالتیں برابر نظام سلطنت کی تاویل کرتی رہی ہیں۔ خوش قسمتی سے اس دستور کی تحریر ایسی ہے کہ اس میں تاویل کی گنجائش بہت زیادہ ہے۔ تاویل کنندہ کی مرضی کے موافق اس کے معنی میں کمی و بیشی ہو سکتی ہے، اس لئے عدالتوں نے ''اختیارات مقدرہ'' کے اصول کو اپنا مدار کار قرار دے لیا اور نظام سلطنت کے اندر کھینچ تان کر ایسے امور کو داخل کر لیا ہے جو اس کے لفظی و حقیقی مفہوم کے اعتبار سے کسی طرح بھی ذہن میں نہیں آ سکتے۔ چیف جسٹس مارشل نے کہا ہے کہ ''جب کوئی اختیار کسی کو تفویض کیا جاتا ہے، تو اس کے ساتھ وہ اختیارات از خود حاصل ہو جاتے ہیں جو اس اختیار اعلیٰ کے مکمل و موثر طور پر عمل میں لانے کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔'' لوئیزیانا کی خریداری، سنہ ۱۸۰۷ء کا قانون جہازات، ریلوں، اور نہروں کے لئے عطایائے اراضی، ٹکساس کا الحاق، زرعی کالجوں کے لئے عطائے اراضی وغیرہ ایسے امور ہیں جن کے لئے متفقی حکومت کے مشرحہ اختیارات میں کسی براہ راست اجازت و اختیار کا پتہ نہیں چلتا۔[1] صرف تاویل ہی کے ذریعہ سے کانگریس کو کاغذی سکہ جاری

---

[1] رابورٹ کمبال کی تصنیف ''ممالک متحدۂ امریکہ کی قومی حکومت'' The National Government of the United States سنہ ۱۹۲۰ء باب شانزدہم دیکھنا چاہیے۔

کرنے، اپنے حسب خواہش جس شئے کو چاہے اسے قانونی رقم قرار دینے، قومی بنکوں کو منشور عطا کرنے اور ان کے لئے قواعد مرتب کرنے اور انتظام ڈاک کو کلیتہً اپنے ہاتھ میں لینے کا اختیار حاصل ہوا ہے۔ یہ بھی اغلب ہے کہ اگر آیندہ ضروریات متقاضی ہوئیں تو اس نظام سلطنت سے قومی حکومت کو یہ اجازت بھی ملجائے گی کہ وہ خود ریلیں تعمیر کرے، اور موجودہ ریلوں کو خرید کر اپنی ملک بنالے اور تار کے تمام کام کو تنہا اپنے اختیار میں لیلے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہوسکتا کہ اس باختی تاویل کی تدبیر نے ایک نہایت ہی مفید تاریخی غرض کو پورا کر دیا ہے۔ اینگلو سیکسن قوم کی طبیعت میں جو خلقی ذہانت سیاسیہ موجود ہے اس کی یہ ایک درخشاں مثال ہے کہ ترمیم کی کارروائی کو اس قدر پر صعب بنا دینے میں جو غلطی ہو گئی تھی وہ ایسے آسان و طبعی تدارک کے ذریعے سے رفع کر دی گئی، لیکن غلطی پھر بھی غلطی ہی ہے۔ سوئزرلینڈ یا آسٹریلیا کا طریقہ جس کے بموجب تواتر ترمیم نظام سلطنت کی جان ہے، بہت زیادہ قابل ترجیح ہے۔

قابل مطالعہ کتابیں

ایچ۔ سجوک "ارتقائے نظم سلطنت یورپ" (سنہ ۱۹۰۳ء) (Development of European Polity) ۸، خطبۂ ہشتم و بست و نہم۔

رسالۂ فیڈرلسٹ (Federalist) مضامین ۱۵-۱۶-۱۷- جے فسک "امریکہ کے تخیلات سیاسیہ" سنہ ۱۹۰۲ء (American Political Ideas) خطبۂ دوم۔

اسناد مزید

جے۔ اسٹوری "تشریحات نظام سلطنت ممالک متحدہ" (Commentaries on the Constitution of the United States) ۲ ج، طبع پنجم (سنہ ۱۸۹۱ء)

جے۔ ٹی کرٹس۔ (تاریخ دستوری ممالک متحدۂ امریکہ (سنہ ۱۸۹۶ء) جلد اول

(Constitutional History of the United States)

جے، ایم۔ ونسنٹ، "طریق حکومت سوئٹزرلینڈ"، (سنہ ۱۹۰۰ء) (Government in Switzerland)

ایچ۔ مور "دولت عامۂ آسٹریلیا"، (سنہ ۱۹۰۲ء) (The Common wealth of Australia)

سر جان بورینو "رسالۂ تاریخ دستور کناڈا" سنہ ۱۸۸۸ء (Manual of the Constitutional History of Canada)

ایف۔ آر۔ ڈاریسٹ "نظامہائے سلطنت جدیدہ" (سنہ ۱۸۹۱ء) (Les Constitutional Modernes) ریاستہائے مشترکۂ امریکہ کے نظام حکومت کے لئے گرٹس "تاریخ دستوری" جلد ۲۔ ضمیمہ دیکھنا چاہیے۔

اے۔ ایچ، اسٹیونس "ممالک متحدۂ امریکہ کے اجزا کی خانہ جنگی دستوری نظر سے" (Constitutioral View of the War botweeu the United States)

سی۔ وی، میریم "تاریخ نظریۂ اقتدار اعلیٰ از زمان روسو" (History of the Theory of Sovereignty since Rousseau) سنہ ۱۹۰۰ء

جے۔ اے۔ ڈائل۔ (امریکہ کے انگریز) (English in America) سنہ ۱۸۸۷ء۔

ای، ڈبلیو، اینڈ روز (رسالۂ نظام سلطنت ممالک متحدہ۔ (Manual of the Constitutionan of the United States) سنہ ۱۸۸۷ء

ای ائ فریمین: تاریخ حکومت متفقہ۔ سنہ ۱۸۶۳ء۔

لابانڈ: "دستور سلطنت جرمنی" ("Staatsrecht des deutscheu Reiche's) طبع چہارم سنہ ۱۹۰۱ء۔

باب ششم

حکومت مستعمری

۱۔ توابع کا حصول۔ ۲۔ دنیائے قدیم کی نوآبادیاں۔ ۳۔ جزائر شرق الہند کے بحری راستہ کے دریافت ہونے اور امریکہ کے انکشاف کے بعد نوآبادیوں کی وسعت۔ اسپین کی مستعمری حکمت عملی۔ ۴۔ سترھویں اور اٹھارھویں صدی میں انگلستان و فرانس کی مستعمری حکمت عملی۔ ۵۔ انقلاب امریکی۔ ۶۔ انیسویں صدی میں برطانیہ کی مستعمری حکمت عملی میں تغیر، حکومت خود اختیاری کا قیام،۔ ۷۔ مستعمری نظم ونسق کے متعلق برطانیہ کا موجودہ طور طریق۔ ۸۔ شہنشاہی تنفقیت۔ ۹۔ یورپی سلطنتوں کے زمانۂ حال کے مستعمری توسیعات۔ ۱۰۔ ممالک متحدۂ امریکہ کے توابع۔

۱۔ توابع کا حصول:— نوآبادی کے لفظ کو اگر اس کے وسیع ترین مفہوم میں لیا جائے جس میں ہر قسم کے توابع شامل ہو جائیں تو پھر امر واقعی یہ ہے کہ کرۂ ارض کا دو خمس نوآبادیوں سے معمور ہے جس میں پچاس کروڑ کی آبادی ہے۔ جنگ عظیم کے اختتام کے وقت برطانیۂ عظمیٰ کی نوآبادیوں کی رعایا کم از کم ۳۷،۲۰۰،۰۰۰ تھی فرانس کی ۰۰۰،۰۰۰،۶۴،۴ ندرلینڈز کی ۳۰،۹،۴۹،۱۷،۴ بلجیم کی ۰۰۰،۰۰۰،۶،۰،۷، جن قوموں پر اس طرح اقتدار قائم کیا گیا ہے ان کے درجات میں بہت وسیع تفاوت پایا جاتا ہے۔ قانون کے قطعی نظریہ کے لحاظ سے ان میں سے ہر ایک تام وکمال اس ذی اقتدار سلطنت کے تابع ہے جس کی وہ ”ملک ہے“ لیکن عملاً ان میں اس قدر تفاوت ہے کہ ایک طرف کناڈا و آسٹریلیا درحقیقت بالکل ہی آزاد ہیں اور دوسری طرف جبرالٹر و مدغاسکر بالکل ہی بے اختیار ہیں۔ زمانۂ جدید کی مستعمری رقبات کی یہ فراخی و وسعت اور ان کے عظیم الشان طبعی وسائل یہ

ظاہر کرتے ہیں کہ دنیا کی آیندہ تاریخ میں انھیں کیا اہمیت حاصل ہونے والی ہے۔ انیسویں صدی کے اواخر میں دول عظمٰی کے اس حقیقت کو سمجھ جانے کی وجہ سے گزشتہ پچیس برس میں ان کی توسیع مستعمری کی کوششوں میں پھر زور پیدا ہو گیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ فی الاصل دنیا کے تمام ”لاوارث“ قطعات ارضی کو سر برآوردہ سلطنتوں نے آپس میں تقسیم کر لیا ہے۔ پس سیاسی و اقتصادی دونوں جہتوں سے مستعمری نظم و نسق کے متعلق مزید دلچسپی پیدا ہو گئی ہے اور تمام توابع کے باضابطہ انتظام کرنے کی بابت یوماً فیوماً زیادہ توجہ کے ساتھ غور ہونے لگا ہے۔ ممالک متحدۂ امریکہ کے توسع کا زمانہ جنگ اسپین کے بعد سے شروع ہوتا ہے، اس سے حکومت کے اس حصہ کا مطالعہ اہل امریکہ کے لئے خاص باعث اہمیت بن گیا ہے اس لئے موجودہ باب اس ضرورت کے لئے مخصوص ہوگا کہ مستعمری حکومت کے آغاز و ارتقا، اس کے رائج الوقت نظم و نسق کے مختلف طریقوں اور نوآبادیوں کی آیندہ کی سیاسی حیثیت کے متعلق تحقیق و تفتیش کیجائے۔ اس تمام باب میں یہ مناسب ہوگا کہ سلطنت متحدۂ برطانیہ کی نوآبادیوں پر سب سے زیادہ توجہ منعطف کیجائے۔ نوآبادی قائم کرنے والے ملکوں میں برطانیۂ عظمٰی کا درجہ زمانۂ گزشتہ میں سب سے فائق و برتر رہا ہے، اور اب بھی ایسا ہی ہے حقیقت یہ ہے کہ جسے نوآبادیوں کے نظم و نسق کا جدید طریقہ کہا جاتا ہے وہ حکومت برطانیہ ہی کا نکالا ہوا ہے، اگرچہ خود اس حکومت نے ایک مرتبہ سمجھ بوجھ کر ایسا نہیں کیا ہے بلکہ گاہ بگاہ کے نیم ارادی عمل نے یہ صورت پیدا کر دی ہے۔ ممالک متحدۂ امریکہ کے جدید توابع پر آخر میں نظر ڈالی جائے گی تاکہ زمانۂ گزشتہ کے برطانوی تجربات کی روشنی میں ان پر بحث ہو سکے۔

توابع مختلف طریقوں سے کسی ذی اقتدار سلطنت کے قبضہ میں آتے ہیں، سب سے سادہ طریقہ تو فتح کا ہے جس سے مفتوح قوم فاتحین کی حکومت میں آجاتی ہے۔ روما نے اسی طور پر وسعت حاصل کی جس کے ”صوبجات“ وہ ممالک تھے جنھیں رومانی فوجوں نے فتح کیا تھا، میکسیکو و پیرو کی اسپینی نوآبادیاں اور ہندوستان میں برطانوی تسلط فتوحات ہی کے ثمر تھے۔

اس سے قریب قریب یہ صورت ہے کہ کوئی نوآبادی حوالگی کے ذریعہ سے ہاتھ آجائے، کوئی ملک جس کے قبضہ میں کوئی نوآبادی ہو جنگ میں شکست کھاکر مجبور ہو سکتا ہے کہ صلح کی قیمت کے طور پر اپنی نوآبادی حوالہ کردے یا تجارتی وجوہ سے اس کے فروخت کردینے پر اُسے آمادہ کرلیا جائے۔ اٹھارھویں صدی کے بیشمار معاہدے جن کے ذریعہ سے فرانس وانگلستان نے اپنے مقبوضات دئے اور لئے وہ سب اسی طرز کے تھے۔ سنہ ۱۷۶۳ء میں فرانس کی حوالگی کناڈا اور (سنہ ۱۸۹۸ء میں) اسپین کی حوالگی جزائر فلیپائنز جنگ کے ذریعہ سے حصول نوآبادی کی مثالیں ہیں، برخلاف ازیں سنہ ۱۸۰۳ء میں لویزیانا کی خریداری خالصۃً مالی وسیلہ سے نوآبادی کے حاصل کرنے کی بین مثال ہے۔ نوآبادیوں کی وسعت دینے کے ان دو طریقوں کے علاوہ ایک اور بھی طریقہ ہے جسے اصلی معنی میں طریق آبادکاری کہہ سکتے ہیں یعنی کسی قطعۂ ارضی کو لے کر اسے اپنے طور پر آباد کیا جائے، اس صورت میں نوآبادی کے دعوی کی بنا اگر حقیقتاً اس زمین کے دریافت کرنے پر مبنی نہو (جیسے کہ نیوفاؤنڈلینڈ و آسٹریلیا وغیرہ میں ہوا) تو کم از کم قبضۂ واقعی کے تقدم پر تو ضرور مبنی ہوتی ہے، جہاں اصلی باشندگان ملک کی کوئی مستقل زرعی آبادی پائی جاتی ہے، وہاں تسلط حاصل کرلینا بمنزلۂ فتح کے سمجھا جاتا ہے، مگر جہاں پر کہ اصلی آبادی بہت ہی قلیل اور خانہ بدوش حالت میں ہو اور محض گلہ بانوں کی طرح سے ملک میں پھرا کرتی ہو اور قدرت کی فیاضی اور شکار کے ماحصل پر بسر کرتی ہو، وہاں ان کی موجودگی ان آنے والوں کے حق جواز کی مانع نہونا چاہئے جو ایک معینہ مستقل آبادی قائم کرنا چاہتے ہوں۔ شمال امریکہ کے براعظم پر انڈین قوم (اصلی باشندگان ملک) کے فرضی حق کے متعلق بہت کچھ جذبات بیکار صرف کئے جاچکے ہیں۔ جب یہ خیال کیا جائے کہ نیوفاؤنڈلینڈ سے لیکر فلوریڈا تک اور مسیسیپی سے لیکر سمندر تک اصلی باشندگان ملک کی کل آبادی بس اتنی ہی تھی جتنی امریکہ کے کسی بڑے شہر کی آبادی ہوتی ہے (یعنے شاید دو لاکھ رہی ہو) اور صرف چند ہی مقامات ایسے تھے جہاں وہ مستقل طور پر زرعی حالت میں قیام پذیر

تھے، تو پھر ان کے تمام ملک کی ملکیت کا "حق" قریب بہ محال کے ہو جاتا ہے۔ یہ سوال ہو سکتا ہے کہ یہ دعویٰ کہاں تک آگے بڑھ سکتا ہے، کیا آسٹریلیا کے جنگلوں اور ویرانوں کے چند فاقہ کش باشندے کل بر اعظم کے مالک سمجھے جا سکتے ہیں؟ "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" کے وحشیانہ قاعدے سے قطع نظر کر کے بھی عقلاً ہر طرح پر یہ امر قابل تسلیم ہے کہ مہذب اور متمدن قوموں کو ان اراضی کے حصول کا حق حاصل ہے جس پر خانہ بدوش وحشی خال خال آباد ہوں۔

۲- دنیائے قدیم کی نوآبادیاں:— قدیم دنیا کی نوآبادیوں میں بحیرۂ روم کے سواحل پر یونان و فونیشیا کی نوآبادیاں سب سے زیادہ قابل ذکر ہیں فونیشیا کی بیشتر نوآبادیاں محض تجارتی مستقر تھے، مگر ان میں (کارتھج وغیرہ کے ایسے) مستثنیات بھی تھے، جن میں مستعمرین کی ایک بڑی جماعت نے مستقل زراعتی طرز معاشرت اختیار کر لی تھی۔ یونان کی نوآبادیاں اس سے وسیع تر پیمانہ پر تھیں۔ ان کا آغاز اولاً ۱۰۰۰ء قبل مسیح کے قریب ڈوریا کے جزیرہ نمائے پیلوپونیز کے ڈوریائی حملوں سے ہوا جس کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو جنگ سے بھاگ کر نئے وطن کی فکر کرنا پڑی۔ اسی طرح اہل اسپارٹا کے حملے اور اہل فارس کی یورشیں بھی وقتاً فوقتاً مفتوح قبائل کے انتشار کا باعث ہوئیں، اور بہت سی نوآبادیاں ان سیاسی تنازعات کی وجہ سے وقوع پذیر ہوئیں جو یونان کی پرشور شہری سلطنتوں میں ہمیشہ برپا رہا کرتے تھے، اور جن کا نتیجہ کبھی کبھی یہ ہوتا تھا کہ کچھ اہل شہر اپنے وطن کو چھوڑ کر بالارادہ کسی دوسری جگہ جا کر نیا شہر بسا لیتے تھے، لیکن یونانی و فونیقی نوآبادیوں میں وہ صورت نہیں پیدا ہونے پائی جسے ہم اس زمانہ میں حکومت مستعمری سے تعبیر کرتے ہیں۔ بیشک ایتھنز اس امر میں کامیاب رہا کہ بحر ایجین کے جزائر میں جو شہر اس نے آباد کئے تھے ان سے کچھ نقد خراج وصول کرتا رہا، اور اپنے دعوی کی بنا اُن مقامات کے بحری تحفظ پر رکھی، مگر عام دستور یہ تھا کہ نوآبادیوں کو اُن کے آغاز ہی کے وقت سے ایک آزاد سیاسی ہستی تسلیم کیا جاتا تھا۔ نوآبادیاں ان آزاد اشخاص کے ترک وطن سے

عمل میں آتی تھیں، جو اپنے ساتھ حکومت خود اختیاری کے وہی حقوق لے جاتے تھے، جو اُن کے سابق وطن میں انھیں حاصل تھے۔ قدیم زمانہ میں کسی جگہ کو جائے قیام قرار دینے سے جو نو آبادیاں قائم ہوئیں ان سے کسی قدر مختلف طرز کی وہ نو آبادیاں تھیں جنھیں اہل روما نے "کالونیا" کے نام سے قائم کی تھیں۔ یہ نو آبادیاں رومانی سپاہیوں کا ان زمینوں پر آباد ہونا تھا، جو سپہ سالار فتح کے بعد انھیں عطا کرتا تھا۔ یہاں مقدم غرض یہ ہوتی تھی کہ شہنشاہی کی سرحد کی حفاظت کا انتظام ہو جائے مگر یہی نو آبادیاں اکثر ترقی کر کے دائمی مستقر بن گئیں۔

۳۔ جزائر شرق الہند کے بحری راستہ کے دریافت ہونے اور امریکہ کے انکشاف کے بعد نو آبادیوں کی وسعت۔ اسپین کا طریقۂ مستعمری۔ زمانۂ جدید میں نو آبادیوں کے قائم کرنے کا آغاز اس وقت سے ہوتا ہے جب سے امریکہ اور جزائر شرق الہند کے بحری راستے دریافت ہوئے ہیں۔ سولھویں صدی کے آغاز کے ساتھ یورپ کے اولوالعزم اشخاص کے لیے نامعلوم ملکوں کے محیر العقول آسمان و زمین پیدا ہو گئے تھے، جہاں انھیں یہ موقع ملا کہ اپنے دریافت و انکشاف کے شوق اور نادیدہ ملکوں کی پُر صعب سیر و سیاحت کی آرزوؤں کو پورا کریں، اپنی طمع زر کی پیاس کو بجھائیں، اپنے بادشاہ کے زیر نگین ملکوں کے بڑھانے، اور مذہب عیسوی کو دنیا کے انتہائی حصوں تک میں شائع کرنے کے پاک جذبات کی تکمیل کریں۔ اسی اولوالعزمی اور فتوحات کے زمانہ میں یہ ہوا کہ اسپین اور پرتگال نو آبادیوں کے بڑھانے کی طمع میں گرفتار ہوئے اور اس طمع میں انھوں نے نو دریافت ملکوں میں اپنا تسلط جمانے اور ان سے خراج وصول کرنے کے وہ طریقے اختیار کیے جو آخر میں ان کی تباہی کا باعث ہوئے۔ اہل پرتگال نے راس امید کی طرف سے بحری راستہ نکال کر مشرق کی زر پاش تجارت کو خاص اپنے قبضہ میں کر لیا۔ وہاں ان کے تاجر بہت بڑی تعداد میں جمع ہو گئے اور انھوں نے افریقہ کے ساحل (سوفالا، زنجبار) بحر ہند کے سواحل (گوا، ملاکا وغیرہ) پر اور جزائر شرق الہند میں اپنے تجارتی

مستقر قائم کرلیے بلکہ چین و جاپان تک بھی پہنچ گئے (سنہ ۱۵۴۲ء)۔ برازیل میں انھوں نے ایک حد تک جلاوطن یہودیوں اور خارج الملک مجرموں کو بھیجکر ایک زرعی نوآبادی قائم کرلی جس میں نیشکر کی کاشت ہوتی تھی اور پھر بہت جلد گیانا کے ساحل سے وہ غلاموں کو بھی یہاں لانے لگے۔ پرتگال کے امرا کو جاگیرانہ حیثیت سے زمین عطا ہوتی تھی اور اصلی باشندگان ملک پر انھیں تقریباً اختیار مطلق حاصل ہوتا تھا۔ اہل اسپین بھی پرتگالیوں کی طرح اولوالعزم و دلیر تھے، انھوں نے اپنی توجہ شرق الہند کی طرف نہیں بلکہ غرب الہند اور وسطی و جنوبی امریکہ کی خاص سرزمین کی طرف منعطف کی۔ پوپ الگزنڈر ششم کے ایک فرمان (نافذہ سنہ ۱۴۹۳ء) نے بڑی شاندار فیاضی کے ساتھ تمام غیر مسیحی دنیا کو اسپین و پرتگال کے درمیان تقسیم کردیا۔ اسپین کو مغربی دنیا اور پرتگال کو مشرقی دنیا عطا کی گئی۔ ایک معاہدہ کے ذریعہ سے ان حصوں پر نظر ثانی ہوکر برازیل اور لابراڈو، پرتگال کو مل گئے اور باقی امریکہ، اسپین کے پاس رہا۔ اسپینیوں نے اس خیالی دعوے کو عملی لباس پہنانے کے لیے پرزور فتوحات کا سلسلہ جاری کردیا؛ سنہ ۱۵۱۰ء تک کیوبا، ہسپانیولا، پورٹوریکو، جمیکا، اور دوسرے جزائر بہت آسانی کے ساتھ اس کا شکار ہوگئے۔ میکسیکو کو کورتیز (سنہ ۱۵۱۹ء-سنہ ۱۵۲۱ء) نے فتح کیا، اور پیرو جفا کار فاتح فرانسیس پزارو کے قدموں سے پامال ہوا (سنہ ۱۵۲۵ء-سنہ ۱۵۳۵ء) اس کے بعد سے برازیل کے سوا تمام وسطی و جنوبی امریکہ اسپین کی قلمرو میں داخل ہوگیا۔

لیکن اسپین کے طریق نوآبادی نے[1] ابتدا ہی سے ایک غلط و خود غرضانہ وتیرہ اختیار کرلیا تھا۔ یہ تمام ماتحت ممالک صرف فاتحین کے نفع کا ذریعہ سمجھے جاتے تھے، حقیقی حکومت خود اختیاری یا آزادی تجارت سے کوئی بحث ہی نہ تھی۔ مابعد کی صدیوں میں، اسپین کے نظم ونسق کا جو طریقہ رہا ہے اسے زمانہ حال کے ایک مصنف[2] نے اس طرح بیان کیا ہے کہ ''نگرانی تجارت،

---

[1] تسرمان ''مستعمرات یورپ'' (Die Europ'' aischen Kolonien) جلد ۱ سنہ ۱۸۹۶ء

[2] پروفیسر بلیکمار، (متعلقہ دفتر اشاعت شمار و اعداد ممالک متحدہ) مستعمری نظم ونسق

سوداگری، زراعت، مالیات، اجرائے محصول، قیام مجالس بلدیہ، اصلی باشندگان ملک کا انتظام، اور انضباط مذہب کے تمام قوانین کا تصفیہ وطن مادری (اسپین) میں ہوتا تھا اور یہ قوانین اس توقع کے ساتھ نوآبادیوں میں بھیجے جاتے تھے کہ نوآبادیاں خود کو انھیں قوانین کے سانچہ میں ڈھال لیںگی۔ بادشاہ اور اس کے کارپردازوں کے احکام یہیں پر ختم نہیں ہو جاتے تھے بلکہ وطن کا دفتر نوآبادی مرکزی و مقامی حکومتوں کی نظم و ترتیب بھی کرتا تھا۔ عہدہ دار و حکمران سب اسپین کے باشندے ہوتے تھے جو اپنے دور دست ماتحت ملکوں پر حکومت کرنے کے لئے بھیجے جاتے تھے۔ امریکہ میں جب تک اسپین کا تسلط و غلبہ رہا ملک و مذہب کے تقریباً تمام اہم عہدوں پر اہل اسپین ہی کا تقرر ہوتا رہا۔ عدالتوں کے صدر و جج اسپین ہی سے آتے تھے، ۶۷۲ نائبان سلطنت، سپہ سالاروں اور والیان صوبجات میں سے صرف ۱۸ امریکی تھے۔ اور ۷۰۶، اساقفہ جو ان نوآبادیوں میں، حکومت کرتے تھے ان میں سے صرف ۱۰۵ اسقف باشندگان ملک سے تھے۔ عہدداروں کے تقرر کا یہ طریقہ اسپین کے تمام مستعمری مقبوضات میں موجودہ (انیسویں) صدی کے آخر تک قائم رہا۔ تجارت و صنعت و حرفت کے معاملات میں اسپینی نوآبادیاں بہت ہی سخت قواعد کے زیر اثر تھیں۔ وہ اسپین کے سوا کسی دوسرے ملک سے تجارت نہیں کر سکتی تھیں، اور یہ تجارت بھی صرف اسی تنظیم کے توسط سے ہو سکتی تھی جو Casa do Contratacion کے نام سے مشہور تھا، اور جسے تمام تجارت کا اجارہ حاصل تھا۔ صاف عیاں ہے کہ خود اس طریقے ہی میں، اس کی تباہی کا تخم مضمر تھا۔ انیسویں صدی کے اوائل میں اسپین کی نوآبادیوں کی بغاوت اور ان کا خود مختاری کا قائم کر لینا اسی بدباطن و کوتاہ نظر حکمت عملی کا طبعی نتیجہ تھا۔

۴۔ سترھویں اور اٹھارھویں صدی میں انگلستان

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:- (Colonial Administration) ۱۹۰۱ء۔

و فرانس کی مستعمری حکمت عملی:- انگلستان و فرانس اگرچہ بحری تحقیقات و انکشافات کے میدان میں آگے قدم بڑھا چکے تھے (کیبٹ ۱۴۹۷ء۔ کارٹی ایر ۱۵۳۴ء) مگر ان کی امریکی نو آبادیوں کے قیام کا تعلق سترھویں صدی سے ہے۔ شامپلین کے (۱۶۰۸ء میں) دریائے سنٹ لارنس کے کنارے مستقل مستقر قائم کرنے اور (۱۶۲۰ء میں) آباد زائرین کے ورود کے ساتھ نیو فرانس و نیو انگلینڈ کی بنا پڑی، ۱۶۰۶ء میں ورجینا کمپنی، کے عطائے منشور کے وقت سے جنوب کی زراعتی نو آبادیوں کا آغاز ہوا۔ بحر اوقیانوس پر انگریزی نو آبادیوں کے ترقی و سرسبزی حاصل کرنے کا باعث انگریزی حکومت کی سیاسی دوربینی سے زیادہ اس کی خوبی قسمت کی وجہ سے ہوا۔ مستعمرین کے مستبد اوصاف، جس میں مذہبی مفرورین، کے اعلیٰ مقصد اور اولوالعزم اشخاص کی شجاعت سے اور زور پیدا ہو گیا تھا، یہ امور ان کی کامیابی کے بہت بڑے معاون ثابت ہوئے۔ آباد کاروں کا حکومت خود اختیاری کا سیاسی حق حاصل کر لینا حکومت انگلستان کے ارادی فعل سے نہیں بلکہ اس کی غفلت سے ہوا۔ ۱۶۲۹ء میں خلیج میساچوسٹس کی کمپنی کو جو منشور عطا ہوا وہ ایک قسم کی تجارتی دستاویز تھی جو تجارتی کمپنی کے چلانے اور اس کے نظم و نسق کے درست رکھنے کے لیئے دیگئی تھی۔ وہ سیاسی نظام حکومت کی صورت میں اس وقت مبدل ہوئی جب خود کمپنی اور اس کے عہدہ دار سواحل امریکہ پر منتقل ہو آئے۔ سترھویں صدی میں عام انگریزوں نے اس مستعمری شہنشاہی کی عظمت و وقعت کا خواب بھی نہیں دیکھا تھا جو ان کی قسمت میں لکھی تھی۔ اس معاملہ میں ان کی حکمت عملی فرانس کی حکمت عملی سے بالکل ہی مغائر تھی۔ فرانیسی حکومت نے بہت پہلے ہی سے امریکہ میں نئی آبادی قائم کرنے کے وسائل و امکانات کو سمجھ لیا تھا۔ انھوں نے براعظم کے اندرونی حصص تک پہنچنے کے لیئے سنٹ لارنس اور مسیسپی دریاؤں کی قدر و قیمت کا اندازہ کر لیا تھا، اور ایک ایسی وسیع شہنشاہی کی بنا ڈال دی تھی جو انگریزوں کے کنار بحر اوقیانوس کے تنگ و محدود مقبوضہ کو ہر طرف سے گھیر لے۔ انگریزی حکومت نے سترھویں، صدی میں اپنے توابع کو اس قدر کم

مدد دی جو بمنزلۂ نہ دینے کے تھی، لیکن اہل فرانس اول ہی سے نیو فرانس کے معمور کرنے کے لیئے روپیہ اور جہاز سے تیار رہتے تھے، تاریخ کے ستم ظریفانہ کاموں میں سے ایک کام یہ بھی ہے کہ یہ وسیع شہنشاہی جسے فرانس نے اس طرح تعمیر کیا تھا جنگ کا پانسہ پلٹ جانے سے تاج برطانیہ کے ہاتھ میں چلی گئی، لیکن سترھویں صدی کے ختم ہونے سے قبل ہی امریکی نوآبادیاں اپنی آبادی کی ترقی اور اپنے وسائل کے نشوونما کے باعث ایک خاص اہمیت حاصل کرنے لگی تھیں۔ نوآبادی کی تجارت نے مادر وطن کے تاجروں کے لیئے حصول منفعت کا ایک نیا میدان کھول دیا تھا اور انگلستان و فرانس کی دیرینہ جنگ وجدل کے لیئے ایک اور ہڈی پھینک دی تھی۔ برطانوی حکومت اگرچہ اپنے ابتدائی آبادکاروں کی سیاسی حیثیت کے متعلق لاپروائی سے کام لیتی رہی مگر نوآبادیوں کی روزافزوں تجارت کے متعلق اس نے اسپین کی روش سے بہت کچھ ملتی جلتی روش اختیار کی، اور ایسا ہی فرانسیسیوں نے بھی کیا جن کی مستعمری تجاویز میں یقیناً یہ امر بھی شامل تھا کہ ان مقبوضات کی قدرتی دولت سے مادر وطن کو نفع پہنچایا جائے۔ بہرحال چارلس دوم ہی کے زمانہ میں قوانین[1] جہاز رانی کی رو سے نوآبادیونکی تجارت پر بندشیں عائد ہو گئی تھیں۔ ان میں سے (سنہ ۱۶۶۰ء کے) سب سے پہلے قانون کی رو سے غیر ملکی جہازات نوآبادیوں کے ساتھ تجارت کرنے سے ممنوع قرار دیدیئے گئے تھے۔ نوآبادی سے شکر، تمباکو، روئی، تیل، اور دوسری مصرحۂ قانون اشیاء صرف انگلستان یا کسی انگریزی مقبوضہ کو بھیجی جاسکتی تھیں۔ علاوہ ازیں غیر ملکی اشخاص کسی انگریزی نوآبادی میں تجارت کا

---

[1] قوانین جہاز رانی کے مطالب اور نوآبادیوں کے متعلق برطانیہ کی مستعمرہ حکمت عملی کے متعلق ایجرٹن کی نوآبادیوں کی برطانوی حکمت عملی کی مختصر تاریخ (Short History of British Colonial Policy) دیکھنا چاہیئے جو درحقیقت ایک بہت ہی قابل تعریف کتاب ہے۔

کام بھی نہیں کر سکتے تھے۔ ۱۶۶۳ء کے ایک نئے قانون نے اس تجارت سے ان تمام جہازوں کو بھی خارج کر دیا، جو غیر ممالک میں تیار ہوئے ہوں۔ ۱۶۶۴ء کے قانون کے بموجب یورپ کے تیار شدہ مال کے لئے یہ قید لگا دی کہ اگر وہ انگریزی جہازوں میں بھی بار کئے جائیں تو بھی نوآبادیوں کو روانہ کرنے کے قبل انھیں انگلستان میں اُتارنا چاہیئے۔ آخر میں ۱۶۷۲ء کے قانون نے یہ قرار دیا کہ ایک نوآبادی سے دوسری نوآبادی کو جو مال جائے اُس پر وہی محصول کرور گیری لگایا جائے جو انگلستان میں آنے کی صورت میں لگایا جاتا۔ جہاز رانی کے یہ وہ مشہور قوانین ہیں جن پر اٹھارھویں صدی میں انگریزوں کی حکمت عملی کی بنا قائم تھی۔ یہ ضرور تھا کہ جہاں وہ بالکل ناقابل برداشت ہو جاتے تھے وہاں مستعمرین کے ساتھ مراعات کر کے ان میں اعتدال پیدا کر دیا جاتا تھا چنانچہ پرتگال اور نیو انگلینڈ کے درمیان شراب اور مچھلی کی تجارت مستثنیٰ کر دی گئی تھی۔ دوسری طرف ان قوانین کو دوبارہ پر زور طور پر عمل میں لانے کے لئے اٹھارھویں صدی کے اوائل میں پھر متعدد قوانین نافذ کئے گئے۔ اس قسم کا تجارتی ضابطہ اگر زمانہ جدید کی کسی نوآبادی پر عائد کیا جائے تو وہ ایک بلائے بے درماں معلوم ہوگا، لیکن ان قوانین کی حمایت میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے برطانیہ اور نوآبادیوں کی جہاز رانی کی ترقی میں مدد دی اور اس طرح مادر وطن اور نوآبادی دونوں کی قومی محافظت کے لئے کار آمد ثابت ہوئے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ تجارت پر جو قیود عائد کئے گئے تھے وہ نوآبادیوں پر اس درجہ گراں نہیں تھے جیسا اب خیال کرنے سے معلوم ہوتے ہیں، قانون کے اثر سے بچ نکلنا عام بات تھی اور تجارت کا طبعی رخ بھی ہر طور پر جزائر برطانیہ ہی کی طرف تھا، لیکن اٹھارھویں صدی میں برطانیۂ عظمیٰ نے نوآبادیوں میں تیاری مال کے متعلق جو قوانین نافذ کئے انکی حمایت میں بہت ہی کم کچھ کہا جا سکتا ہے، ۱۷۱۹ء کے برطانوی دار العوام کی قرارداد کے الفاظ یہ تھے کہ ”مصنوعات اگر نوآبادیوں میں تیار کئے جائینگے

تو پھر نوآبادیوں کا انحصار برطانیۂ عظمیٰ پر کم ہو جائے گا۔" اس خیال کے بموجب اسی سال ایک قانون کی رو سے امریکی نوآبادیوں میں لوہے کی ہر قسم کی صنعت کی ممانعت کردی گئی، مگر خوش قسمتی سے اس قانون کے صرف ایک ہی جزو پر عمل کیا گیا، لیکن یہ سب کچھ کہنے کے بعد بھی تجارتی و حرفتی قواعد کے تمام مجموعۂ ضوابط کو اہل یورپ کی اس خلقی عادت کا نتیجہ سمجھنا چاہئے کہ وہ اپنی نوآبادیوں کو محض اپنی تجارت کا ایک ذریعہ سمجھتے ہیں اور بس۔ مسٹر لیکی کہتے ہیں کہ "انگریزوں کے تجارتی قوانین کی بالارادہ خودغرضی مادر وطن اور اس کی نوآبادیوں کے درمیان ایک خندق کھود رہی تھی جس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا تھا کہ جب مؤخر الذکر کو کافی قوت حاصل ہو جائے تو پھر دونوں میں انفراق ہو جائے[۱]۔

۵۔ انقلاب امریکی:۔ انگلستان اور اس کی امریکی نوآبادیوں میں جو تنازعہ برپا ہوا اور جس کا انجام نوآبادیوں کی آزادی پر ہوا وہ حکومت مستعمری کے ارتقا میں سب سے زیادہ اہم واقعہ ہے۔ اس نے ان کے نظم و نسق کی سب سے اولین شرط کو دنیا پر ظاہر کر دیا یعنے کوئی متمدن نوآبادی جس کے ذرائع وسیع اور جس کی آبادی ترقی پذیر ہو دائمی طور پر سیاسی تولیت کی حالت میں نہیں رکھی جا سکتی۔ اگرچہ فی الفور نہیں مگر آخر میں آکر اسی کی وجہ سے انگلستان کو مستعمری تفرد کی حکمت عملی اختیار کرنا پڑی۔ پہلے جو کام محض غفلت کی وجہ سے ہوا اس پر اب تجربہ نے مہر تصدیق لگادی۔ تاہم جیسا کہ ہر ایک تنازعہ میں ہوتا ہے اس میں بھی بالیقین مسئلہ تنازعہ کے دو پہلو تھے، ایک طرف ایک آزاد قوم کا سیاسی تحکم اور "محصول بلا نمایندگی" کے خلاف بہت بجا اعتراض تھا، ("محصول بلا نمایندگی" ایسا فقرہ ہے جس کا سننا تک اینگلو سیگسن لوگوں کے کانوں کو گوارا نہیں ہے) دوسری طرف

---

[۱] ڈبلیو۔ ای۔ ایچ۔ لیکی اٹھارھویں صدی کی تاریخ انگلستان (History of England in the Eightienth Centuy) جلد سوم باب دوازدہم۔

سلطنت کی حفاظت کی شدید ضرورتیں تھیں[1]۔ قومی مورخوں کی حب الوطنی نے مدت سے اس مسئلۂ متنازعہ کے ایک نہ ایک پہلو کو تاریکی میں ڈال رکھا ہے، اب ڈیڑھ صدی کے گزر جانے کے بعد یہ ہو سکا ہے کہ زیادہ صاف طور پر اس مسئلہ پر نظر ڈالی جا سکے۔ شہنشاہی محصول جس صورت میں عائد کیئے گئے تھے، اس سے اہل امریکہ کی مقاومت و مخالفت کے حق بجانب ہونے میں کسی طرح کا شک و شبہہ باقی نہیں رہتا ہے مگر اس کے ساتھ ہی نو آبادیوں نے شہنشاہی مالیات کے پریشاں کن مسئلہ کے متعلق جیسی خود غرضانہ سرد مہری و لاپروائی اختیار کی تھی وہ بھی بجائے خود ناروا تھی۔ بیدرد نکتہ چینوں نے اس کہنے میں بھی تامل نہیں کیا ہے کہ اہل امریکہ محصول نمایندگی“ سے متنفر و مخالف نہیں تھے بلکہ وہ سرے سے محصول ہی کے خلاف تھے، خواہ کسی صورت میں اور کسی کے اقتدار سے ہو۔ وطن و نو آبادی دونوں جگہوں میں غیر طاقتوں کے مقابلہ میں برطانوی رعایا کی حفاظت کا بہت سخت بار شہنشاہی خزانہ پر پڑ رہا تھا۔ فرانس کی مسلسل لڑائیوں نے جو امریکی آبادکاروں میں شاہ ولیم کی جنگ (؁۱۶۸۹ء - ؁۱۶۹۷ء) ملکۂ این کی جنگ (؁۱۷۰۲ء - ؁۱۷۱۳ء) شاہ جارج کی جنگ (؁۱۷۴۴ء - ؁۱۷۴۸ء) اور فرانسیسی جنگ (؁۱۷۵۶ء - ؁۱۷۶۳ء) کے ناموں سے مشہور تھیں، قومی قرضہ کو وحشتناک حد تک بڑھا دیا تھا۔ ؁۱۷۰۲ء میں اس کی مقدار سوا کرور پونڈ سے کچھ ہی اوپر تھی، مگر صلح پیرس (؁۱۷۶۳ء) کے وقت یہ رقم تیرہ کرور بیس لاکھ تک پہنچ گئی تھی۔ اس میں سے بہت بڑی مقدار امریکی مقبوضات کی محافظت میں صرف ہوئی تھی یہ صحیح ہے کہ نو آبادیوں نے اپنے

---

[1] اس مسئلۂ متنازعہ میں انگریزی جانب کی بحث لیکی کی تاریخ (اٹھارھویں صدی کی تاریخ انگلستان) (History of England in the Eightienth Century) جلد سوم باب دوازدہم اور ایجرٹن کی ”نو آبادیوں کے متعلق برطانوی حکمت عملی کی مختصر تاریخ“ (Short History of British Colonial Policy) باب دوم دیکھنا چاہیئے۔

طور پر غیر مساوی تناسب کے ساتھ امریکہ میں روپیہ اور آدمی سے برطانوی سپاہ کی مدد کی تھی چنانچہ نوآبادی ہی کی ایک مہم میں سنہ ۱۷۴۵ء میں لوئش برگ پر قبضہ ہو گیا اور جو رقم اس میں صرف ہوئی تھی اس کا کچھ حصہ برطانیۂ عظمیٰ کے پارلیمنٹی عطیہ سے واپس مل گیا مگر اس محافظت میں نوآبادیوں کی امداد بے ترتیب و غیر مساوی تھی۔ نوآبادیوں سے جب فوری خطرہ کا اثر دور ہو جاتا تھا تو وہ ہر قسم کی ذمہ داریوں سے پہلو تہی کرنے لگتی تھیں۔ شاہ جارج کی جنگ کے دوران میں نیویارک کی مجلس ملکی کسی طرح بھی ملتفت نہو ئی۔ پہلے تو اس نے محافظت کے لیئے ہاتھ پاؤں ہلانا ہی نہ چاہا، اس کے بعد لوئش برگ کی مہم کے لیئے ایک رقم تو دی مگر آدمی بھیجنے کے لیئے وہ اب بھی آمادہ نہو ئی۔ اس قسم کی سہل انگاری نیوجرزی کے خمیر ہی میں داخل ہو گئی تھی۔ چونکہ وہ ہر طرف دوسری نوآبادیوں سے گھری ہوی تھی، اس لیئے وہ سرحدی جنگ و جدل کی واقعی تباہیوں سے محفوظ تھی اور اس وجہ سے وہ عام محافظت میں معتدبہ مدد دینے کے لیئے کبھی بھی آمادہ نہیں ہوتی تھی۔ ملکۂ این کی جنگ میں یہاں کی مجلس ملکی نے فوجی جمعیت کی تیاری کو روکنے میں بیحد کوشش کی اور صرف ایوان کو بھر دینے سے ہی وہ مجبور ہو ئی۔ شاہ جارج کی جنگ میں امداد دی گئی مگر جنگ فرانس کی آخری عظیم الشان جد و جہد کے مواقع پر نیوجرزی کی خاموشی جرم کی حد تک پہنچ گئی[1]۔ یہ مثالیں شاذ و اتفاقیہ نہیں ہیں بلکہ مستعمری حکومتوں سے بالاتفاق کام لینے میں ہمیشہ یہی مشکلات درپیش رہتے تھے، مسٹر لیکی صورت حالات کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ "امریکی فوج کے قیام کے لیئے روپیہ وصول کرنے کی غرض سے کم از کم سترہ نوآبادیوں کی مجالس ملکی کی منظوری حاصل کرنے کی ضرورت ہوتی تھی۔ ان شرائط کے پورا کرنے کی کوشش جیسی مایوس کن ہے وہ ظاہر ہے۔ اگر ایک عظیم الشان جنگ کے مصائب و آلام کے وقت میں نوآبادیوں کو متفقاً کام کرنے پر مائل کرنا

---

[1] لاج "انگریزی مستعمرات امریکہ کی مختصر تاریخ" باب چہاردہم۔

ناممکن ہو، اگر جنوبی نوآبادیاں فرانس کے خلاف شمالی نوآبادیوں کی جدوجہد میں مدت تک مدد دینے سے اس وجہ سے انکار کرتی رہیں کہ وہ خود اس خطرہ سے بہت دور رہیں، اگر جنوبی کرولینا کو کسی نہ کسی طرح جنگ کے لئے کچھ سپاہ مہیا کرنے پر آمادہ کیا جائے تو وہ اس میں یہ شرط لگا دے کہ اس سپاہ سے خود اس ریاست کے اندر کام لیا جائے گا، اگر انڈین قوم ورجینیا و پنسلوینیا میں تباہی برپا کر رہی ہو، اور نیو انگلینڈ خاموش دیکھتا رہے یا برائے نام کچھ مدد کر دے تو پھر اس امر کی کیا توقع ہو سکتی ہے کہ یہ نوآبادیاں امن کے زمانہ میں ایک انگریزی فوج کے قیام کے لئے باتفاق یکدگر خود اپنے اوپر یکساں و متناسب محصول عائد کریں گی؟" پس اس طرح جس مالی دشواری سے دوچار ہونا پڑا تھا وہ ایک حقیقی دشواری تھی، البتہ تاج برطانیہ کی غلط روش سے اس میں بہت کچھ اضافہ ہو گیا، مادر وطن اور نوآبادیاں اب ایک ناقابل اتصال حد پر پہنچ گئی تھیں۔ موجودہ بنیاد پر اب مزید تعلقات کا قائم رہنا ممکن نہیں تھا، اس کا ایک ہی حل ہو سکتا تھا کہ شہنشاہی کے ممالک مختلفہ کے تعلقات باہمی پر سب مل کر مشترکہ نظر ثانی کریں لیکن انگریزی نظم و نسق کی کاہلانہ حماقت اور نوآبادیوں کی ارادی خودغرضی اور باہمی رقابت نے اسے ناممکن بنا دیا تھا[1]۔ اس طرح جو حالت پیدا ہو گئی تھی تاریخی اعتبار سے اس کی اہمیت کا کماحقہ سمجھنا نہایت ضرور ہے کیونکہ برطانیہ اور اس کی نوآبادیوں کے باہمی مالی تعلقات کا مسئلہ اس صدی میں پھر پیدا ہو گیا ہے، اور اس وقت تک اس مسئلہ کا کوئی قطعی حل نہیں مہیا ہوا ہے۔

---

[1] ۱۷۵۴ء کی آلبنی والی کانگریس کی تجویز کا مسترد ہونا، جسے مادر وطن اور نوآبادیاں دونوں نے نامنظور کر دیا تھا، نوآبادیوں کے متعدد دور اندیش گورنروں (والیوں) کا اتحاد و مشترکہ محصول کی ضرورت کو تسلیم کرنا، گورنر (والی) پاؤنال کا ایک مجوزہ شہنشاہی محصول کر درگیری کی تجویز پیش کرنا، یہ سب اس زمانہ کے آثار میں شمار ہو سکتے ہیں۔

۶- انیسویں صدی میں برطانیہ کی مستعمری حکمت عملی میں تغیر حکومت خود اختیاری کا قیام :- اوپر جو کچھ کہا گیا ہے اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ انقلاب امریکی کے بعد نوآبادیوں میں حکومت خود اختیاری کا طریقہ فوراً ہی جاری ہو گیا تھا، بلکہ بر وقت یہ معاملہ کسی قدر برعکس ہو گیا تھا۔ بادشاہ اور اس کے وزرا نے اپنے مستعمری طریقوں کی بربادی کو اسی آزادی سے منسوب کیا جو نوآبادیوں کی مجالس ملکی کو حاصل تھی اور اس لیئے وہ توابع پر اپنی گرفت کو اور سخت کرنے کی طرف مائل ہو گئے۔ سنہ ۱۷۷۴ء کے قانون کیوبک کے بموجب کناڈا میں بغیر انتخابی مجلس کے شاہی حکومت قائم کی گئی اور صرف تاج کی نامزد کردہ ایک کونسل مقرر ہوئی۔ یہاں تک کہ پٹ کے سنہ ۱۷۹۱ء والے قانون نظام حکومت میں اہل کناڈا کو جس حد تک آزادی عطا کی گئی تھی اور جس سے وفاداروں کی خیر سگالی کا عوض کرنا مقصود تھا، وہ صرف اتنی تھی کہ دونوں صوبوں میں ایوان ادنیٰ کے ارکان کے انتخاب کا حق اہل کناڈا کو عطا کیا گیا تھا۔ گورنر (والی) اکزیکٹیو کونسل (مجلس عاملہ) اور مجلس وضع قوانین (یعنے ایوان اعلیٰ) سب کے سب بدستور بادشاہ کے مقرر کردہ ہوتے تھے۔ یہی حال شمال امریکہ کی نوآبادیوں کا بھی تھا (نوا اسکوشیا، باربیڈوس، جمیکا، برمیوڈا وغیرہ) جن نوآبادیوں کو پہلے سے کسی قدر حکومت خود اختیاری حاصل تھی، ان کو اس حق سے محروم نہیں کیا گیا تھا مگر (ٹرینیڈاڈ وغیرہ کی) جدید حاصل شدہ نوآبادیاں حکومت شاہی کے تابع رکھی گئی تھیں۔ کیپ کالونی (نوآبادی راس امید) جو سنہ ۱۸۱۵ء میں قطعی طور پر تاج انگلستان کے حوالہ کر دی گئی تھی، وہ سنہ ۱۸۳۵ء تک فوجی حکومت کے تحت میں رکھی گئی۔ اس کے بعد بھی جو ملکی حکومت قائم کی گئی وہ بھی نامزد کردہ تھی، انتخابی نہیں تھی۔ کسی تعزیری نوآبادی میں تو حکومت خود اختیاری کا کوئی سوال ہی نہیں تھا، اس لیئے آسٹریلیا ایک مدت دراز تک تاج کے تابع رہی، مگر باایں ہمہ انقلاب امریکی نے جو سبق دیدیا تھا وہ بے اثر نہیں رہا۔ جدید نوآبادیاں جب آبادی و اہلیت میں ترقی کرنے لگیں تو

اس رائے کو قوت حاصل ہوتی گئی کہ انصاف و مصلحت دونوں کا اقتضا یہ ہے کہ وہ اپنے معاملات کا خود انصرام و انتظام کریں۔ تجارتی اصول سے بھی نوآبادیوں کی آزادی کو ان کی غلامی سے زیادہ نفع بخش خیال کیا گیا، علمائے اقتصادیات کے عقائد مسلمہ کی وجہ سے (جو اواسط انیسویں صدی میں حکومت انگریزی کے سرکاری عقائد بن گئے تھے) اولاً (سنہ ۱۸۴۶ء میں) آزاد تجارت کا رواج ہوا اور بعد ازاں قوانین جہازرانی کا جو کچھ اثر باقی رہ گیا تھا وہ بھی (سنہ ۱۸۴۹ء میں) برطرف کر دیا گیا۔ اس کے قبل ہی (سنہ ۱۸۳۷ء میں) کناڈا کی شدید بغاوت اور لارڈ ڈرہم کی رپورٹ نے، جس میں بہت زور کے ساتھ ذمہ دار حکومت کے قائم کرنے کی سفارش کی گئی تھی، موجودہ طریق کے خطرات کی طرف عام توجہ منعطف کر دی تھی۔ سنہ ۱۸۴۰ء کے قانون اتحاد نے (جس کے بموجب بالائی و نشیبی کناڈا باہم ملا کر ایک کر دیئے گئے تھے) پارلیمنٹی حکومت خود اختیاری کے اصول کو رائج کیا[1]۔ دوسرے دس برس کے ختم ہونے کے اندر ہی اندر یہی حق آزادی، برطانوی شمال امریکہ کے دوسرے صوبوں تک بھی وسیع کر دیا گیا، (چنانچہ نوا اسکوشیا اور نیو برنسوک کو سنہ ۱۸۴۸ء میں اور جزیرۂ پرنس اڈورڈ کو سنہ ۱۸۵۱ء میں اور نیو فاؤنڈ لینڈ کو سنہ ۱۸۵۵ء یہ حقوق عطا کیے گئے) علاوہ ان کے دوسری نوآبادیاں جو اس قابل تھیں وہ بھی اس حق سے محروم نہ رہیں[2]۔

---

[1] ج۔ ال۔ مارلین "تفوق برطانوی اور کناڈا کی حکومت خود اختیاری" (British Supremacy and Canadian Self Government)

[2] سنہ ۱۸۵۶ء کی تشریح کے موافق نیوزیلینڈ کو حکومت خود اختیاری کا حق سنہ ۱۸۵۲ء کے قانون کے بموجب مل گیا تھا۔ نیو ساؤتھ ویلز اور وکٹوریا کو سنہ ۱۸۵۵ء میں، آسٹریلیا اور ٹسمانیہ کو سنہ ۱۸۵۶ء میں، کیپ کالونی (نوآبادی راس امید) کو سنہ ۱۸۷۲ء میں اور مغربی آسٹریلیا کو سنہ ۱۸۹۰ء میں یہ حقوق عطا ہو گئے۔

حکومت خود اختیاری کے عطا کرنے کے وقت اور اس کے عین بعد کے کچھ زمانہ تک نو آبادیوں کے متعلق انگلستان میں جو روش اختیار کی گئی اس کو نظر غائر سے دیکھنا دلچسپی و استفادہ سے خالی نہیں ہے۔ سب سے اول یہ کہ زمانۂ موجودہ کی مستعمری حکمت عملی کے بارے میں دو اہم مسئلے جو بہت ہی دلچسپ ہیں، یعنے مادر وطن سے نو آبادیوں کے درآمد و برآمد کے تعلقات اور شہنشاہی مدافعت کا مسئلہ یہ دونوں بالکل ہی نظر انداز کردیئے گئے تھے؛ اس زمانہ میں جو خیالات رائج تھے ان کے لحاظ سے محصول درآمد و برآمد کے مسئلہ کا نظر انداز ہوجانا ایک بالکل ہی متوقع امر تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ رفتار زمانہ نے اس مسئلہ کو خود طے کردیا ہے اور انیسویں صدی کے اوسط میں آزاد تجارت کے خوش فکر حامی یہ سمجھتے تھے کہ محصول درآمد و برآمد کی دیواریں بہت جلد دنیا سے ناپید ہوجانے والی ہیں۔ اس لیئے یہ امر سرے سے غیر ضروری معلوم ہوتا تھا کہ آزاد تجارت کی نسبت یا سلطنت متحدہ اور اس کے توابع کے درمیان کسی طرح کے اتحاد محصول کروڑگیری کے متعلق کوئی شرط قائم کیجائے۔ دوسرا مسئلہ شہنشاہی مدافعت کا بھی نظر سے رہگیا، شاید اس کی وجہ خود اس کے حل کرنے کی مشکلات ہوں یا شاید یہ سبب ہو کہ دور امن کی نسبت بہت قوی امیدیں قائم ہوگئی تھیں لیکن جو روش اختیار کی گئی تھی اسے ہر جگہ پسند نہیں کیا گیا۔ اس سے جو مشکلات پیدا ہونے والی تھیں ڈزریلی نے انھیں اپنی مخصوص دوربینی سے پہلے ہی سمجھ لیا تھا، چنانچہ ۱۸۷۲ء میں اپنی ایک تقریر کے دوران میں اس نے اس غلطی کا صاف اعلان کردیا اور کہا "حکومت خود اختیاری شہنشاہی استحکام کی وسیع حکمت عملی کے جزو کے طور پر عطا ہونا چاہیئے تھی، یعنی اس کے ساتھ شہنشاہی محصول درآمد و برآمد کا اصول اور ایک فوجی ضابطہ بھی شامل کیا جانا چاہیئے تھا جس میں قطعی طور پر وہ ذرائع اور ذمہ داریاں درج کیجاتیں جن کے بموجب نو آبادیوں کی مدافعت کیجاتی اور اگر ضرورت ہوتی تو یہ ملک خود نو آبادیوں سے امداد طلب کرسکتا۔"

مگر انگریزوں کی قوم کا نوآبادیوں کی حکومت کو برضا و رغبت خود آبادکاروں کے ہاتھ میں چھوڑ دینے کا اصلی راز یہ ہے کہ برطانوی نوآبادیونکی "کھلی قسمت" کی نسبت جو نیا خیال پیدا ہو چلا تھا اسے وہ محسوس کرنے لگے تھے[1] ممالک متحدۂ امریکہ کے عروج و ترقی نے یہ بتا دیا ہے کہ وہ تمام بڑے بڑے توابع جو روشن خیال و ترقی پذیر باشندوں سے معمور ہیں ان کا آئندہ حشر کیا ہوتا ہے۔ حصول آزادی صرف وقت کا سوال رہگیا تھا اور ملک مادری کا فرض تھا کہ وہ ذمہ دار حکومت کے طور و طریق کے متعلق نوآبادیوں کو صحیح سیاسی تعلیم دے اور جب وقت مقررہ آجائے تو امن و آشتی کے ساتھ ان کو علیحدہ ہو جانے دے۔ منچسٹری فرقہ کے اقتصادی جو انگلستان کے اقتدار ملکی کے علاوہ کسی امر کا لحاظ کرنا نہ جانتے تھے، وہ بری و بحری افواج کے اخراجات خطیر کے خلاف تھے۔ ان کی ہمدردی تمام دنیا کے ساتھ تھی اور وہ واقعی طور پر یہ یقین کرتے تھے کہ تمام دنیا ایک اتحاد تجارتی کے اندر آجائے گی، انھوں نے اس معاملہ میں بہت زور کے ساتھ عوام کے خیالات کو مشتعل کر دیا تھا۔ اُس زمانہ میں جو خیالات شائع تھے ان پر اب اس زمانہ میں نظر ڈالنے سے بڑی حیرت ہوتی ہے۔ سر ایف راجرس (لارڈ بلیشفرڈ) نے جو گیارہ برس (سنہ ۱۸۶۰ء - سنہ ۱۸۷۱ء تک نوآبادیوں کے مستقل نائب وزیر رہے تھے کچھ دنوں بعد (سنہ ۱۸۸۵ء میں) اپنے اس وقت کے خیالات ان الفاظ میں ظاہر کیئے ہیں۔ "میں ہمیشہ یہ یقین کرتا رہا ہوں کہ ہماری نوآبادیوں کی قسمت میں آزادی لکھی ہوئی ہے اور یہ یقین اس درجہ مستحکم و راسخ ہو گیا تھا کہ مجھے یہ ممکن ہی نہیں معلوم ہوتا تھا کہ کوئی شخص سنجیدگی کے ساتھ اس کے خلاف رائے قائم کر سکتا ہے۔ پس اس خیال مذکورۂ بالا کی موجودگی میں، وزارت نوآبادی کا فرض یہی ہے کہ وہ ایسی طمانیت حاصل کرنے کی کوشش کرے کہ جب تک ہمارے تعلقات

---

[1] اس بحث کے دلچسپ تفصیلات کے لیئے بی ہالینڈ کی تصنیف "اقتدار اعلیٰ و آزادی" (Imperiumet Libertas) دیکھنا چاہیئے۔

قائم رہیں وہ دونوں فریق کے لئے سود مند ثابت ہوں اور جب علیٰحدگی کا وقت آئے تو جہاں تک ممکن ہو یہ علیٰحدگی صلح و آشتی کے ساتھ ہو"۔ اس قسم کے خیالات مستعمری تاریخ کے، سنہ ۱۸۴۰ء و سنہ ۱۸۸۰ء کے درمیانی دور میں بہت ہی عام تھے۔ پین نے اپنی تصنیف "تاریخ نو آبادیات یورپ (Payne : History of European Colonies) سنہ ۱۸۷۷ء میں جو انگریزی مدارس کی تعلیمی ضروریات کے لئے تیار کی گئی تھی، لکھا ہے کہ "کناڈا اور وکٹوریا کے تعلقات انگلستان سے اس قدر خفیف ہیں کہ ان کا منقطع ہو جانا کچھ بھی باعث اندیشہ نہ ہونا چاہیئے، اور جب یہ انقطاع واقع ہوگا اس کا کچھ احساس بھی نہ ہوگا"۔ درحقیقت اس قسم کے خیالات اور ان جذبات میں جو اب مادر وطن اور اس کے توابع کے تعلقات کی بابت برطانیۂ عظمیٰ اور نو آبادیوں میں موجزن ہیں ایک فرق عظیم نظر آتا ہے، مگر اس نئے اصول شہنشاہیت اور اس کے سیاسی نتائج پر بحث کرنے کے قبل یہ بہت ہی مناسب ہوگا کہ حکومت کے ان مختلف طریقوں پر مختصراً نظر ڈال لی جائے جو اس وقت سلطنت متحدہ کے مستعمری مقبوضات میں رائج ہیں۔

۷۔ مستعمری نظم و نسق کے متعلق برطانیہ کا موجودہ طور و طریق:-

پہلے ہمیں ان عام اصول پر غور کرنا چاہیئے جو برطانیہ کے مستعمری مقبوضات کے انتظام میں اختیار کیئے گئے ہیں۔ بعض اشخاص ضرور اس کے منکر ہوں گے کہ اس معاملہ میں کسی عام اصول سے کام لیا جا رہا ہے کیونکہ یہ امر فی نفسہ برطانوی ادارات کے منافی ہے کہ کس رسمی اور پہلے سے مقرر کیئے ہوئے طریقہ پر کام کیا جائے بلکہ جو طریقہ بھی اختیار کیا جاتا ہے وہ وہی ہوتا ہے جس پر عادتاً کام چلنے لگتے ہیں اور اس کی بنا نظم و نسق کے کسی عملی و مکمل طور و طریق کے بجائے زیادہ تر تجربہ پر مبنی ہوتی ہے۔ برطانوی نظم (اگر اس لفظ کا استعمال کرنا جائز ہو) میں حکومت خود اختیاری کا کوئی حتمی و قطعی حق تسلیم نہیں کیا جاتا۔ بالفاظ لارڈ گرے[1]

---

[1] لارڈ گرے، مستعمری حکمت عملی۔ (Colonial Policy) سنہ ۱۸۵۳ء۔

اس کے پیش نظر یہ ہوتا ہے کہ ''جب باشندگان ملک میں اس قدر تہذیب و تمدن آجائے کہ وہ مفید طور پر خود اپنے اوپر حکومت کرسکیں تو انھیں حکومت خود اختیاری کا حق دیدینا چاہیئے'' اور جہاں یہ صورت نہو اور جن نوآبادیات اور توابع کے باشندے اس درجہ جاہل و غیر متمدن ہوں کہ وہ خود اپنا انتظام کرنے کی قابلیت نہ رکھتے ہوں وہاں ایک منصفانہ و بے لوث نظم ونسق کا انتظام کردیا جائے'' اس لیئے یہی مسلم ہے کہ جس نوآبادی میں جو صورت حکومت کی اختیار کیجائے وہ وہاں کے خاص حالات موجود الوقت کے موافق ہونا چاہیئے۔ آبادی کی قومیت، عادت و خصائل و شمائل، ان کی تعداد، ان کے مدارج تہذیب، ملک کی وسعت اور (جزائر وغیرہ کے ایسے مقام میں) شہنشاہی مدافعت کے لیئے اس جگہ کی فوجی اہمیت کے امکان کے موافق اس میں فرق ہونا چاہیئے۔ ان شرائط و قیود کے ساتھ یہ اصول جاری ہے کہ جس نوآبادی میں سفید رنگ متمدن باشندوں کی کثرت غالب ہو وہاں کامل تفردی حکومت عطا کردینا چاہیئے، اور دوسری نوآبادیات کو اس حد تک حکومت خود اختیاری دینا چاہیئے، جس حد تک حالات و وقت کا صحیح صحیح اقتضا ہو۔ آیندہ کی حکومت خود اختیاری کے لیئے سیاسی تعلیم کا اصول بھی تسلیم کیا جاتا ہے (جیسا کہ ہندوستان میں منتخبہ بلدی مجالس کی صورت میں نظر آتا ہے) تاہم ہر نوآبادی میں تاج کے لیئے نگرانی کے کچھ اختیار محفوظ رہتے ہیں۔ نوآبادی کا گورنر (والی) یعنی اس کی حکومت عاملہ کا سرگروہ جو کہیں محض برائے نام ہوتا ہے اور کہیں واقعی کام کرتا ہے، بادشاہی کی طرف سے نامزد ہوتا ہے۔ نوآبادیوں کے وضع کیئے ہوئے ہر ایک قانون کے نامنظور کردینے کا حق بادشاہ کے لیئے محفوظ رہتا ہے نوآبادیوں کے مقدمات کے لیئے آخری عدالت مرافعہ پریوی کونسل کی عدالتی مجلس ہوتی ہے۔

اگرچہ سب کی بنا اس عام اصول پر ہے مگر پھر بھی برطانوی نوآبادیوں کی مختلف حکومتوں کی ہیئت سیاسیہ میں بہت ہی وسیع تفاوت پایا جاتا ہے۔ اس کے لیئے درجہ بندیاں تجویز کی گئی ہیں جن میں سے سب سے زیادہ قابل اطمینان

صورت یہ ہے کہ تمام نوآبادیوں کو اولاً تین بڑے درجوں میں تقسیم کیا جائے یعنی شاہی نوآبادیاں، نیابتی نوآبادیاں، ذمہ دار نوآبادیاں، شاہی نوآبادیاں وہ ہیں جن میں کسی قسم کی حکومت خود اختیاری نہیں ہے، نیابتی نوآبادیاں وہ ہیں جن میں ضروری طور پر حکومت خود اختیاری موجود ہے۔ ذمہ دار نوآبادیاں وہ ہیں جن میں کامل حکومت خود اختیاری رائج ہے۔ یہ تینوں تقسیمیں صرف کسی خاص وقت ہی میں توابع کی درجہ بندیوں کے ظاہر کرنے کا کام نہیں دیتیں بلکہ ان سے ان مختلف مدارج کے اظہار کا بھی کام لیا جاسکتا ہے جو ہر ایک برطانوی نوآبادی اپنی رفتار ترقی میں لامحالہ طے کرتی ہے جیساکہ اوپر ذکر ہوچکا ہے۔ فتح ہونے کے وقت سے سنہ ۱۷۹۱ء تک کناڈا کی حیثیت شاہی نوآبادی کی تھی، پھر سنہ ۱۸۴۱ء کے قانون کی منظوری تک نیابتی نوآبادی کی صورت رہی، اس کے بعد ذمہ دار نوآبادی بننے کی نوبت آئی ان قسموں میں پہلی قسم یعنے شاہی نوآبادی میں وہ تمام علاقے شامل ہیں جن کے حکمراں عہدہ دار بادشاہ کی طرف سے نامزد ہوتے ہیں (اسی میں مختلف ممالک محمیہ کو بھی شامل کرنا چاہیئے) اس فہرست میں (نوآبادی آبنائے) اسٹریٹ سٹلمنٹ، ہانگ کانگ، فجی، ٹرنیڈاڈ، سیرالیونے ہونڈیوراس، جبرالٹر، سینٹ ہلینا، اور بہت سے دوسرے مقامات داخل ہیں، لیکن اس زمرہ میں حکومت انگلستان کی تبعیت کے مختلف درجے ہیں جو مقامات (جبرالٹر، سینٹ ہلینا وغیرہ کے مانند) فوجی یا بحری طور پر زیادہ اہم ہیں اور وہ توابع جن میں سفید رنگ آبادی بہت کم ہے، وہاں کامل اقتدار شاہی کا عملدر آمد ہے۔ نامزد شدہ عہدہ دار براہ راست حکومت انگلستان کی طرف سے مقرر ہوکر نوآبادی کو بھیجے جاتے ہیں۔ جبرالٹر میں تمام عاملانہ تشریعی اختیارات سپہدار اعظم کے ہاتھ میں ہوتے ہیں، جو گورنر (والی) بھی ہوتا ہے۔ دوسرے مقبوضات جو ستعمری ارتقا کے اور زیادہ بلند درجے طے کر گئے ہیں اور جن میں سفید رنگ باشندوں یا کم از کم ملکی تعلیم یافتوں کا معقول عنصر موجود ہے، وہاں تاج کا براہ راست تسلط کسی قدر کم ہے، مثلاً (سنہ ۱۹۲۰ء میں) برطانوی ہونڈیوراس میں انتظم و نسق ملک

ایک گورنر (والی) اور چھ ارکان کی ایک نامزد شدہ جماعت عاملہ اور ایک مجلس واضع قوانین کے ذریعہ سے انجام پاتا تھا مجلس واضع قوانین میں پانچ ارکان باعتبار عہدے کے اور سات غیر سرکاری ہوتے ہیں۔ ہانگ کانگ کی حکومت اس سے بھی زیادہ نیابتی درجہ پر پہنچی ہوئی ہے۔ گورنر (والی) کی مجلس عاملانہ میں آٹھ ارکان ہوتے ہیں، جن میں سے چھ ارکان معتمد، کماندار خزانچی، مختار عام، معتمد امور چینی، اور ناظم تعمیرات عامہ) باعتبار اپنے عہدے کے ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک مجلس وضع قوانین ہے جس میں مذکورۂ بالا چھ عہدہ دار، سپرنٹنڈنٹ پولس اور چھ غیر سرکاری ارکان ہوتے ہیں۔ ان میں سے چار تاج کی طرف سے نامزد ہوتے ہیں (جن میں دو چینی ہوتے ہیں) ایک ایوان تجارت کی طرف سے اور ایک مقامی ناظمان امن کی طرف سے نامزد ہوتا ہے۔ خیال کرنا چاہیئے کہ اس قسم کی جماعت، عام انتخاب کے اصول سے کچھ ہی اوتر کر ہے۔ جو تفصیلات یہاں دیئے گئے ہیں وہ بجائے خود کچھ اہمیت نہیں رکھتے مگر ان سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ برطانوی حکومت مستعمری میں کس قدر غور و فکر سے درجہ بندی کی گئی ہے۔

نیابتی نوآبادیاں وہ ہیں جن کی حکومت میں انتخاب کا اصول داخل کر دیا گیا ہے، اگرچہ یہ اصول زیادہ حاوی نہیں ہونے پایا ہے، اس زمرہ میں، سیلون، جمیکا، ماریشس، جزائر بھاما، بار بیڈوز، برطانوی گیانا، جزائر برموڈا وغیرہ داخل ہیں۔ یہاں اس تبعیت کے باہمی تعلق میں دو درجہ ممیز نظر آتے ہیں، ایک ماریشس، جمیکا، وغیرہ کی سی نوآبادیاں ہیں جہاں مجلس مقننہ صرف ایک ہی جماعت پر مشتمل ہوتی ہے، جس کے ارکان کا ایک حصہ نامزدگی سے مقرر ہوتا ہے اور باقی منتخب شدہ ہوتا ہے، دوسرے بار بیڈوز وغیرہ ہیں جہاں جماعت وضع قوانین کے دو ایوان ہوتے ہیں، جن میں سے ایک ایوان کے کل کے کل ارکان اہل ملک کی طرف سے منتخب ہوتے ہیں، لیکن ان تمام نیابتی طریقوں میں عاملانہ عہدہ دار نامزدگی ہی سے مقرر ہوتے ہیں، حکومت کا پارلیمنٹی طریق رائج نہیں ہے۔ ماریشس کی مجلس وضع قوانین

(''مجلس حکومت'') جس میں گورنر (والی) آٹھ عہدہ دار اور نو ارکان گورنر کے نامزد کردہ اور دس منتخب شدہ شامل ہیں، قسم اول کا مکمل نمونہ ہے۔ باربیڈوز ثانی الذکر اور زیادہ ترقی یافتہ قسم کی مثال پیش کرتا ہے۔ اس میں دو ایوانی مجلس وضع قوانین ہے، ایوان اعلیٰ (مجلس وضع قوانین) میں نو ارکان ہوتے ہیں جو تاج کی طرف سے نامزد ہوتے ہیں اور ایوان ادنیٰ (ایوان جمعیت) میں چوبیس ارکان ہوتے ہیں جو قوم کی طرف سے سال بسال منتخب ہوتے ہیں۔

نو آبادیوں کی حکومت کی انتہائی بلندی پر وہ نو آبادیاں ہیں جن میں حقیقۃً ذمہ دار خود اختیاری حکومت رائج ہے اور جن کی حکومتیں خود سلطنت متحدہ کے نمونہ پر قائم کی گئی ہیں۔ اس میں کناڈا، نیوفاؤنڈلینڈ آسٹریلیا (جو اب ایک متفقیت بن گئی ہے) نیوزیلینڈ، اور متحدۂ جنوبی افریقہ، شامل ہیں، آخر الذکر حکومت سنہ ۱۹۰۹ء کے قانون جنوبی افریقہ کے بموجب قائم کی گئی تھی اور اس میں صوبجات راس امید، نیٹال، ٹرانسوال، اور آرنج فری اسٹیٹ[1] داخل ہیں۔ جو اجتماع اس طرح بن گیا ہے وہ متفقیت نہیں ہے بلکہ اس کی ہیئت ایک وحدانی سلطنت کی ہے، ذمہ دار نو آبادیاں حقیقت میں آزاد ہیں۔ ان کی حکومتیں جیسا کہ ابھی ابھی کناڈا و آسٹریلیا کے حالات میں معلوم ہو چکا ہے، برطانوی پارلیمنٹ کے قوانین کی رو سے قائم ہوئی ہیں جو بمنزلۂ تحریری نظام حکومت کے ہیں۔ حکومت انگلستان، خود اختیاری نو آبادیوں کے اندرونی معاملات میں ہر قسم کی دخل دہی سے دست بردار ہو گئی ہے سوائے اس کے کہ گورنر جنرل (یا گورنر) کا تقرر اور نو آبادیوں کے قوانین کے نامنظور کرنے کا حق اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اور پریوی کونسل کی عدالتی کمیٹی بطور آخری عدالت مرافعہ کے بحال خود قائم ہے، لیکن یہ اچھی طرح پر سمجھ لینا چاہئے کہ

---

[1] یہ ملحوظ رہے کہ جنگ جنوبی افریقہ سے پہلے چھیالیس برس تک سابق خود مختار جمہوریت کا نام آرنج فری اسٹیٹ جنگ کے بعد اس نام کو ''آرنج ریور کالونی'' کے نام سے بدل دیا گیا، لیکن اب پھر وہی سابق نام بحال کر دیا گیا ہے۔

شہنشاہی حکومت کا اس طرح از خود بیدخل ہو جانا قانوناً صرف اسی وقت تک نافذ العمل ہے جب تک کہ پارلیمنٹ ایسا کرنا چاہے، درحقیقت کناڈا کے معاملہ میں یہ دعویٰ پیش ہو چکا ہے کہ قلمروئے کناڈا کی پارلیمنٹ کو ان تمام معاملات کے متعلق جو قانون برطانوی شمال امریکہ میں بالتصریح درج کیے گئے ہیں، "وضع قوانین کے اختیار کلی" کا عطا کیا جانا خود شہنشاہی پارلیمنٹ کے اختیار کو بھی ساقط کر دیتا ہے لیکن اس قسم کی بحث برطانوی نظام سلطنت کی بنیاد ہی کے مخالف ہے اور ایک لمحہ کے لیئے بھی اسے قبول نہیں کیا جا سکتا مگر اس کے ساتھ ہی جس وقت اور جس زمانہ تک پارلیمنٹ کا قانون اسے جائز رکھتا ہے نہ تو بادشاہ کو اور نہ انگلستان کے کسی اور صاحب اقتدار کو نوآبادیوں کے اوپر اس سے زیادہ اختیار حاصل ہے جو ان کے نظام ترکیبی کے قوانین میں محفوظ رکھے گئے ہیں۔

پس اس طرح نوآبادیوں کو خود اپنے اندرونی معاملات کا انتظام کرنے کے لیئے بالکل آزاد چھوڑ دیا گیا ہے، انہیں خود اپنے لیئے محصول درآمد برآمد کے قرار دینے کا بھی نہایت ہی اہم حق شامل ہے۔ تمام متفرد الحکومت نوآبادیوں نے اس حق سے فائدہ اٹھایا ہے اور مادر وطن کی تجارت کے مقابلہ میں محافظی محصول قائم کر دیئے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ ان ممالک میں برطانیہ عظمیٰ کے لیئے ایک ترجیحی شرح محصول قائم ہو گئی ہے (جس کا آغاز سنہ ۱۸۹۷ء میں کناڈا کے شرح محصول درآمد و برآمد سے ہوا) مگر مدت تک یہ حال تھا کہ محصول کے لحاظ سے برطانوی مال کی وہی حیثیت تھی جو اور غیر ممالک کے مال کی تھی۔ نوآبادیوں کو غیر سلطنتوں سے معاہدات کرنے کا حق حاصل نہیں ہے مگر برطانیۂ عظمیٰ کا یہ دستور رہا ہے کہ جن معاہدوں کا اس کی بڑی بڑی نوآبادیوں پر براہ راست اثر پڑتا ہو ان کے متعلق وہ بخوشی تمام وہاں کے باشندوں کی خواہشات کو بھی سن لیا کرتی ہے۔ حکومت کناڈا کے معاملات کے متعلق سب سے سربرآوردہ و قابل استناد شخص سرجان بورنیو نے لکھا ہے کہ "انگلستان"، اور کناڈا"، کے تعلقات جس حکمت عملی کے تابع

ہیں اس میں باخود یہ سمجھ لیا گیا ہے بلکہ یہ امر اصول مسلمہ کی حد کو پہنچ گیا ہے کہ جن معاہدات کا براہ راست اثر کناڈا پر پڑتا ہو ان کے طے کرنے کے لیئے ملکہ کناڈا کے نمائندوں کو منتخب کر کے انھیں تمام ضروری اختیارات عطا کریگی اور اس قسم کے تمام معاہدوں کی کناڈا کی پارلیمنٹ میں بھی لازماً تصدیق ہوگی"۔ ذمہ دار نو آبادیوں میں جو صورت حکومت کی رائج ہے وہ عملاً وہی ہے جو انگلستان میں ہے، بجز اس کے کہ حکومت کی ہیئت ترکیبی کے متعلق قوانین کے موجود ہونے سے ہر جگہ اس قسم کی آئینی تجویزات کا اصول قائم ہو گیا ہے جو ممالک متحدۂ امریکہ میں پایا جاتا ہے۔ گورنر کو اسی قسم کا رسمی اختیار حاصل ہے جیسا کہ انگلستان میں بادشاہ کو حاصل ہے۔ اصلی حکومت عاملہ وزیر اعظم اور اس کا کابینہ ہے جن کا بااختیار رہنا ایوان ادنیٰ کے فریق غالب کی تائید کے حاصل کرنے پر منحصر ہے۔ کناڈا کی مجلس سینات معینہ ارکان کی ایک نامزد شدہ جماعت ہے مگر نیابتی نو آبادیوں کی مجلسوں کی طرح ان کا تقرر بادشاہ کی مرضی سے نہیں ہوتا بلکہ ان کی نامزدگی وزارت کی صلاح سے ہوتی ہے، یہی امر نیوزیلینڈ اور نیوفاؤنڈلینڈ کی مجالس وضع قوانین پر بھی صادق آتا ہے۔ آسٹریلیا کا ایوان اعلے تمامہ اور جنوبی افریقہ کی سینات جزءً انتخابی ہے۔

ہندوستان جس کے حالات سب سے نرالے ہیں، اس کی حکومت برطانیہ کے تمام دوسرے مقبوضات کی حکومتوں سے جداگانہ طرز کی ہے۔ یہاں کی کثیر آبادی جو تقریباً تیس کرور نفوس پر مشتمل ہے اور جس میں عادات وخصائل، رسم ورواج، اور مذہب کا وسیع اختلاف پایا جاتا ہے کم و بیش سلطنت متحدہ کے تسلط کامل کے تحت میں ہے۔ اس آبادی میں سات کرور کے قریب آبادی نیم آزاد دیسی ریاستوں کی ہے اور بقیہ تمام آبادی اس حصۂ ملک کی حکومت کے تحت میں ہے جسے اصطلاحاً برطانوی ہند کہتے ہیں۔ حکومت ہند تین حصوں میں منقسم ہے، حکام انگلستان، ہندوستان کی حکومت مرکزی اور حکومت ہائے ماتحت یا صوبجات۔ انگلستان میں حکومت (ہند) کا سرتاج خود بادشاہ ہے، جو وزیر ہند کے توسط سے کام کرتا ہے۔

اس وزیر کے ساتھ ایک خاص مجلس شریک کار ہے جو ان لوگوں پر مشتمل ہے جو کسی زمانہ میں ہندوستان میں رہ چکے ہوں، ان کی میعاد ملازمت دس برس کی ہوتی ہے اور وہ پارلیمنٹ میں نشست کرنے کے مجاز نہیں ہوتے۔ محاصل ہند کے اخراجات کے لیئے وزیر ہند اور اس کی مجلس کی کثرت رائے کی منظوری ضروری ہے۔ ہندوستان سے متعلقہ جتنے معاملات انگلستان میں انجام پاتے ہیں، وہ اس مجلس کے ذریعہ سے انجام پذیر ہوتے ہیں مگر سیاسیات خارجہ کی حیثیت کے بعض امور جیسے دیسی ریاستوں کے معاملات وغیرہ ہیں، انھیں تنہا وزیر ہند انجام دیتا ہے۔ خود ہندوستان میں سب سے اعلیٰ اقتدار عاملہ گورنر جنرل یا وائسرائے (نائب السلطنت) کے ہاتھ میں ہوتا ہے جسے بادشاہ مقرر کرتا ہے۔ اس کی ایک اکزیکیٹیو کاؤنسل (مجلس عاملانہ) ہوتی ہے جس میں سپہ سالار اعظم اور بہت سے اعلیٰ عہدہ دار شامل ہوتے ہیں، وضع قوانین کے اغراض کے لیئے اس مجلس میں کچھ ارکان اور بڑھا دیئے جاتے ہیں، جنھیں وائسرائے مقرر کرتا ہے۔ یا سنہ ۱۹۰۹ء کے قانون کونسل ہند کے موافق ان کا انتخاب ہوتا ہے۔ صوبجاتی حکومتیں جو گورنروں، لفٹنٹ گورنروں اور چیف کمشنروں کے تحت میں ہوتی ہیں اپنی ہیئت ترکیبی میں مرکزی حکومت کے مشابہ ہیں (گورنروں کا تقرر بادشاہ کی طرف سے، لفٹنٹ گورنروں کا گورنر جنرل کی طرف سے اور چیف کمشنروں کا گورنر جنرل باجلاس کاؤنسل کی طرف سے ہوتا ہے) کل ہندوستان کی مجلس تشریعی کے مانند صوبے کی مجالس تشریعی میں بھی منتخب شدہ ارکان کا ایک قلیل عنصر شامل ہے۔ پس اس طرح برطانوی ہند کے مرکزی یا صوبجاتی نظم و نسق میں ہنوز حکومت خود اختیاری کی طرف بہت کم توجہ کی گئی ہے۔ سنہ ۱۸۸۲ء و سنہ ۱۸۸۴ء کے قوانین پارلیمنٹ کے طفیل میں بلدی حکومتوں کے اندر انتخابی اصول رائج کیا گیا ہے۔ دیسی ریاستوں پر برطانیہ مختلف درجوں کا اختیار و اقتدار عمل میں لاتی ہے۔ ان میں سوائے ایک مشیر کار رزیڈنٹ کے اور کوئی برطانوی حاکم نہیں ہوتا۔ وہ خود اپنی فوج رکھتی ہیں مگر وہ باہمدیگر یا بیرونی دنیا سے کسی قسم کا سفارتی تعلق نہیں قائم

کر سکتیں اور نہ انھیں جنگ و صلح کا کوئی اختیار حاصل ہے۔ برطانیہ نے یہ حق بھی اپنے لئے محفوظ رکھا ہے کہ سزا کے طور پر دیسی والیان ملک کو تخت سے اتار دے۔

۸۔ شہنشاہی تنفقیت:— برطانیہ کی بڑی بڑی خود اختیاری نوآبادیوں کے متعلق سب سے زیادہ دلچسپ سوال ان کی آیندہ کی سیاسی حالت کا ہے۔ ان کی اس تیزی کے ساتھ بڑھنے والی آبادی اور ان کے طبعی وسائل کے نشو و نما سے بہت زور کے ساتھ یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ اس نئی صدی کے دوران میں وہ کیا اہمیت حاصل کرنے والی ہیں۔ پچاس برس پہلے جو خیال رائج تھا کہ ان کی قسمت میں صریحًا یہ لکھا ہے کہ وہ آزاد ہو جائینگی۔ انیسویں صدی کے اختتام کے قریب یہ خیال بالائے طاق رکھدیا گیا۔ نئی قوتیں میدان عمل میں آگئی ہیں عظیم الشان حریفی سلطنتوں کے اقتصادی توسع سے نئے بازار اور خام سامان پر جدید اقتدار کا مطالبہ برابر ہوتا رہا ہے۔ "شہنشاہیت" کی ایک لہر سارے یورپ میں دوڑ گئی ہے۔ افریقہ دول عظمیٰ کے درمیان تقسیم ہو گیا۔ ایشیا کے بیشتر حصص بالواسطہ یا بلاواسطہ یورپی اقتدار کے تحت میں آگئے۔ "قوم ابیض کا بار" جو بعضوں کے لئے عقیدہ اور بعضوں کے لئے ایک بہانہ ہو گیا تھا، یہی اصول اب اس وقت ہر شخص کی زبان پر تھا۔ دنیا میں چھوٹی چھوٹی قوموں کے صلح و آشتی کے ساتھ بسر کرنے کا خواب فنا ہو گیا اور اس کے بجائے بڑی بڑی شہنشاہیوں کا زمانہ آگیا۔ برطانی شہنشاہی کے انتشار کے معنی برطانیۂ عظمیٰ کے زوال کے ہوتے ان حالات میں برطانوی رائے عامہ کی رَو بدل گئی۔ شہنشاہی کا دائمی اتحاد اب سب سے اعلیٰ مقصد نظر آنے لگا۔ جس مقصد کو حاصل کرنا تھا وہ تو صاف تھا مگر ذریعۂ حصول مبہم و موہوم تھا۔ ۱۸۸۴ء میں "معاقدۂ تنفقیت شہنشاہی" کے قیام سے اس دور کی ابتدائی کامیابی کا نشان ملتا ہے۔ لیگ (معاقدے) نے ایک عام شہنشاہی پارلیمنٹ اور ایک متحد شدہ شہنشاہی مدافعت کے لئے زور دیا مگر اس سے عام شہنشاہی تحصول کی ضرورت بھی پیدا ہوتی تھی۔ نوآبادیاں اس

قسم کا کوئی محصول ادا نہیں کرنا چاہتی تھیں لہٰذا ۱۸۹۳ء میں اس معاقدہ کا خاتمہ ہوگیا۔ اس اثنا میں بالواسطہ طریق پر موجودہ شہنشاہی اتحاد کو تقویت حاصل ہوتی رہی۔ ۱۸۸۷ء، ۱۸۹۷ء کی استعماری مستشار کی محض ظاہری شان و نمائش کے بجائے ایسی شئے بن گئیں جو "شہنشاہی کونسل" کی حد کو پہنچ گئی تھیں۔ (۱۹۰۷ء میں) شہنشاہی مستشار کا نام اختیار کیا گیا اور اس کے جلسے باقاعدہ کردیئے گئے۔ آسٹریلیا اور نیوزیلینڈ نے برطانوی بیڑے میں ایک آسٹریلوی دستے سے مدد دی مگر بڑی بڑی نوآبادیوں میں اپنی ممیز قومی زندگی کا جو احساس بڑھ رہا تھا وہ ایسے امور میں مانع ہوگیا جس سے یہ قلمرو دوبارہ برطانوی نظم میں جذب ہوجائیں۔ جرمنی کے ساتھ جنگ ہو پڑنے کے روز افزوں خطرے سے اس تحریک میں سرعت پیدا ہوگئی۔ رائے کی دو روشیں نکل آئیں اور یہ دونوں روشیں اگرچہ کم و بیش ایک دوسرے سے مختلف تھیں مگر دونوں کی رفتار دائمی اتحاد ہی کی طرف تھی۔ بعض تو اس امر پر زور دیرہے تھے کہ ایک "متفقی شہنشاہی نیابتی حکومت" کی تنظیم ہونا چاہیئے جس کے ساتھ ہی یہ لازم تھا کہ برطانیہ عظمیٰ اور ممالک نوآبادی کی حکومتوں کا درجہ پست ہوجائے۔ دعویٰ یہ کیا جاتا تھا کہ اس سے بیش از بیش مدافعتی قوت اور دائمی اتحاد کی ایک صحیح ضمانت حاصل ہوجائے گی۔[2] دوسروں کا دعویٰ یہ تھا کہ اس قسم کا اتحاد شہنشاہی کے منشائے اصلی کے خلاف تھا۔ ان کی تجویز یہ تھی کہ اب آئندہ سے شہنشاہی کو ایسی "حلیف اقوام" کا ایک متحدہ گروہ سمجھا جائے جو جنگ میں ایک ساتھ عمل کرتے اور صلح میں ایک ساتھ کام کرتے ہوں مگر یہ سب کچھ ہمیشہ رضاکارانہ اتحاد عمل کی بنا پر ہوتا ہو۔ اس اصول سے اقتدار اعلیٰ کے قانونی نظریات اور برطانوی

---

[1] کامل تاریخ کے لیئے آر۔ جب کی تصنیف "مستشار شہنشاہی" (The Imperial Conference) (۱۹۱۱ء) دیکھنا چاہیئے۔

[2] اس کل تجویز کے لیئے ال کرٹس کی تصنیف "مسئلۂ دولت عامہ" (The Problem of the Common Wealth) ۱۹۱۶ء دیکھنا چاہیئے۔

حکمرانی کی باضابطہ بنیاد کا حشر جو کچھ بھی ہوتا اس کا رد اس امر واقعہ سے ہو جاتا تھا کہ جو کچھ حقیقۃً پیش آ رہا ہے یہ تجویز اسی کے ہم معنی ہے۔

جنگ کے واقعات نے تمام صورت حال کو بدل دیا ہے۔ باضابطہ متفقیت اعلیٰ پارلیمنٹ، ہمہ گیر شہنشاہی محصول، یہ سب تجویزیں صرف اہل علم کے بحث مباحثہ کے لیئے رہ گئی ہیں۔ یہ دلیل کہ مدافعت کے لیئے باضابطہ اتفاق کی ضرورت ہے، اس کا جواب اب یہ دیا جاتا ہے کہ اس اتحاد کے بغیر بھی مدافعت عمل میں آئی۔ ممالک مستعمری کی جمعیت اقوام کی رکنیت میں داخل ہونے سے انھیں ایک خاص حیثیت حاصل ہو گئی جس سے وہ نام و ضابطہ کے سوا اور ہر طرح آزاد نظر آتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی تمام برطانی ممالک میں، اس امر کے عملاً ذہن نشین ہو جانے سے کہ ایک پر آشوب عالم میں تاج کے زیر نگین متحد ہونے سے انھیں استقامت کی کس قدر پر زور قوت حاصل ہو گئی تھی، مستعمرات کے اندر جمہوری شکل میں خود مختاری کے قائم کرنے کی تمام بحث خود بخود باطل ہو گئی ہے۔

۹۔ یورپی سلطنتوں کے زمانۂ حال کے مستعمری توسعات

لیکن اب ضرورت یہ ہے کہ یورپ کی دوسری بڑی بڑی سلطنتوں نے حال میں جو مستعمری وسعت حاصل کی ہے اور انھوں نے ان توابع کے نظم و نسق میں جو طریقہ اختیار کیا ہے ان پر بھی غور کیا جائے۔ ۱۸۸۰ء کے بعد سے دول عظمیٰ نے جن ارضی رقبوں پر دعویٰ کیا ہے وہ بہت بڑھ گئے ہیں۔ ایشیا کے تمام ممکن الحصول حصص اور بحر الکاہل کے تمام افتادہ جزیرے اہل یورپ کے قبضہ میں آ گئے ہیں لیکن سب سے بڑا شکار براعظم افریقہ میں ہاتھ آیا ہے بلکہ اصل یہ ہے کہ یورپ کی بڑی بڑی سلطنتوں نے افریقہ کو آپس میں تقسیم کر لیا ہے۔ فرانس جس نے الجزائر کو ۱۸۳۰ء سے فتح کرنا شروع کر دیا تھا، وہ اپنے مقبوضات شمال افریقہ میں بڑھاتا گیا اور جنگ عظیم کے شروع ہونے کے وقت نہ صرف تمام الجزائر، بلکہ تونس، فرانسیسی مغربی افریقہ، صحرائے اعظم، وادی، سینگال، فرانسیسی گنی، ایوری کوسٹ (ساحل عاج) ڈاہومی، اور فرانسیسی کانگو وغیرہ پر قابض ہو گیا تھا،

اور ری یونین کے دو نمایندے ہوتے ہیں۔ ان تینوں موخر الذکر مقامات اور فرانسیسی ہند، کی طرف سے سینات میں بھی ایک ایک نمایندہ بھیجا جاتا ہے۔ سنہ ۱۹۱۹ء کے معاہدۂ صلح کے شرائط کے بموجب فرانس کی نوآبادیوں کا رقبہ اور بھی وسیع ہو گیا۔ ٹوگو لینڈ اور کیمرون جو سابق میں جرمانی شہنشاہی کے جزو تھے، وہ برطانیۂ عظمیٰ و فرانس میں منقسم ہو گئے۔ جنگ عظیم کے شروع ہونے کے وقت جرمانی شہنشاہی بہت وسیع مستعمری مقبوضہ کی مالک تھی۔ جرمنی کی توسیع نے جس کا آغاز سنہ ۱۸۸۴ء سے ہوا ہے، صحیح معنوں میں نوآبادیاں قائم کرنے کے بجائے محمیات ''وحلقہائے اثر'' قائم کرنے کی صورت اختیار کر لی تھی اسطرح جو قطعۂ ارضی جرمنی، کے زیر اثر آگیا وہ دس لاکھ مربع میل تک پہنچ گیا تھا۔ اس کا سب سے زیادہ حصہ افریقہ میں تھا اور اُس میں ٹوگو لینڈ۔ کیمرون، جرمانی جنوب مغربی افریقہ، جرمانی مشرقی افریقہ وغیرہ داخل تھے۔ جرمنی، کیاؤ چاؤ کے نہایت بیش قیمت بندرگاہ پر بھی قابض تھی (یہ جزیرہ نما برائے نام چین سے بٹہ پر لیا گیا تھا) اور اس کے علاوہ جزیرۂ پاپوا کا ایک بہت بڑا حصہ اور بحر الکاہل کے اور چھوٹے چھوٹے جزیرے اس کے قبضہ میں تھے۔ ان ممالک کا نظم و نسق جو گورنروں، کمشنروں اور سکرٹریوں (معتمدوں) وغیرہ کے ذریعہ سے انجام پاتا تھا، اسی قسم کا تھا جیسا ابتدائی طرز کی برطانوی شاہی نوآبادیوں کا تھا۔ ان ممالک میں یورپی آبادی کچھ برائے نام ہی سی ہے، سنہ ۱۹۱۹ء کے معاہدۂ ورسیلز کے شرائط کے بموجب جرمنی کے ماورائے بحر توابع مختلف دول عظمیٰ کے زیر اقتدار کر دیئے گئے۔ جنوب مغربی افریقہ، اتحاد جنوب افریقہ کے تحت میں دیدیا گیا۔ جرمانی مشرقی افریقہ، بلجیم و برطانیۂ عظمیٰ کے زیر اقتدار منقسم ہو گیا۔ ٹوگو لینڈ، اور کیمرون، فرانس و برطانیۂ عظمیٰ میں منقسم ہو گئے۔ جزائر بحر الکاہل، برطانیۂ عظمیٰ و جاپان کے تحت میں کر دیئے گئے اور کیاؤ چاؤ، جاپان کی طرف منتقل ہو گیا۔ اطالیہ، نے بھی افریقہ، میں (اریتریا، صومالی لینڈ وغیرہ کے ایسے) کچھ ماتحت ممالک حاصل کیے ہیں جن کی عام کیفیت اور جن کا نظم و نسق جرمنی، ہی کے مقبوضات کا ایسا ہے۔ ندرلینڈز

اس رقبہ میں تقریباً تمام صحرائے اعظم، وادیِ نائجر کا بڑا حصہ، اور وسطی و شمالی کانگو داخل ہیں۔ جزیرۂ مدغاسکر پر ۱۸۹۵ء میں قبضہ کرلیا گیا۔ فرانس نے (۱۸۶۱ء سے آغاز کرکے بتدریج) ہند چینی کا بھی بڑا حصہ لے لیا ہے، (جس میں چین کوچک، ٹانکن، انام، اور کمبودیہ، کے توابع شامل ہیں) ۱۹۱۴ء میں فرانس، کے ماتحت علاقے مجموعۃً ۰۰۰۰۰۰۴ مربع میل کے رقبہ اور ۰۰۰۰۰۶۴۴ نفوس کی آبادی پر مشتمل تھے۔ چونکہ اس رقبہ کے بڑے حصہ پر غیر متمدن باشندگان ملک آباد ہیں، (چنانچہ مدغاسکر کی ۳۵۴۵۲۶۴ کی آبادی میں ۱۹۱۷ء میں کل پندرہ ہزار فرانسیسی تھے) اس وجہ سے یہ توابع ایک بڑی حد تک یا تو فوجی حکومت کے تحت میں رہے ہیں (جیسے وسطی افریقہ میں ہیں) یا فوجی تائید کے ساتھ نامزد کردہ عہدہ داروں کے زیر حکومت رہے ہیں (جیسے مدغاسکر، اور ہند چینی کا حال ہے) لیکن فرانس کی زیادہ پرانی نوآبادیوں میں جہاں کہیں بھی ممکن ہوا ہے حکومت خود اختیاری دیدی گئی ہے۔ مارٹینک، اور گاڈیلوپ، دونوں میں منتخبہ مجالس موجود ہیں۔ علیٰ ہذا جنوبی بحرالکاہل کے، نیوکلیوڈونیا میں بھی حکومت خود اختیاری قائم ہے۔ الجزائر، پر فرانس کے ایک جزو کے طور پر حکومت ہوتی ہے۔ وہ مختلف صوبوں میں منقسم ہے اور سینات و دارالوکلا میں اس کی نیابت ہوتی ہے۔ مستعمری حکومت کے نظریہ کے متعلق فرانس سے زیادہ کہیں بھی توجہ نہیں کی گئی ہے۔ اس بحث پر زمانۂ حال کے نظری لٹریچر کا سب سے بڑا حصہ فرانسیسی ہی زبان میں ہے، باوجود اس کے کہ نئے مستعمری طریق کے برقرار رکھنے سے فرانس، کے خزانہ پر بہت بڑا بار پڑ رہا ہے، پھر بھی مستعمری شہنشاہی کے خواب دیکھنے میں فرق نہیں آیا ہے۔ فرانسیسی قوم کے لیئے یہ ایک قابل تعریف فعل ہے کہ باوجودیکہ انگریزوں نے مادر وطن کی پارلیمنٹ میں اس وقت تک اپنے وسیع مقبوضات کی نیابت روا نہیں رکھی ہے مگر فرانسیسیوں نے مستعمری نیابت کے اصول کو پہلے ہی سے اختیار کرلیا ہے۔ چین کوچک، فرانسیسی ہند (پانڈیچری، اور دوسرے چار شہر) گیانا، اور سنیگال، ہر ایک کا ایک ایک نمایندہ ہوتا ہے، گواڈالوپ، مارٹینک

کی نو آبادیاں اگرچہ زمانۂ حال کی طرف منسوب نہیں کیجا سکتیں مگر اپنی دولت و ثروت اور اہمیت کے اعتبار سے وہ بہت بڑھی ہوئی ہیں۔ انکی آبادی ملک مادری کے مقابلہ میں ایک اور آٹھ کی نسبت سے بھی زیادہ ہے۔ نو آبادی کے چار کرور ستر لاکھ باشندوں میں سے ایک لاکھ سے کم سفید رنگ کے ہیں۔ انتخابی طریقہ کہیں بھی رائج نہیں ہے۔ ڈچ (ولندیزی) شرق الہند کا گورنر، اس کی معاون کونسل کے ارکان ''رزیڈنٹ'' اور ضلعوں کے ناظم سب کے سب نامزد شدہ عہدہ دار ہوتے ہیں، لیکن نو آبادی کا نظم و نسق اسی اصول کے موافق ہونا لازمی ہے جو ''ولندیزی ہند'' کی حکومت'' کے لیئے ۱۸۵۴ء میں ولندیزی قانون کی رو سے مرتب ہو چکے ہیں۔

۱۰۔ ممالک متحدۂ امریکہ کے مقبوضات:— وسعت نو آبادیات کی تاریخ کا سب سے جدید تر باب، ممالک متحدۂ امریکہ کے متعدد مقبوضات کے حاصل کرنے پر مشتمل ہے۔ جزائر ہوائی جو ۱۸۹۸ء میں ملحق کیئے گئے تھے اُن سے قطع نظر کیجا سکتی ہے کیونکہ وہ ۱۹۰۰ء میں ممالک متحدہ کی عام حیثیت میں شامل کر لیئے گئے اور اُن کی حکومت اس طرح کی ہے جیسے ممالک متحدہ کے دیگر اقطاع کی ہے، اس لیئے ان کو توابع میں نہ سمجھنا چاہیئے، لیکن ۱۸۹۸ء میں ہسپانوی امریکی جنگ کے نتیجہ کے طور پر اسپین سے جو جزائر (پورٹوریکو، فلیپائن، گوام) ہاتھ آئے اور سلسلۂ سیمون کے جزائر ٹوٹوئیلا، منوا وغیرہ جو وہاں کے اہل ملک کی خواہش کے موافق ۱۸۹۹ء میں ملحق کر لیئے گئے تھے اُن کی حالت بالکل مختلف ہے۔ ۱۲؍ اپریل ۱۹۰۰ء کے ایک بنیادی قانون کے بموجب پورٹوریکو ایک گورنر اور ایک عاملانہ کونسل اور ایک مجلس وضع قوانین کے تحت میں آگیا گورنر و کونسل کا تقرر رئیس جمہوریۂ ممالک متحدۂ امریکہ کرتا تھا، اور مجلس وضع قوانین کا ایوان ادنیٰ اہل ملک کی طرف سے منتخب ہوتا تھا، اور ایوان اعلیٰ عاملانہ کونسل پر مشتمل تھا۔ مجلس وضع قوانین کی اس شاخ (ایوان اعلیٰ) کے جملہ گیارہ ارکان میں سے پانچ باشندگان جزائر میں سے ہونے چاہئیں۔ عاملانہ کونسل میں اہل ملک کی تعداد شامل کر کے جماعت وضع قوانین

کے ترتیب دینے میں جو اصول یہاں اختیار کیا گیا ہے وہ اس طریقہ سے بہت کچھ مشابہ ہے جو برطانوی ہند کی حکومت میں رائج ہے اور جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ حکومت کی ایک اس سے بھی زیادہ آزادانہ صورت ۱۹۱۶؁ء کے قانون کی رو سے قائم کی گئی جس کے بموجب تمام مجلس وضع قوانین (یعنے سینات ودار النائبین دونوں) کا انتخاب قوم کی طرف سے ہوتا ہے۔

جزائر فلپائن کی حکومت اب ترتیبی حد سے گزر چکی ہے، اسپین کی شکست کے کچھ زمانہ بعد بلکہ جزائر کی باقاعدہ حوالگی کے بعد تک وہاں کا نظم ونسق فوجی حکام کے ہاتھ میں تھا۔ یکم جولائی ۱۹۰۱؁ء کو اس کے بجائے ملکی حکومت قائم ہوئی جو عہدہ داروں کے ایک کمیشن کے سپرد ہوئی تھی جنھیں رئیس جمہوریۂ امریکہ نے نامزد کیا تھا موتمر کے جولائی ۱۹۰۲؁ء کے ایک قانون نے اس قائم شدہ دیوانی حکومت اور اس کے ان اختیارات کے عمل میں لانے کو جو عاملانہ حکم سے اسے حاصل ہوئے تھے جائز قرار دیا۔ اس قانون میں انفرادی آزادی کی ضمانت کے طور پر ایک عام مسودۂ حقوق بھی شامل تھا اور یہ بھی قرار دیا گیا تھا کہ جزیرے میں سکون ہو جانے اور مردم شماری کے مکمل ہو جانے کے بعد ایک منتخب شدہ مجلس وضع قوانین طلب کیجائے گی۔ عاملانہ حکومت ایک گورنر (جو بعد میں گورنر جنرل کہلانے لگا) اور سات کمشنروں کے ہاتھ میں دیدی گئی (جنکی تعداد ۱۹۰۸؁ء میں آٹھ کردی گئی۔ ان کمشنروں میں چار امریکی اور تین فلپینو ہوتے تھے، یہی کمیشن ایوان اعلیٰ کا کام بھی انجام دیتا تھا اور ایوان ادنیٰ ایک منتخب شدہ مجلس پر مشتمل تھا۔ ۱۹۱۶؁ء کے ایک قانون نے فلپائن کے کمیشن کو برطرف کر دیا اور ایک منتخب شدہ سینات ودار النائبین قائم کیا۔ اس قانون کے دفعات کے بموجب گورنر جنرل ایک نائب گورنر اور آڈیٹر (منقح) اور ایک نائب آڈیٹر کا تقرر رئیس جمہوریۂ ممالک متحدۂ امریکہ کرتا ہے[1]۔

---

[1] فلپائن کی مجلس وضع قوانین ممالک متحدۂ امریکہ کے لیئے دو ”رزیڈنٹ کمشنر“ (مامور مقیم) کا انتخاب کرتی ہے۔

ممالک متحدۂ امریکہ کے مذکورۂ بالا مقبوضات کے حاصل کرنے کی وجہ سے چند برسوں کے اندر بہت بڑے مباحث پیدا ہو گئے ہیں۔ اس معاملہ میں سخت اختلاف رائے پیدا ہو گیا ہے کہ فلپائن کے ایسے دور افتادہ جزائری ممالک جن میں بالکل ہی غیر قومیں آباد ہوں اور جو ایک حد تک نامتمدن بھی ہوں اور جن میں ایک گونہ مخالفت بھی موجود ہو، ان کا حاصل کرنا قرین انصاف یا مبنی بر فوائد ہو سکتا ہے یا نہیں، اس قسم کی کارروائی کے آئینی اصول سے جائز ہونے کے متعلق بھی بہت شدت سے انکار کیا گیا ہے۔ یہ آخری مسئلہ تو عدالتوں کی تاویل اور ایک مختتم واقعہ شدہ امر کی زبردست قوت سے طے ہو گیا مگر سچ یہ ہے کہ نظام سلطنت کے بناتے وقت جزائر فلپائن کی ایسی نو آبادیوں کے حاصل کرنے یا نکرنے کا خیال تک بھی کسی کے ذہن میں نہ آیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ نظام سلطنت سے اس معاملہ میں کچھ ظاہر نہیں ہوتا مگر بالمعنی اختیار کی سہل الحصول تدبیر سے یہاں بھی کام لیا گیا ہے جس مسئلہ پر سب سے زیادہ سخت بحث ہوئی وہ محصول درآمد و برآمد کا مسئلہ تھا بہت سے لوگوں کی یہ رائے تھی کہ نظام سلطنت میں یہ قرار دیا گیا ہے کہ تمام ممالک متحدۂ امریکہ میں محاصل درآمد و برآمد یکساں ہوں گے اس لئے مجلس موتمر کو کوئی حق نہیں ہے کہ اس جمہوریت اور اس کے نئے مقبوضات میں محصول کی دیوار حائل کر دے لیکن عدالت العالیہ نے ۱۹۰۱ء کے جزائری مقدمات میں یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ صورت واقعہ یہ نہیں ہے، پس اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب یہ مسلم ہو گیا ہے کہ موتمر کو کامل اختیار ہے کہ وہ اپنے حسب صوابدید ممالک متحدۂ امریکہ اور اس کے توابع کے مابین خواہ آزاد تجارت کا اصول جاری رکھے یا محصول درآمد و برآمد کا نظام قائم کرے۔

آخر میں اس امر پر نگاہ کرنا بھی ضروری ہے کہ مقبوضات کے معاملہ میں ممالک متحدۂ امریکہ کا میلان یہ رہا ہے کہ حکومت عامہ کی جانب وہ اس سے زیادہ تیز قدم بڑھائے جو انگریزی تجربہ سے جائز ہو سکتا ہے۔ جزائر فلپائن کے متعلق خود باشندگان ملک کے منتخب کردہ ایوان ادنیٰ کی جو تجویز سوچی گئی ہے

وہ برطانوی ہند کی حکمرانی کے لیئے پیش کیجائے تو کوئی بھی اسے پسند نہ کریگا۔ اہل امریکہ کے دلوں میں حکومت عامہ کا اصول نظری اعتبار سے ہمیشہ انگریزوں کے بہ نسبت زیادہ شدت کے ساتھ راسخ رہا ہے، اسی وجہ سے انھیں اپنے دل کو یہ سمجھانا مشکل معلوم ہوتا ہے کہ کیوں وہ ایک قوم کو اپنے زیر فرمان کرکے اسے اپنی "ملک" بنالیں۔ لیکن اُن کی معاملہ فہمی نے یہ ظاہر کردیا ہے کہ جزائر فلپائن پر اس طرز سے حکومت کرنا جیسی میساچوسٹس یا کلیفورنیا میں ہوتی ہے ناممکن العمل ہے۔ با این ہمہ "اعلان آزادی" میں اس قطعی اعلام کے ہوتے ہوئے کہ "تمام انسان خلقۃً مساوی الدرجہ ہیں" یہ کسیقدر بدنما سا معلوم ہوتا ہے کہ چند جزیروں کی حکومت کے لیئے ایک دور دراز ملک سے ایک کمیشن بھیجا جائے اور اس کی آیندہ حکمرانی سے غیر عیسوی اقوام خارج کردی جائیں، لیکن جیسا کہ معمول ہے واقعات کی زبردست قوت، مجرد نظریات کے مقابلہ میں بہت ہی قوی ثابت ہوئی ہے خواہ ان نظریات کو اعلان آزادی کی تاریخی سند کا جامہ ہی کیوں نہ پہنا دیا جائے۔

قابل مطالعہ کتابیں

ایچ۔ ای۔ ایجرٹن۔ برطانیہ کی مستعمری حکمت عملی کی مختصر تاریخ Short History of British Colonial Policy) جلد دوم (سنہ ۱۸۹۷ء)

ای۔ اے۔ رجس۔ انگلستان کا قانون دستوری (Constitutional Law of England) حصۂ ششم باب دوم (سنہ ۱۹۰۵ء)

ال، کرٹس: مسئلۂ دولت عامہ (The Problem of the Common Wealth) سنہ ۱۹۱۶ء باب ۲۰ و ۲۱۔

اسناد مزید

سرجے۔ سی لیوئس حکومت توابع (Covernment of Dependencies) (سنہ ۱۸۴۱ء)

ای، ٹاڈ۔ برطانوی نوآبادیوں میں پارلیمنٹی حکومت (Parliamentary Government in British Colonies) (سنہ ۱۸۸۰ء)

ای، جے، پین۔ نوآبادیات و مستعمری تنفقیات (Colonies and Colonial Federations) (سنہ ۱۹۰۰ء)

پی۔ ہالینڈ: ”اقتدار اعلیٰ و آزادی“ (Imperium et libertas) سنہ ۱۹۰۱ء

اُنسترمان: یورپی مستعمرات (Die Europaischen Kolonian) چار جلد سنہ ۱۸۹۶ء

نظم ونسق، شائع کردہ دفتر شمار و اعداد ممالک متحدۂ امریکہ (Colonial Administration) (سنہ ۱۹۰۱ء)

ڈبلیو۔ ٹی۔ آرنلڈ۔ صوبجاتی نظم ونسق کا رومانی طریق (Roman System of Provincial Administration) سنہ ۱۸۷۹ء۔

جی، بینکرافٹ، تاریخ ممالک متحدۂ امریکہ سنہ ۱۸۳۴ء (History of the United States) سنہ ۱۸۷۴ء۔

ایچ۔ سی۔ لاج۔ امریکہ کے انگریزی مستعمرات کی مختصر تاریخ (Short History of the English Colonies in America) (سنہ ۱۸۸۱ء)

سر جے۔ آر سیلی۔ انگلستان کا توسع (Expansion of England) (سنہ ۱۸۸۳ء)

ٹی، پاؤنال۔ نوآبادیوں کا نظم ونسق (Administration of the Colonies) سنہ ۱۷۶۴ء۔

پی۔ ایس رائنش۔ حکومت مستعمری (Colonial Government) سنہ ۱۹۰۲ء۔

لیرائے، بولیو: زمانۂ جدیدہ کے اصول آبادکاری (De la colonization Chez les peuples modernes) سنہ ۱۹۰۲ء۔

مورس: تاریخ استعماری (The History of Colonisation) سنہ ۱۹۰۲ء۔

جی، بیر: قدیم مستعمری نظم (The old Colonial System) حصہ ۱ سنہ ۱۹۱۲ء۔

اے، بی، کیتھ: شہنشاہی اتحاد و ممالک ماتحت (Imperial Unity and the Domins) سنہ ۱۹۱۶ء۔

باب ہفتم

حکومت مقامی

۱۔ مقامی و مرکزی حکومت میں فرق امتیازی ۲۔ حکومت مقامی کا رقبۂ ارضی، ممالک متحدۂ امریکہ، فرانس، انگلستان، ۳۔ مقامی حکمراں جماعتوں کی ہیئت ترکیبی اور اُن کے اختیارات، ممالک متحدۂ امریکہ، ۴۔ انگلستان، ۵۔ فرانس ۶۔ پرشیا، ۷۔ مقامی محصول، ممالک متحدۂ امریکہ کا محصول املاک، ۸۔ دوسرے ممالک میں مقامی محصول کے طریق، ۹۔ امریکی طریق کی اصلاح۔

۱۔ مقامی و مرکزی حکومت میں فرق امتیازی:۔ اس وقت تک حکومت کی ہیئت ترکیبی کے متعلق ہماری بحث ان حکمراں جماعتوں کے متعلق غور کرنے تک محدود تھی، جن کا اقتدار و اختیار تمام سلطنت پر وسیع ہوتا ہے۔ مگر بہت ہی چھوٹی قوموں کو مستثنیٰ کرکے اور کہیں بھی ایسا نہیں ہے کہ تنہا یہی جماعتیں تمام نظم و نسق ملک کی چلانے والی ہوں، ان کے علاوہ ہر ملک میں سرکاری عہدہ داروں اور سرکاری جماعتوں کی ایک ایسی تعداد موجود ہوتی ہے جن کے فرائض سلطنت کے مجموعی رقبۂ ارضی کے صرف ایک حصہ پر محتوی ہوتے ہیں۔ خود یہ جماعتیں اور ان کے انجام دینے کے کام سب مقامی حکومت کی عام تعریف کے اندر آجاتے ہیں، اس لئے مقامی حکومت سے وہ تمام کارروائیاں مراد ہونگی جو قصبوں اور صوبوں کی کونسلوں اور بلدیات و اضلاع کی حکمراں جماعتیں انجام دیتی ہیں۔ اس لفظ کے عام فہم معنی بالکل صاف ہیں لیکن، مقامی و مرکزی حکومت کی قطعی و صحیح تعریف اس قدر آسان نہیں ہے، غور طلب یہ ہے کہ وہ تمام حکمراں جماعتیں جن کے اختیارات سلطنت کے صرف ایک حصہ تک محدود ہوتے ہیں، وہ سب کی سب مقامی حکومت کے تحت میں نہیں

آتیں کیونکہ بصورت دیگر ایک سلطنت متفقی کے اجزائے ترکیبی بھی اسی ضمن میں آجائیں گے، حالانکہ جو ظاہری مفہوم قرار دیا گیا ہے اس کے یہ خلاف ہے۔ نیو یارک، یا میساچوسٹس کے ریاستی حکام، مقامی حکومت کے اعضائے کار نہیں ہیں۔ علیٰ ہذا یہ فرق رقبۂ ارضی کی وسعت یا زیر حکومت اشخاص کی تعداد پر بھی معلق نہیں ہے۔ نیو یارک، یا بوسٹن کی حکومت بلدیہ یا لنکاشائر کی کاؤنٹی کونسل (مجلس صوبہ) اس سے بدرجہا زیادہ کثیر التعداد اشخاص پر حکمراں ہیں جتنے ریاست نیواڈا کی حکومت کے تحت میں ہیں۔ دوسری طرف وسعت ارضی کے اعتبار سے موناکو کی امارت جو آٹھ میل مربع زمین پر قابض ہے، اگرچہ ایک فرانسیسی صوبہ سے بہت ہی کم ہے تاہم وہ کسی نہج سے مقامی حکومت نہیں ہے۔ اس لئے مرکزی و مقامی حکومت کا فرق رقبہ و آبادی کے معاملہ سے تعلق نہیں رکھتا۔

یہ فرق کسی قدر تو ان کی اضافی دستوری حیثیت پر مبنی ہے اور کسی قدر ان خدمات عامہ کی نوعیت پر منحصر ہے جو ان میں سے ہر ایک کو انجام دینا پڑتی ہے، امر اول کی بابت اکثر و بیشتر آزاد سلطنتوں کے متعلق یہ کہنا صحیح ہے کہ مقامی حکومت اپنے اختیارات، مرکزی حکومت سے حاصل کرتی ہے اور اس کی مرضی تک اس پر قابض رہتی ہے۔ تحریری نظام سلطنت موجود ہو یا نہو مگر صورت واقعہ یہی ہے۔ فرانس اور اطالیہ میں جہاں تحریری نظام سلطنت موجود ہیں، مقامی حکومت کی تنظیم بالکلیہ مرکزی پارلیمنٹ کے اختیار میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم سوئزرلینڈ کے صوبوں یا ممالک متحدۂ امریکہ کی "ریاستوں" کو مقامی حکومت نہیں خیال کرتے کیونکہ ایک متفقی دستور کے یہ اجزائے ترکیبی خود اپنے حد اختیار کے اندر مرکزی و متفقی اقتدار کے اثر سے بالکل آزاد ہیں، لیکن جو فرق یہاں قائم کیا گیا ہے وہ ہمہ گیر طور پر صحیح نہیں ہے اگرچہ تقریباً تمام آزاد سلطنتوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے مگر ممالک متحدۂ امریکہ کی دولت ہائے عامہ کے اندر مقامی حکومت کے اعضائے کارکن (یعنے قصبات، اضلاع، و بلدیات کے حکام) کے متعلق

یہ اصول صحیح نہیں آتا یہ حکام بلاشک وشبہ مقامی حکومت کے اعضائے کار ہیں مگر ایک بڑی حد تک ان کا وجود خود ریاست کے نظام حکومت کے ساتھ شامل ہے اور ریاست کی مجلس وضع قوانین اپنی مرضی سے اسے ساقط العمل نہیں کر سکتی۔

مقامی و مرکزی حکومتوں کا دوسرا فرق ان کے خدمات کی مختلف نوعیت میں پایا جاتا ہے۔ اس کے سمجھنے کے لئے کسیقدر مزید تشریح کی ضرورت ہے۔ سلطنت کے کارکن، اہل ملک کے نفع کے لئے جو مختلف فرائض انجام دیتے ہیں وہ سرسری طور پر دو حصوں میں منقسم ہوتے ہیں، بعض ان میں ایسے ہوتے ہیں جن کا نفع قوم کے لئے عام ہوتا ہے اور جو فوائد ان سے مترشح ہوتے ہیں وہ کسی خاص حصۂ ملک کے لئے مخصوص نہیں سمجھے جا سکتے، مثلاً غیر ملکی فتوحات کے روکنے کے لئے بری و بحری افواج سے محافظت کا جو کام لیا جاتا ہے اس سے تمام باشندگان ملک یکساں طور پر متمتع ہوتے ہیں۔ یہی حالت تمام بڑے بڑے تعمیرات عامہ کی ہے جن کے مفاد و اغراض کو قومی کہنا مناسب ہے۔ ان کے علاوہ کچھ انتظامی فرائض بھی ایسے انجام دینا پڑتے ہیں جن کے موثر ہونے کے لئے ان کا ہر جگہ یکساں طور پر نافذ ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ تعزیری قوانین کا اجرا، ازدواج و طلاق کی نگرانی، معاہدات و خرید و فروخت وغیرہ کے انضباط کے قانون، اسی قبیل میں داخل ہیں۔ پس فرائض ملکی کے یہ تمام اصناف بجا طور پر مرکزی حکومت کے حد اقتدار میں آنے چاہئیں لیکن ان کے علاوہ ان سے بالکل ہی مختلف نوعیت کے اور بھی بہت سے کام ایسے ہیں جن میں سلطنت کو سرگرمی دکھانے کی ضرورت ہے (یہ یاد رکھنا چاہئے کہ مقامی و مرکزی دونوں حکومتیں جسم سلطنت کے اعضا ہیں) لیکن ان فرائض کی ادائی سے جو نتائج مرتب ہوتے ہیں ان سے قوم کا صرف ایک چھوٹا سا حصہ مستفید ہوتا ہے اور بظاہر اس کا تعلق ایک مخصوص رقبہ سے ہوسکتا ہے کسی قصبہ کی روشنی کا انتظام کرنا دیہات کی کسی سڑک پر پل بنانا، ٹرام گاڑیوں کا انتظام قائم کرنا، یہ سب اسی قسم کے کام ہیں، تا

پس یہاں قرین عقل یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے کاموں کا نفع اس کا خرچ، اس کی نگرانی سب بتمامہا انھیں لوگوں کے ذمہ ہونا چاہئے جن پر ان کا اثر پڑتا ہے ۔

پس مرکزی و مقامی حکومتوں کے فرائض کا عام فرق یہی ہے جو ذکر کیا گیا ۔ موخر الذکر کے خدمات عامہ کو اگر بہ نظر تعمق دیکھا جائے تو وہ زیادہ تر مدرسے، شفاخانے، دار المجانین، ریل، سڑک، باغات، وغیرہ کی بنا و قیام اور مقامی مفاد عامہ کی چیزوں کے انتظام سے متعلق ہوگا (جیسے روشنی کا انتظام آمد و رفت کا سلسلہ وغیرہ قائم کرنا ہے) پس مقامی حکومت کا تعلق مختلف صورتوں میں زیادہ تر جائداد غیر منقولہ سے ہے۔ اس سے باشندگان کی اس مجتمعہ کوشش کا اظہار ہوتا ہے جو وہ (سڑک، ریل، آبرسانی وغیرہ کے ایسے) مرئی و محسوس کاموں کے بنانے اور ان کی نگرانی میں صرف کرتے ہیں جن سے ایک مخصوص رقبہ کے اندر عام فائدہ حاصل ہوتا ہے اور جسے علیحدہ علیحدہ باشندوں کے درمیان تقسیم نہیں کیا جا سکتا، اس طرح جو خدمات انجام دئے جاتے ہیں وہ تعزیری قانون وغیرہ کے ایسے انضباطی قوانین کے کاموں سے مقابلہ کرنے سے بطریق احسن سمجھ میں آ سکتے ہیں جن کا تعلق مرکزی حکومت سے ہے، لیکن عام امتیاز کی اس بدیہی نوعیت کے باوجود مقامی و مرکزی حکومتوں کے فرائض ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط ہو جاتے اور ایک دوسرے پر اثر ڈالتے ہیں۔ بعض صورتیں ایسی ہیں جن کے اخراجات اور جن کا فوری فائدہ تو بیشک ایک مقامی امر معلوم ہوتا ہے مگر دوسرے اعتبار سے اس کا تعلق عام مفاد سے بھی ہوتا ہے ۔ مدارس کا معاملہ اسی نوعیت کا ہے ۔ یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ تمام اہل ملک کا تعلیم یافتہ ہونا ایک ایسا ہمہ گیر مسئلہ ہے جس سے بلا استثنا ہر شخص کو تعلق ہے اور اس لئے بجا طور پر یہ امر مرکزی حکومت کے حد اثر میں داخل ہے کہ وہ تعلیم کو لازمی بنا دے اور ایک ایسا عام اصول قرار دے جس پر اس کی بنا رکھی جا سکے ۔ یہ بھی مناسب ہے کہ وہ اخراجات کا بھی ایک جزو خود ادا کرے، اور اس کی براہ راست

نگرانی رکھے اور اخراجات کا حصۂ کثیر مقامی حکومت سے متعلق رہنے دے، کم از کم ابتدائی مدارس کے متعلق تو ایسا کرنا بسا ضروری ہے۔

۲۔ مقامی حکومت کے حدود (رقبۂ ارضی)، ممالک متحدۂ امریکہ، فرانس، انگلستان، مقامی حکومت کی نوعیت، کی اس عام بحث سے گذر کر، اب ہم اس کے بعض مخصوص مسائل پر توجہ کرنا چاہتے ہیں جو اس کی ہیئت ترکیبی اور اس کے اجزائے کار میں پیش آتی ہیں، ان مسائل کو تین عنوانوں میں جمع کرسکتے ہیں:۔ (۱) مقامی رقبۂ ارضی کا مسئلہ۔ اس بحث میں یہ موقع ہے کہ ہم ممالک متحدۂ امریکہ کے باترتیب "اضعافی طریقہ"، کا انگلستان کے درہم وبرہم رقبوں سے مقابلہ کریں (۲) مقامی حکمراں جماعتوں کی ترکیب اور مرکزی حکومت عاملانہ سے ان کا تعلق۔ اس باب میں فرانس کے مرکزی طریق کا مقابلہ انگلستان و امریکہ کے تفرق مرکزیت سے کرنا چاہئے۔ (۳) مقامی اجرائے محصول کا سوال، اس میں امریکہ کے محصول املاک اور دوسرے ممالک کے طریقوں کی جانچ کرنا ہے۔

مقامی حکومت کے قائم کرنے سے ہر جگہ یہ ضرورت لاحق ہوتی ہے کہ ملک کے مجموعی رقبۂ ارضی کو نہ صرف ایک نوع کے ماتحت رقبوں میں تقسیم کردیا جائے بلکہ مختلف نوعیت کے رقبے قائم کئے جائیں۔ ممالک متحدۂ امریکہ میں پرگنے (Townships) و اضلاع (Counties) ہوتے ہیں انگلستان میں پیرش (حلقۂ مذہبی) ضلع (Districts) اور صوبہ (County) ہوتے ہیں۔ (جن کی اور تقسیمیں بھی ہوتی ہیں)۔ فرانس میں بلدیہ (Commune) پرگنہ (Canton) حلقہ (Arrondissements) اور صوبہ (Department) ہوتے ہیں۔ ممالک متحدۂ امریکہ اور انگلستان میں ایسے بلدی رقبے بھی ہیں جو قصبوں اور شہروں کی حکومتوں کے تحت میں ہیں۔ ایک سے زائد نوعیت کی تقسیموں کی وجہ صاف ظاہر ہے۔ مختلف نوعیت کے مفاد عامہ کے کام بالطبع مختلف رقبوں کی وسعت پر حاوی ہوں گے۔ مثلاً ایک دیہاتی مدرسہ کے چلانے کے لئے صرف بیس خاندانوں کی ضرورت ہوگی مگر خاندانوں کی

اس تعداد سے یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ بسہولت تمام اپنی ضرورت کے لئے ایک پاگل خانہ قائم کر لے اور اسے چلاتی رہے، علیٰ ہٰذا کوئی شفاخانہ یا محتاج خانہ بھی اتنے چھوٹے سے رقبہ کی آمدنی سے نہیں قائم ہو سکتا۔ پس اس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ فرائض کی قلت و کثرت کے اعتبار سے حکومت مقامی کے لئے مختلف وسعت کے رقبوں کی ضرورت ہے مگر سہولت کار کے لئے یہ بہتر ہوگا کہ رقبوں کے اس اختلاف کو جہاں تک ہو سکے کم کیا جائے اور ان میں بھی جو سرسری طور پر یکساں نظر آئیں اُن کی گروہ بندی کر دیجائے۔

انگلستان، فرانس، روس، وغیرہ کے سے قدیم ملکوں میں، حکومت مقامی کے رقبہ کی بنیاد آبادکاری کے وہ قدیمی مستقل مقامات ہیں جنکی تاریخ خود مرکزی حکومت کے قائم ہونے سے بہت پیشتر کی ہے، چنانچہ انگلستان کے پیرشس (حلقہ) کی یہی کیفیت ہے، جس کے مذہبی کام نے اس کے اصلی سیکس نام ٹاؤنشپ کو بھلا دیا ہے، یہی حال فرانس کے کمیون (بلدیہ) اور پرشیا کے گیمائنڈے (Gemeinde) کا ہے۔ ابتداءً اس کی صورت یوں پیدا ہوئی ہوگی کہ ایک چھوٹی سی جماعت ہمسایوں کے طور پر کسی گاؤں کی کسی اقامت گاہ میں مل کر رہنے لگی ہوگی اور اپنے مشترکہ کاموں کے انجام دینے کی کوئی صورت اختیار کر لی ہوگی، جہاں ایسی صورت موجود ہو وہاں ضرور یہی ہونا چاہئے کہ زمانۂ جدید کی سلطنت کی حکومت مقامی کا اولین رقبہ اسی کو قرار دیا جائے، لیکن اس میں خرابی یہ پڑتی ہے کہ مدت مدید گزر جانے کے بعد اکثر پیرش (حلقۂ مذہبی) وغیرہ کی ابتدائی حدود آبادی بہت بڑھ جاتی ہے، مثلاً انگلستان کے پندرہ ہزار پیرشوں میں سے سب سے چھوٹا پیرش پچاس ایکڑ سے بھی کم کا ہے اور سب سے بڑا پیرش دس ہزار ایکڑ سے زیادہ کا ہے۔ (سنہ ۱۸۹۱ء میں) گیارہ پیرشس ایسے تھے جن میں کوئی باشندہ ہی نہیں تھا اور سب سے زیادہ آباد پیرش (از لنگٹن) میں ۳،۱۹،۰۰۰ آدمی تھے۔ اسی طرح فرانس میں بعض کمیون (بلدیہ) محض دیہاتی رقبہ یا چھوٹے چھوٹے گاؤں ہیں اور بعض بڑے بڑے شہر بن گئے ہیں۔ لیکن رقبوں کی اس شتر گربہ حالت کے باوجود بھی

یہی مناسب ہے کہ حکومت مقامی کے ڈھانچ کے طور پر انھیں تاریخی رقبوں کو قائم رکھا جائے، کیونکہ ان سے حقیقتاً ایک عضوی انتظامی رقبے کا اظہار ہوتا ہے اور ہیئت سیاسیہ کی بنا قائم کرنے کے لئے ان میں پہلے ہی سے ایک مشترکہ اقتصادی و معاشرتی زندگی موجود ہوتی ہے، ان رقبوں کے بعد بڑے بڑے منفردہ خطے (ضلعے، پرگنے وغیرہ) ہوں گے جو سڑکوں کے بنانے محتاج خانے، شفاخانے، اور قید خانے وغیرہ کے قائم کرنے کے ایسے وسیع فرائض عامہ کی انجام دہی کے لئے موزوں ہوں گے جس کے لئے اس سے وسیع تر امداد کی ضرورت ہے جو ان نہایت ہی چھوٹی چھوٹی مقامی جماعتوں سے انجام پا سکتی ہیں، مقامی رقبوں کی اس تدریجی حدبندی کی تعداد ملک ملک میں مختلف ہے اور اس کی نوعیت کے سمجھنے کے لئے سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ بعض خاص خاص سلطنتوں میں جو تقسیم اختیار کر لی گئی ہے اُن پر بالمقابل یکدگر مختصراً نظر ڈالی جائے۔

مقامی رقبوں کی تشکیل و ترتیب کے بارے میں ممالک متحدۂ امریکہ خصوصیت کے ساتھ خوش قسمت واقع ہوئے ہیں۔ ان میں سے کچھ تو تاریخی ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو اس ملک میں آبادی قائم کرنے کے قبل ہی یا اس کے ساتھ ہی بالقصد مرتب کر لئے گئے تھے۔ چنانچہ میساچوسٹس کے پرگنے (Township) اور ورجینیا کے اضلاع تاریخی یا ابتدائی رقبے کہے جا سکتے ہیں۔ وہ مستعمرین کی اِس ابتدائی گروہ بندی کو ظاہر کرتے ہیں جو نو آبادی میں قدم رکھتے ہی انھوں نے اختیار کر لی تھی۔ لیکن اگر کوئی شخص شمال ڈاکوٹا یا کینساس کی سی کسی ریاست کے نقشہ پر صرف ایک سرسری نظر ڈالے تو فوراً عیاں ہو جائے گا کہ ان کے مقامی رقبے بالارادہ سمجھ بوجھ کر مقرر کئے گئے ہیں۔ پرگنہ یعنے اس تقسیم کے اجزائے مختلف اور صوبے جن کے وہ جزو ہیں، وہ سب مستطیل شکل کے ہیں جو ایک ہی عام اصول پر بنائے گئے ہیں، لیکن ممالک متحدۂ امریکہ کی بیشتر دولتہائے عامہ میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ

اسے پرگنوں میں منقسم کر دیا گیا ہے خواہ ان کے حدود ہموار و یکساں ہوں یا نہوں، اور انھیں پرگنوں کو ملا کر صوبے بنا دئے گئے ہیں بعض ریاستوں میں جیسے کہ نیو انگلینڈ کی ریاستیں ہیں، پرگنے پہلے قائم ہوئے ہیں اور بعد میں انھیں پرگنوں کو ملا کر ضلع بنائے گئے ہیں، لیکن جنوب میں صورت حال اس کے بالکل برعکس ہے۔ یعنی قدیمی رقبہ ضلع کا تھا اسے بعد میں پرگنوں میں منقسم کر دیا گیا ہے۔ زیادہ جدید ریاستوں میں قصبات و اضلاع ساتھ ساتھ بنائے اگئے ہیں، لیکن ممالک متحدۂ امریکہ کی مقامی حکومت کے رقبوں کا خاص وصف یہ ہے کہ بڑے رقبے چھوٹے رقبوں کے مضاعف ہیں یعنے بڑے رقبوں کے اندر چھوٹے رقبے بتمامہ داخل رہتے ہیں اور قصبوں کے حدود ضلعوں کے حدود سے خارج نہیں ہوتے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک پرگنے کے کل باشندے ایک ہی ضلع سے تعلق رکھتے ہیں، اس کا بہت قوی اثر مقامی مالی ذمہ داری کی ترتیب و تقسیم میں نظر آتا ہے۔

ممالک متحدۂ امریکہ کی طرح فرانس میں بھی رقبوں کی تقسیم اضافی قاعدہ سے ہے، لیکن عام ترتیب میں تاریخی بلدیہ (کمیون) کسی قدر ابتری کا سبب ہو جاتے ہیں ممکن ہے کہ ایک حلقے میں مختلف کمیون (بلدیات) ہوں (جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے کیونکہ کمیونوں کی مجموعی تعداد چھتیس ہزار ہے) یا پیرس کی طرح ایک ہی کمیون میں کئی حلقے ہوں۔ لیکن ماورائے کمیون کل رقبے ایک دوسرے کے اندر داخل ہیں، کینٹن (پرگنہ) جو محض انتخابی و عدالتی حلقہ ہوتا ہے، حکومت کا مستقر نہیں ہوتا، بلکہ وہ ہر جگہ حلقہ (Arrondissement) کا جزو ہے اور موخر الذکر خود سب سے بڑے رقبہ یعنے صوبہ (Department) کا حصہ ہوتا ہے۔ کمیون کو مستثنی کرنے کے بعد باقی اور تمام رقبوں سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ قصداً ترتیب دئے گئے ہیں، اور کسی حد تک ملک کی تاریخی تقسیم کو بھی ان پر نثار کر دیا گیا ہے، فرانس کے انقلابی دور کی پہلی قومی پارلیمنٹ یعنی جمعیت ترکیبی (Constituent assembly) نے سنہ ۱۷۹۰ء میں، انھیں ترتیب دیا تھا، اس کا

اندازہ کچھ اس حقیقت سے بھی ہوتا ہے کہ تمام صوبے کم و بیش برابر رقبہ کے ہیں، اس دور کے بعض انتہا پسند ترتیب کنندہ اشخاص یہ چاہتے تھے کہ فرانس کو چند مستطیل رقبوں میں منقسم کر دیا جائے جو سب کے سب بالکل ہی یکساں و مساوی ہوں اور ملک کی جغرافی ہئیت اور صوبوں، شہروں اور حلقوں کے تاریخی روایات و تعلقات کا مطلق لحاظ نہ کیا جائے، لیکن ایسا ہوا نہیں، اور صوبے جس طرح بنائے گئے وہ بہت کچھ ملک کی طبعی خصوصیات کے موافق ہیں اور ان کے اندر یا ان کے قریب کے پہاڑوں، دریاؤں اور خلیجوں کے نام پر ان کے نام رکھے گئے ہیں۔

انگلستان میں بلکہ فی الواقع تمام جزائر برطانیہ کے مقامی حکومت کے رقبوں میں جیسی شدید ابتری پیدا ہوگئی ہے وہ انیسویں صدی کے لاینحل انتظامی مسائل میں ایک اہم مسئلہ بن گیا ہے۔ سیکسن زمانہ میں قصبہ، حلقہ (Hundred) اور صوبہ سیدھے سادہ طور پر ایک اضعافی اصول پر مبنی اور ان میں مقامی خود اختیار جماعتیں قائم تھیں۔ لیکن حلقے (ہنڈریڈ) زوال پذیر اور پرگنے (پیرش کا مذہبی نام اختیار کر کے) بے ترتیب ہوتے گئے اور اپنا ملکی (سول) اختیار بہت کچھ کھو بیٹھے اور قصبہ اور پرگنے (Township) صوبے کی مقامی حکومت خود اختیاری کے بجائے اولاً تو بادشاہ کے ناظم ضلع (Sheriff) کی نگرانی قائم کی گئی اور آخر میں مقامی ناظمان امن کے تقریباً ہمہ گیر انتظامی اختیارات کے حلقہ بنا دئے گئے۔ خبر گیری غربا، شاہراہ عام، قبرستان، حفظان صحت، مدارس وغیرہ کے ایسے خاص مقاصد کے لئے، خاص خاص رقبوں کا اضافہ کیا گیا تھا جنھیں پیرش (حلقہ) یا ضلع کے حدود سے کچھ ایسا تعلق نہیں تھا اور ان کی حکمراں جماعتیں بھی الگ تھیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان اصلاحات کے قبل تک جن کا ذکر بعد میں آوے گا کامل ابتری پھیلی ہوئی تھی۔ ونچسٹر کے جج ڈاکٹر ولیم، دجر[1] نے اس حالت کا نقشہ ان الفاظ میں

---

[1] حکومت مقامی (Local Government) سنہ ۱۹۰۱ء یہ ایک بہت اعلیٰ درجہ کی

کھینچا ہے کہ ”سنہ ۱۸۸۳ء میں انگلستان و ویلز حکومت مقامی کے اغراض کے لئے حسب ذیل رقبوں میں منقسم تھے“، ۵۲ صوبے۔ ۲۳۹ ذی اختیار بلدیات، ۷۰ ترقی بلدہ کے حلقے، ۱۰۰۶ شہری حفظان صحت کے حلقے، ۴۱ حفظان صحت کے جماعت حکام کے حلقے، ۵۷۷ دیہاتی حفظان صحت کے حلقے، ۲۰۵۱ انتظام مدارس کے حلقے، ۶۴۹ اتحادات (Unions) ۱۹۴ روشنی و نگہبانی کے حلقے، ۱۴۹۴۶ قانون پرورش غربا کے پیرشس (حلقہ) ۵۰۶۴ (ان) شاہراہوں کے پیرش (جو شہری یا حلقۂ شاہراہ کے حدود میں داخل نہیں تھیں) اور ۱۳۰۰۰ کے قریب مذہبی پیرش تھے۔ ان مقامی جماعتہائے ذی اختیار کی مجموعی تعداد جو انگلستان کے ابواب ادا کرنے والوں پر محصول لگاتی تھیں ۲۷۰۶۹ اور وہ اٹھارہ مختلف طریقوں سے ان پر محصول عائد کرتی تھیں“۔ ایک بے حقیقت سے استثنیٰ کے سوا تمام مختلف رقبے ایک دوسرے کے اندر داخل و شامل تھے“۔ اس طرح جو الجھاؤ پیدا ہو گیا تھا اسے رفع کرنے کے لئے جو ذریعہ اختیار کیا گیا ہے اس پر بعد کے ایک فقرے میں بحث کیجائے گی۔

نمبر۴ مقامی حکمراں جماعتوں کی ہیئت ترکیبی۔ ممالک متحدہ امریکہ

اب ہمیں مقامی حکمراں جماعتوں کی ہیئت ترکیبی، ان کے اختیارات اور مرکزی حکومت سے ان کے تعلقات کی نسبت غور کرنا چاہئے۔ یہاں ہمیں ان جماعتوں کی ترتیب کے دو طریقے ملتے ہیں جو ایک دوسرے سے بہت ہی مغائر ہیں۔ ان میں سے ایک طریقہ تو لامرکزیت یا تفرد مقامی کا ہے، اس طریقہ میں مقامی معاملات کی نگرانی عہدہ داروں کی ایک جماعت کو تفویض کردیجاتی ہے جنھیں خود اسی مقام کے لوگ منتخب کرتے ہیں۔ چند عام ضوابط کے تحت میں جو یا تو مرکزی حکومت کی طرف سے ہوتے ہیں یا نظام ترکیبی کے اختیارات میں داخل ہوتے ہیں (یعنی ایک تحریری نظام سلطنت میں درج

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:- کتاب ہے مگر اس میں صرف انگلستان کی مقامی حکومت سے بحث کی گئی ہے۔

ہوتے) جن پر مرکزی و مقامی دونوں ادارات کو کاربند ہونا پڑتا ہے، باشندوں کو اپنے مقامی معاملات کے انتظام کا کلی اختیار دیدیا جاتا ہے۔ دوسرا طریقہ مرکزیت کا ہے۔ اس طریقہ میں، مقامی معاملات کا انصرام ایک بڑی حد تک ان عہدہ داروں کی نگرانی میں ہوتا ہے جن کا تقرر مرکزی حکومت کی جانب سے ہوتا ہے۔ مقدم الذکر طریقہ اپنی مکمل صورت میں ممالک متحدۂ امریکہ کے اندر رائج ہے اور اس سے کچھ اتر کر انگلستان میں، موخر الذکر یا مرکزی طریقہ فرانس میں مروج ہے۔ سلطنت پرشیا میں[1] دونوں کو ملاکر ایک سمویا ہوا طریقہ اختیار کیا گیا تھا۔ مختلف ممالک میں جو حکمراں جماعتیں اس طرح پر قائم ہوئی ہیں ان کے ایک مختصر تبصرے سے ہمیں ان دونوں طریقوں کے محض سیاسی اغراض اور ان کے باہمی عیب و صواب کے فیصلہ کرنے میں مدد ملے گی۔

ممالک متحدۂ امریکہ کے اندر شمالی و جنوبی و نیز نئی ریاستوں میں سب جگہ مقامی تفرد کا طریقہ رائج ہے، لیکن اس کی ظاہری صورت میں مختلف مقامات میں کچھ کچھ اختلاف پایا جاتا ہے۔ نیو انگلینڈ کی ریاستوں میں مقامی حکومت کے اولین رقبے وہ تاریخی پرگنے ہیں جن کی بنا ابتداءً تارکان وطن کی مشترکہ اقامت سے پڑی تھی۔ براہ راست قانون سازی کے سلسلہ میں اس کی حکمرانی کے حالات ایک سابق باب میں مذکور ہو چکے ہیں۔ اس کی حکومت کا اصلی نظم اس کے تمام رائے دہندوں کا عام جلسہ ہے جسے "جلسۂ پرگنہ" کہتے ہیں۔ جن مقامات کی آبادی اس قدر بڑھ گئی ہے کہ اس صورت حکومت کا عمل میں لانا دشوار ہو گیا ہے وہاں

---

[1] پرشیا میں مقامی حکومت کی بحث کا تعلق شاہی پرشیا کی قبل جنگ کی حالت سے ہے۔ اس جنگ کے نتیجہ کے طور پر پرشیا کا رقبہ بہت گھٹ گیا ہے اور اس میں بہت سے اندرونی تغیرات ایسے ہو گئے ہیں کہ ممکن ہے کہ وہ دائمی صورت اختیار کریں یا نکریں۔

"جلسۂ پرگنہ" کے بجائے منتخب شدہ بلدی حکومت قائم کردی گئی ہے۔ چنانچہ مسیناچوسٹس میں بارہ ہزار سے اوپر کی آبادی کے قصبوں میں حکومت بلدیہ قائم کردی گئی ہے، لیکن کم آبادی کے رقبوں میں جلسۂ پرگنہ کا وجود اب بھی باقی ہے۔ اس کا انعقاد سال میں ایک مرتبہ بالعموم موسم بہار میں ہوتا ہے مگر کلونکٹیکٹ میں باقاعدہ جلسہ موسم خزاں میں ہوا کرتا ہے، اسکے علاوہ بشرط ضرورت غیر معمولی جلسے بھی ہوسکتے ہیں۔ اس کا کام یہ ہے کہ سال آئندہ کے لئے قصبہ کے عہدہ داروں کا انتخاب کرے، متوقع اخراجات کے لئے رقم کی منظوری دے، تشخیص محصول کا اصول قائم کرے اور دوسرے مقامی معاملات جو اُس کے روبرو پیش ہوں ان کا تصفیہ کرے۔ جس زمانہ میں جلسۂ پرگنہ اجلاس نہیں کرتا ہوتا، اس زمانہ میں اس کے اختیارات اس کے منتخب کردہ عہدہ داروں کی جانب منتقل ہو جاتے ہیں۔ یہ عہدہ دار چیدہ اشخاص کی جماعتیں ہیں، جن کی تعداد باختلاف حالات تین سے نو تک ہوتی ہے۔ اس جماعت میں اہلکار قصبہ جو قصبہ کے کاغذات وغیرہ محفوظ رکھتا ہے، خزانچی اور مشخص جنھیں یہ اہم فرض سپرد ہوتا ہے کہ محصول جمع کرنے کے لئے پرگنہ کی جائداد کی قیمت قرار دیں، ان کے علاوہ ایک محصل، مجلس مدرسہ کے ارکان اور دوسرے چھوٹے چھوٹے عہدہ دار شامل ہوتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ طریقہ پرگنے کو ایک مکمل مقامی عمومیہ بنا دیتا ہے گویا جمہوریت کے اندر ایک دوسری جمہوریت قائم ہو جاتی ہے۔ پرگنے کے معاملات کے متعلق ریاست کے اعلیٰ عہدہ داروں کے اختیارات اقل قلیل حد پر آجاتے ہیں لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ امریکی طریقہ میں خود ریاست کا نظام حکومت مقامی عہدہ داروں کے اختیارات کی روک کا کام دیتا ہے، کیونکہ، اس نظام حکومت میں ان کے اختیارات کے حدود معین کردئے گئے ہیں، اور اکثر ان کے محصول لگانے کے اختیار کی انتہائی حد کو بھی ظاہر کردیا ہے، اور یہ بھی بتا دیا ہے کہ کس صورت سے انھیں محصول لگانے کا اختیار ہے۔ اگر وہ اپنے جائز اختیارات سے

تجاویز کریں تو عدالتی چارہ جوئی کے عام دستور سے کام لیا جا سکتا ہے۔ پرگنے سے وسیع تر رقبہ یعنی ضلع، نیو انگلینڈ میں محض پرگنوں کا مجموعہ ہے جس کی حکمرانی کے اختیارات ایک منتخب شدہ جماعت کے ہاتھ میں ہوتے ہیں اور ان کے فرائض بہت ہی محدود ہوتے ہیں۔ میساچوسٹس میں تین کمشنر (مامور) ہوتے ہیں جن میں سے ہر سال ایک کا انتخاب ہوتا ہے اور وہ تین برس کام کرتے ہیں۔ ان کے فرائض یہ ہوتے ہیں کہ اس طریقہ کے موافق جس کی بحث آئندہ ہوگی، اغراض ضلع کے لئے پرگنوں سے حصۂ رسدی محصول وصول کریں، ضلع کی عمارات تعمیر کرائیں اور اُن پر نگرانی رکھیں، ضلع کی سڑکوں کو درست رکھیں، اجازت نامہ وغیرہ عطا کردیں۔

جنوب میں ضلع و پرگنے کی حیثیت بالکل الٹ گئی ہے۔ ضلع ایک تاریخی رقبہ ہے جو ابتداءً عدالتی اغراض کے لئے کام میں لایا جاتا تھا اور بعد کو دوسرے انتظامی فرائض اُس کے موافق انجام پانے لگے۔ پرگنہ ضلع کی بعد کی تقسیم در تقسیم کو ظاہر کرتا ہے خاص کر ابتدائی مدارس کے قیام کے اغراض کے لئے مگر بعض ریاستوں میں صرف ضلعے ہیں، پرگنے بالکل نہیں ہیں۔ جنوبی اضلاع کی تنظیم مقامی تفرد کی بنیاد پر قائم ہے۔ ضلع کی حکومت اولاً کمشنران ضلع (مامورین ضلع) کی ایک منتخب شدہ جماعت کے ہاتھ میں ہے۔ جس کے ساتھ ایک خزانچی، غربا اور تعلیم کے نگراں، شیرف اور دوسرے عہدہ دار شریک کردئے گئے ہیں۔ جہاں کوئی قصبہ نہیں ہے وہاں بھی ضلع کے کمشنر تمام مقامی نظم ونسق (یعنی سڑک، محتاج خانہ، قید خانہ وغیرہ) کا انصرام کرتے ہیں۔ جہاں پرگنے قائم کردئے گئے ہیں وہاں ان کے منتخب کردہ عہدہ داروں کو جو اختیارات تفویض ہوئے ہیں وہ ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں۔

بحر اوقیانوس کی وسطی ریاستوں اور کوہستان الیگینی کے مغرب میں پرگنے یا ضلع کسی کو بھی ایک دوسرے پر وہ تفوق نہیں

حاصل ہے جیسا کہ نیو انگلینڈ یا جنوب میں نظر آتا ہے۔ پرگنے اور ضلع دونوں موجود ہیں اور قوم کے منتخب کردہ عہدہ دار، ان پر حکمراں ہیں اور مقامی حکومت کے کاموں کو وہ ان کی نوعیت کے اعتبار سے آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں۔ تاریخی حیثیت سے کہیں ایک کو تقدم حاصل ہے اور کہیں دوسرے کو، نیو یارک، پنسلوینیا، ڈلاویر اور نیو جرسی میں پرگنہ اصلی رقبہ تھا، یعنی آبادکاری کی بنا پر وہ اپنی انتظامی منفردہ حیثیت رکھتا تھا اسی وجہ سے ہم اب تک یہ دیکھتے ہیں کہ نیو یارک کے دیہاتی مقامات میں مجلس پرگنہ جسٹس آف دی پیس (ناظم امن) کے زیر صدارت سالانہ منعقد ہوا کرتی ہے اور اپنے عہدہ داروں کا انتخاب کرتی اپنے ضوابط منظور کرتی اور اجرائے محصول کی منظوری دیتی ہے۔ مگر بحر اوقیانوس کی وسطی ریاستوں میں "رائڈنگ" (ثلث ضلع) کی شکل میں ایک وسیع تر اور مصنوعی رقبہ کے موجود ہونے سے حکومت اضلاعی کے رائج کر دینے کا کام لیا گیا ہے۔ شمال مغربی ریاستوں میں ضلع بالعموم پرگنے سے مقدم رہا ہے۔ الینائس میں جس کے جنوبی آبادکاروں کا بیشتر حصہ ابتدائی زمانہ میں ورجینیا سے آیا تھا، وہاں ضلع کا قیام پہلے ہوا، لیکن اور بہت سی بڑی ریاستوں کی طرح یہاں بھی انضباط مدارس کی ضروریات سے قصبہ کی حکومت قائم کرنے کی حاجت پیش آئی۔ موتمر کے حکم سے پیمائش اراضی کا جو طریقہ اختیار کیا گیا (اور جو سنہ ۱۷۸۵ء کے قانون اراضی سے شروع ہوا)، اس کے بموجب تمام جدید ولایات میں چھ چھ میل طول و عرض کے مربع بنائے گئے، اور اس طرح ہر مربع میں چھتیس مربع میل زمین شامل کی گئی۔ ہر مربع میں قومی حکومت نے ایک ایک میل مربع اراضی مدرسۂ عامہ کے اخراجات کے لئے گویا وقف کر دی ہے۔ پس اس طرح یہ صورت پیش آئی کہ اکثر حالتوں میں "پرگنے" کا لفظ اول اول اس چھ میل مربع کے خطہ کی بابت بولا جانے لگا۔ بعد میں جب نوآبادی بڑھی تو بالطبع قصبہ کے معاملات عامہ کے لئے عہدہ داروں کا انتخاب ہونے لگا، مگر اور ریاستوں میں اگرچہ پرگنے کے پہلو بہ پہلو ضلع بھی

موجود تھا مگر ابتدا سے پرگنہ ہی مقامی حکومت کا خاص رقبہ بنا رہا۔ چنانچہ مچیگن میں جس کے پہلے آباد کار نیو انگلینڈ سے آئے تھے، یہی ہوا کہ وہ لوگ اپنے مقامی ادارات کو بھی اپنے ساتھ لیتے آئے۔ مجلس پرگنہ کا رواج مچیگن میں تقریباً ویسا ہی ہے، جیسا میساچوسٹس میں ہے۔ خود پرگنے کے اندر اکثر ماتحت رقبہ کے طور پر مدرسہ کے حلقہ پائے جاتے ہیں، جن کے عہدہ دار (امین، ناظم وغیرہ) جداگانہ منتخب ہوتے ہیں جو مدرسوں کا تقرر کرتے اور عمارت وغیرہ کے مصارف کی نگرانی کرتے ہیں، مگر یہ عام قاعدہ نہیں ہے کیونکہ میساچوسٹس اور پنسلوینیا وغیرہ کے ایسے بہت سے مقامات میں، مدرسہ کے حلقے قصبہ ہی میں ملادئے گئے ہیں۔

حکومت کے جن طریق کار کا ملک کے دیہاتی حصص میں عمل دخل ہے وہ صرف یہی مذکورۂ بالا ادارات ہیں، مگر ان کے علاوہ شہری ادارات بھی ہیں جن میں شہر، قصبہ، گاؤں، اور پنسلوینیا میں ذی اختیار بلدیات (Boroughs) داخل ہیں۔ ان کی حکومت کی قطعی صورت ہر ایک ریاست میں جداگانہ ہے۔ بلاد و قصبات وغیرہ کبھی تو کسی عام قانون یا دستور کی کسی دفعہ کے موافق مرتب کئے جاتے ہیں، جس کی رو سے یہ ممکن ہوتا ہے کہ کوئی مقام جس میں آبادی ایک خاص حد کو پہنچ گئی ہو وہ اپنی بلدی حکومت قائم کرلے، اور کبھی ان کے نظم ونسق کی ہیئت مجلس مقننہ کے کسی خاص قانون کے موافق عطا ہوتی ہے۔ یہ کہنا کم و بیش صحیح ہے کہ بڑے بڑے شہروں کے متعلق خاص قانون نافذ ہوتے ہیں اور چھوٹے چھوٹے مقامات ایک ہی عام قانون کے تحت میں آجاتے ہیں۔ مگر ان تمام صورتوں میں حکومت کی حالت عمومی ہوتی ہے اور بلدیے کو حکومت خود اختیاری حاصل ہوتی ہے۔ شہر کی نگرانی ان عہدہ داروں کے ہاتھ میں ہوتی ہے جن کا انتخاب باشندگان شہر میں سے وہ لوگ کرتے ہیں جو رائے دینے کے مجاز ہوتے ہیں، یا اگر خود ان کا انتخاب براہ راست نہیں ہوتا تو کم از کم یہ ہوتا ہے کہ ان کا تقرر اس شخص

کی طرف سے ہوتا ہے جو خود منتخب کردہ ہوتا ہے۔ امریکہ کے شہروں کی حکومت اپنی ہیئت ترکیبی میں ریاستوں کی حکومت سے مشابہ ہے۔ اس کا سرگروہ ایک منتخب شدہ صدر بلدہ ہوتا ہے وہی اس کا اعلیٰ کارکن عہدہ دار ہوتا ہے، اس کے ساتھ ایک بہت بڑی تعداد ماتحتوں کی ہوتی ہے، جن میں سے کچھ تو منتخب شدہ ہوتے ہیں، اور کچھ مقرر کردہ اس کے علاوہ مجلس بلدیہ ہوتی ہے جسے مجلس وضع قوانین کی طرح قانون سازی کے حقوق حاصل ہوتے ہیں جو بالعموم دو قسم کے ارکان سے مرکب ہوتی ہے ایک آلڈرمین اور دوسرے مشیر جو مختلف میعاد اور مختلف حلقوں کی طرف سے منتخب ہوتے ہیں۔ زیادہ سابق زمانہ میں حکام عاملانہ کی طرف سے بدظنی اور جماعت وضع قوانین کو اختیار مطلق کے تفویض کرنے کے خیالات یقین کے درجہ تک پہنچ گئے تھے اور اسی میلان طبع کا نتیجہ تھا کہ اختیارات کا بیشتر حصہ کونسل (مجلس بلدیہ) کے ہاتھ میں دے دیا گیا اور میر بلد کو اختیار تمیزی تاحد امکان عطا کیا گیا۔

لیکن اس معاملہ میں عام رائے کے تغیر نے (جس کا تذکرہ ایک سابق باب میں ہوچکا ہے) اب صورت حال کو بالکل بدل دینے کی روش اختیار کی ہے۔ اختیارات کی ایک پوری جماعت کے بجائے ایک شخص واحد کے ہاتھ میں مجتمع ہونے سے قطعی ذمہ داری کی ایک صورت پیدا ہوجاتی ہے، ایک شخص جو اپنے عہدہ پر منفرد ہونے کی وجہ سے نمایاں حیثیت رکھتا ہو، جو یہ سمجھتا ہو کہ ذمہ داری تنہا اسی پر ہے اور کسی غفلت کے الزام کو وہ کسی اور کے سر نہیں ڈال سکتا اور اس کے ساتھ ہی بیکار مباحث اس کے اختیارات کے عمل میں لانے کے سدراہ نہ ہوتے ہوں، ایسا شخص باغلب وجوہ اس کمیٹی سے زیادہ کار آمد ثابت ہوگا جسکے ارکان اپنی مشترکہ غلطیوں کو ایک دوسرے کے سر ڈال سکتے ہوں۔

مثلاً بوسٹن میں (سنہ ۱۹۱۰ء کے منشور کے مطابق) نظم و نسق کا تمام کام ایک میر بلد کے ہاتھ میں ہوتا ہے، جس کا انتخاب چار برس کے لئے ہوتا ہے

(مگر دو برس کے بعد وہ علیحدہ کیا جا سکتا ہے) اور اس کے ساتھ نو ارکان کی ایک مجلس بلدیہ ہے، جو سب کے سب تین برس کے لئے منتخب ہوتے ہیں، میر بلد کو کونسل کے قوانین کو نامنظور کر دینے کا حق حاصل ہے، اور تقریباً تمام محکموں، مجلسوں اور کمیشنوں کے صدر کا تقرر وہی کرتا ہے۔

نیویارک کے منشور کے مطابق جس کی ترمیم ۱۹۰۱ء میں ہوئی ہے شہر کی حکومت ایک میر بلد اور تہتر آلڈرمین کی ایک مجلس کی تفویض میں ہوتی ہے، میر بلد اور آلڈرمین دونوں کا انتخاب چار ہی چار برس کے لئے ہوتا ہے۔ میر بلد کو بہت وسیع اختیارات حاصل ہیں۔ وہ حقوق بلدی کے کسی عطیہ کو قطعاً نامنظور کر سکتا ہے اور آلڈرمین کی مجلس کے معمولی قوانین کے متعلق بھی ایک گونہ نامنظوری کا حق رکھتا ہے۔ آگ، تعلیم، آبرسانی وغیرہ کے پندرہ محکمجات میں سے چودہ محکموں کے افسر اعلیٰ کا تقرر وہی کرتا ہے اور ان میں سے اکثروں کو برطرف کر دینے کا بھی اختیار رکھتا ہے۔ وہی ملازمت دیوانی کے کمشنروں کا بھی تقرر کرتا ہے۔ نیویارک کے ہر ایک ذی اختیار بلدیہ (Broughs) کے علیحدہ علیحدہ صدر ہیں جو سڑکوں، نالیوں وغیرہ کے انتظام کی نگرانی کرتے ہیں[1]۔ بیسویں صدی کے عشرات ابتدائی میں شہری نظم و نسق کی ایک نمایاں ترقی اس طریقہ کے روز افزوں رواج سے ہوئی ہے جسے عام طور پر حکومت کا طریق کمیشن (طریق ماموریت) کہا جاتا ہے۔ یہ نتیجہ تھا ان خاص کمزوریوں کا جو انتخابی مجالس کے قدیم تر طریقہ کے تحت میں ترقی کرتی رہی تھیں، اور جدید شہروں کے وسیع اخراجات اور ان کے پیچ در پیچ فنی کاموں کی وجہ سے روز بروز بڑھتی جاتی تھیں۔ یہ واضح ہو گیا تھا کہ کسی بڑی کونسل کے ارکان جن کا انتخاب ایک مختصر میعاد کے لئے قلیل معاوضہ پر خاص خاص حلقے کے لئے ہوا ہو، ان میں فرداً فرداً ذمہ داری کے موزوں

---

[1] اس موضوع پر وی، بی، منرو کی کتاب: - امریکی بلدیات کی حکومت ۱۹۱۳ء کا مطالعہ کیا جائے۔

احساس کی کمی پائی جاتی تھی، اور وہ اس جانب راغب ہو جاتے تھے کہ وہ اپنے عہدے کو محض اپنے اثر و اختیار کا ایک وسیلہ سمجھتے بلکہ اسے ناجائز نفع کا بھی ایک ذریعہ بنا لیتے تھے۔ انھیں جو معاوضہ ملتا تھا اسکی قلت مقدار اس امر کی مانع تھی کہ ارکان اپنا سارا وقت اپنے شہری فرائض میں صرف کریں یا شہری ادارات کے ضابطہ پیمائیوں کے مطالعہ میں مشغول ہو جائیں۔ طریق ماموریت کے تحت میں اس قسم کی مجالس کو جزءً یا کلاً دبا کر وہ جماعتیں قائم کی گئی ہیں، جنھیں کمیشن (ماموریات) یا مجالس نگرانی وغیرہ کہتے ہیں۔ ان مجلسوں کے عہدہ دار تعداد میں نسبتاً کم ہوتے ہیں، ان کا تقرر زیادہ وسیع میعاد کے لئے ہوتا ہے اور ان کی تنخواہیں اتنی ہوتی ہیں کہ وہ تمام تر یا ایک بڑی حد تک شہری کاموں میں اپنا وقت صرف کر سکتے ہیں جیسا کہ صدر بلدیہ کا حال ہے کہ اس کی ذمہ داری اور وسیع اختیارات اس لئے ہیں کہ وہ اپنے محنت طلب کام اور پر صعب خدمت کو جوش کے ساتھ انجام دے۔ یہ طریقہ اور اس کے ساتھ قوم کی عام رائے کو توثیق و واپسی کا ذریعۂ کار بنا دینے سے شہروں کی عمومی حکومتوں میں ایسے طرز پر ترمیم ہو گئی ہے جو اس جدید عمومیت کے ابتدائی حالات میں بالکل نامعلوم تھے۔ ان میں بھی آگے چل کر اس کے خاص نقائص پیدا ہو جائیں گے اور کوئی سا بھی "طریق" ہو اس کی محض "تجویز" رشوت و خرابی کا سد باب نہیں کر سکتی۔ اس خرابی کا مقابلہ صرف شہری نکوکاری اور رائے عامہ کی قوت سے ہی ہو سکتا ہے۔ لیکن سر دست ماموری حکومت ایک نیا جاروب ہے جو صاف جھاڑ دیتا ہے[1]۔

شہری حکومت کے سلسلہ میں سب سے اہم سوال اسکی ہیئت ترکیبی کا

---

[1] طالب علم ای۔ اس۔ بریڈفرڈ کی تصنیف "امریکی شہروں میں ماموری حکومت (Commission Government in the American Cities) سے مدد لے سکتا ہے۔

نہیں ہے بلکہ اس کے وسعت عمل کا ہے، یعنے کس قسم کے فرائض عامہ وہ اپنے ذمہ لے، مثلاً یہ کہ وہ بطور خود روشنی اور گاڑیوں وغیرہ کا انتظام کرے یا نکرے لیکن اس مبحث پر آیندہ چل کر ایک باب میں غور کیا جائے گا۔

۴۔ انگلستان:۔ یہ ظاہر ہو چکا ہے کہ امریکی حکومت مقامی کی ممیز خصوصیت یہ ہے کہ اس میں طریق تفرد یعنے حکومت خود اختیاری ایک بڑی حد تک دائر و سائر ہے، انگلستان کی حکومت مقامی جس طرح حال میں از سر نو ترتیب دی گئی ہے، اس میں بھی اب یہی خصوصیت نظر آتی ہے، مگر انیسویں صدی کے نصف آخر کے تجدیدی قوانین کے قبل تک یہ حالت نہ تھی۔ مقامی اختیارات کا بہت بڑا حصہ ناظمان امن کے ہاتھ میں دیدیا گیا تھا، اگرچہ اختیارات کل کے کل ایک ہی مرتبہ میں نہیں دئے گئے تھے بلکہ بتدریج تفویض ہوئے تھے، ان عہدہ داروں کے فرائض اس قدر کثیر ہو گئے تھے کہ ان کا شمار اس کے سوا اور کسی طرح نہیں ہو سکتا کہ حروف تہجی کے اعتبار سے ان کی فہرست بنا دی جائے، ان میں اس قسم کے اہم معاملات شامل تھے جیسے ضلع کے ابواب (Rates) کا عائد کرنا، منشیات کے لئے اجازت نامے دینا، محتاج خانوں، پاگل خانوں وغیرہ کا انتظام کرنا، قید خانوں کی نگرانی کرنا، اپنی عدالتی حیثیت سے یہ عہدہ دار فوجداری کے مقدمات کا بھی فیصلہ کرتے تھے، ناظم امن جو ضلع کے لارڈ لفٹنٹ (نائب السلطنت) کے مشورے سے بادشاہ کی طرف سے مقرر ہوتا تھا وہ مقامی حکومت خود اختیاری کے اصول کی نمایندگی نہیں کرتا تھا بلکہ وہ مرکزی حکومت کا نامزد کردہ شخص ہوتا تھا اور اکثر صورتوں میں اس کے کسی ایک محکمہ مثلاً مجلس حکومت مقامی یا مجلس تجارت وغیرہ کے کارکن کے طور پر کام کرتا تھا۔ ان ناظمان امن کے علاوہ انیسویں صدی کے دوران میں اور بھی بہت سی مختلف خاص جماعتیں قائم کی گئی تھیں جن کے دوائر عمل، وہی متصادم رقبے تھے جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ (۱۸۳۴ء کے ترمیم قانون غربا کے موافق) متولیوں کی ایک مجلس

(بورڈ) کو پیرشوں کے ایک "مجموعہ" کے اندر جس قدر غریب ہوں ان کی خبر گیری سپرد کردی گئی، یہ مجلس مقامی ناظمان امن کے ساتھ منتخب شدہ ارکان کو ملا کر بنائی گئی تھی سنہ ۱۸۵۲ء (اور دوسرے سنوں) کے قوانین تدفین کی رو سے مجالس تدفین بنائی گئی تھیں، یہ انتخابی جماعتیں ہوتی تھیں جو ایک پیرش یا اور بڑے حلقوں میں کام کرتی تھیں۔ سب سے آخر میں سنہ ۱۸۷۰ء میں مدارس کے حلقوں کا اضافہ ہوا جن میں مدرسوں کی امتحانی مجلسیں قائم ہوئیں۔ پیرش خود ایک مذہبی حلقہ کے طور پر برقرار رہا مگر اپنے عہدہ داروں یا اپنے محصول دہندگان کے جلسوں کے توسط سے چھوٹے چھوٹے فرائض کو بھی انجام دیتا رہا۔ یہ اور اسی قسم کی اور جماعتوں کے ذی اختیار کارکنوں کی وجہ سے ایک آشوبی کیفیت پیدا ہو گئی تھی کیونکہ ان کے حدود اختیارات اس طرح ایک دوسرے میں خلط ملط ہو گئے تھے کہ ان کی تفریق مشکل تھی۔ ان کی ہیئت ترکیبی ایسی تھی کہ اس سے مقامی حکومت خود اختیاری کی کارروائی کو کچھ وسعت نہیں حاصل ہوتی تھی۔ شہروں اور قصبوں کی حکومت جس نے خاص خاص منشور کے تحت میں نشو و نما پایا تھا اور اکثر باشندوں کے ایک بہت ہی قلیل حصہ کے ہاتھ میں ہوتی تھی (اور کبھی کبھی ایک بہت ہی محدود جماعت کے قبضہ میں آجاتی تھی) وہ بھی بہت بری طرح خلط ملط ہو گئی تھی اور حکومت عامہ کے تمام اصولوں سے بے انتہا مغائر تھی۔

اگرچہ قدیمی ابتری کا بہت بڑا حصہ کم از کم اہل امریکہ کے نقطۂ نظر سے، بدستور باقی ہے لیکن پھر بھی انگلستان میں حکومت مقامی کے قابل تعریف بنیاد پر قائم کرنے کے لئے بہت کچھ کیا گیا ہے، اور خاص مقاصد نظر میں رکھے گئے ہیں، ایک تو رقبوں کی درستی و اصلاح اور دوسرے مقامی حکومت خود اختیاری کا شیوع۔ اسی مقصد کو پیش نظر رکھکر مسلسل اصلاحی قوانین نافذ کئے گئے ہیں:۔ سنہ ۱۸۳۵ء و سنہ ۱۸۸۲ء کے قوانین جماعت ہائے بلدیہ، سنہ ۱۸۸۸ء کا قانون حکومت مقامی (جس کا تعلق زیادہ تر

حکومت صوبجات سے ہے) ۱۸۹۴ء کا قانون حکومت مقامی (پیرشوں اور دوسرے حلقوں کے لئے)۔ ۱۸۹۹ء کا حکومت لندن کا قانون اور ۱۹۰۲ء کا قانون تعلیمات یہ سب اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ اس اصلاح کا عام اثر یہ ہوا ہے کہ ناظمان امن اپنے عدالتی کاموں کی طرف ہٹا دئے گئے ہیں اور انتظامی فرائض میں سے بہت ہی کم فرائض ان کے ہاتھ میں رہ گئے ہیں، قدیم سیکسن طریقہ جس میں تین رقبے (قصبہ، پرگنہ، صوبہ) تدریجی وسعت کے ساتھ ہوتے تھے اور جس میں، حکومت خود اختیاری رائج تھی، اب پھر پیرش، پرگنہ، صوبہ کی شکل میں وہی رونما ہو رہا ہے۔ ضلع میں انتخابی کونسل (مجلس) قائم کی گئی ہے جس کے مقامی اختیارات بہت وسیع ہوتے ہیں۔ منتخب شدہ مجلس پرگنہ کے اختیارات، حفظ صحت، تقسیم اراضی، بعض اجازت نامہ اور چند اور امور کے متعلق ہوتے ہیں، جو پیرش (حلقہ) قصبوں کے اندر واقع ہیں اُن پر اس اصلاح کا اثر نہیں پڑا ہے۔ البتہ دیہاتی پیرشوں کو اب انتخابی حکومت خود اختیاری عطا کر دی گئی ہے۔ پیرش میں اگر تین سو سے کم باشندے ہوتے ہیں تو وہ اپنی حکومت کا کام ایک عام "جلسۂ پیرش" کے ذریعے سے انجام دیتے ہیں۔ یہ جلسے اسی طریق کے ہوتے ہیں جیسے امریکہ کے "جلسہ ہائے پرگنہ" ہوتے ہیں مگر ان کے اختیارات نسبتاً بہت کم ہوتے ہیں کیونکہ پیرش کے کاموں کا حلقۂ اثر خود بہت ہی مختصر ہوتا ہے۔ بڑے پیرشوں میں کونسل (مجلس) کا انتخاب ہوتا ہے۔ ۱۹۰۲ء کے قانون کے بموجب حلقۂ مدارس بالکل غائب ہو گیا ہے اور مدرسوں کا انضباط اور انکی نگرانی ضلع کی کونسل کی ایک کمیٹی کے سپرد کر دی گئی اور اس نے اپنے ماتحت ہر مدرسہ کے لئے[۱] مہتمموں کی ایک جماعت ذی اختیار قائم کر لی۔

---

[۱] اس قانون کے متعلق جو شدید مخالفت برپا ہوئی وہ ان قواعد کی اس صورت خاص کی وجہ سے نہیں پیدا ہوئی بلکہ واقعتاً اس مخالفت کا سبب یہ تھا کہ کلیسائی مدرسوں

ان اصلاحات نے شہروں اور قصبوں میں بھی میر بلد الڈرمین اور کاؤنسلروں کے تقرر سے حکومت خود اختیاری کی صورت پیدا کردی، مگر شہروں اور ضلعوں کے تعلقات (جن میں وہ شہر واقع ہیں) ہر جگہ یکساں نہیں ہیں (ساؤتھمپٹن وغیرہ کی طرح) بعض میں تو صوبوں کی طرح انتظام ہوتا ہے اور بعض (لورپول، منچسٹر اور ساتھ اور اضلاع کے قریب) بیرو کی طرح پرے ہیں اور وہ صوبوں کی حکومت سے بالکل جداگانہ ہیں۔ ان کے نیچے تدریجی اقسام ہیں جن پر درجہ بدرجہ حکام اضلاع کے اختیارات بڑھتے جاتے ہیں۔ لندن بجائے خود سب سے علیحدہ ہے۔ اسی کے اندر وہ چھوٹا سا مرکزی حصہ داخل ہے، جو (ایک میل مربع کے قریب ہے اور) شہر لندن کے نام سے مشہور ہے اور حسب دستور قدیم لارڈ میر اور کورٹ کے تحت حکومت میں ہے۔ کورٹ کا صدر لارڈ میئر ہوتا ہے اور ان کورٹوں میں مجلس عامہ کا ایک کورٹ ہے جو آلڈرمین اور کاؤنسلروں (مشیران) سے مرکب ہوتا ہے اور یہی خاص کورٹ ہے۔ اس سے خارج صوبۂ لندن'' کا وسیع رقبہ واقع ہے (جس کی آبادی سنہ ۱۹۱۱ء کی مردم شماری کے موافق ۴۵،۲۲،۹۶۱ نفوس کی تھی)[1] اور یہ رقبہ ایک منتخب شدہ مجلس صوبہ کے تحت اقتدار میں ہے۔ یہ تمام رقبہ (باستثنائے بلدۂ لندن کے) اٹھائیس ''مجلہائے دارالصدر'' میں منقسم ہے، جن میں سے ہر ایک میں ایک منتخبہ کونسل ہوتی ہے۔ ان مختلف اصلاحات کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اس تمام نظام میں مرکزی حکومت، منتخب شدہ مقامی حکومتوں کے تفرد کے حق میں اپنے سابقہ اقتدار و نگرانی

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ اور بورڈ اسکولوں کو ایک کردینے سے مدارس کلیسا کو بھی مقامی محصول کی آمدنی میں سے حصہ ملنے کا حق پیدا ہوگیا تھا۔ پس مخالفوں کی نظر میں اس کا ماحصل یہ تھا کہ یہ ایک تدبیر ہے جس سے ہر عقیدہ وخیال کے محصول دینے والوں کو خاص کلیسائے انگلستان کے مدارس کی امداد میں شریک ہونا پڑے،

[1] سنہ ۱۹۱۸ء میں اس کا تخمینہ ۴۵۲۱۳۰۱ کا تھا۔

سے دست بردار ہوگئی ہے۔ مرکزی حکومت نے اب بھی جو اختیارات اپنے لئے باقی رکھے ہیں وہ مجلس حکومت مقامی کے ہاتھ میں ہیں، اس مجلس میں ایک صدر اور دوسرے عہدہ داران کابینہ شامل ہوتے ہیں۔ صدر خود کابینہ کا رکن ہوتا ہے اور وہی کل اختیارات کو عمل میں لاتا ہے، دوسرے ارکان محض برائے نام اس کے ساتھ شامل کردئے جاتے ہیں، مگر اس بورڈ کے فرائض محض نگرانی ہی تک محدود ہوتے ہیں، وہ مقامی عہدہ داروں کا تقرر نہیں کرتا بلکہ اس کا خاص اہم فرض یہ ہوتا ہے کہ وہ ماتحت جماعتہائے حکمراں کی مالی کارروائیوں کی منظوری صادر کیا کرے۔

۵۔ فرانس :- فرانس میں حکومت مقامی کی نوعیت و کیفیت اس سے بالکل ہی مختلف ہے جو امریکہ و انگلستان میں پائی جاتی ہے۔ اس کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا مرکزی اقتدار بہت ہی بلند ہے اور تمام مقامی حکمراں جماعتیں بہت ہی بڑی حد تک مرکزی قومی حکومت کے تحت اثر میں ہیں۔ مثالاً ہم ایک فرانسیسی صوبہ کے نظم ونسق کو لیتے ہیں، جو مقامی رقبوں میں سب سے بڑا رقبہ ہوتا ہے۔ اس کا افسر اعلیٰ پریفکٹ (والی) ہوتا ہے جس کا تقرر وزیر داخلیہ کی سفارش پر رئیس جمہوریہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اس نے (رئیس جمہوریہ نے) پریفکٹ کے ساتھ ایک منتخبہ جماعت بھی شامل کردی ہے جو صوبہ کی مجلس عام کے نام سے مشہور ہے مگر اس کے اختیارات نہایت ہی محدود رکھے گئے ہیں۔ از روئے قانون اس کی باقاعدہ نشستیں سال میں صرف دو مرتبہ ہوتی ہیں، ایک نشست پندرہ روز کی ہوتی ہے اور دوسری ایک مہینہ کی، اسے فی الحقیقت محصول لگانے کا کوئی اختیار حاصل نہیں ہے کیونکہ جو رقم وہ خرچ کرسکتی ہے اور جس طریقہ پر اسے حاصل کرسکتی ہے ان دونوں کا حصر و تعین فرانسیسی پارلیمنٹ کے ہاتھ میں ہے۔ اس طرح جو روپیہ اس کے ہاتھ آتا ہے اس کے خرچ کرنے میں بھی اسے خود اپنی رائے سے کام لینے کا اختیار حاصل نہیں ہے، کیونکہ موازنہ کا

تیار کرنا پریفکٹ کا کام ہے اور موازنہ تیار ہونے کے بعد سالانہ کونسل کے روبرو پیش ہوتا ہے۔ اس پر بھی اخراجات کے آخری طور پر منظور ہونے کے بعد رئیس جمہوریہ کے اتفاق رائے کی ضرورت ہوتی ہے، موخرالذکر کو کونسل کے برطرف کردینے کا بھی اختیار ہے بلکہ اگر کونسل اپنی قانونی میعاد سے زیادہ نشست کرے تو پریفکٹ کو بھی اس کی برطرفی کا اختیار حاصل ہے، اگر وہ اپنے قانونی اختیارات کی حد سے تجاوز کرے تو رئیس جمہوریہ اس کے کاموں کو ناجائز قرار دے سکتا ہے۔ اس کے ارکان کو کسی قسم کا معاوضہ نہیں ملتا اور حاضری لازمی ہے اور ان کو اس امر کی ممانعت ہے کہ وہ عام سیاسیات پر اثر ڈالنے والی کوئی قرارداد وغیرہ منظور کریں، اور نہ کسی ایک صوبہ کی کونسل کسی دوسرے صوبہ کی کونسل سے کسی قسم کی سیاسی مراسلت یا تعلقات قائم کرسکتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں پریفکٹ کے اختیارات نہایت ہی وسیع ہیں۔ بیشک بعض وقت وہ محض حکومت عامہ کے ایک کارکن کے طور پر کام کرتا ہے، چنانچہ جب وہ رئیس جمہوریہ کے احکام کی تعمیل میں مشغول ہوتا ہے تو اس کی یہی حیثیت ہوتی ہے، لیکن اس تعمیل حکم اور ان فرائض کے علاوہ جو کونسل کے سلسلہ میں بیان ہوچکے ہیں پریفکٹ کو اور بھی وسیع اقتدارات حاصل ہیں۔ وہی سرکاری مدرسوں میں مدرسین کا تقرر کرتا اور انھیں برطرف کرتا ہے، وہی پولس کا افسر اعلیٰ ہے اور فوج کی بھرتی بھی وہی کرتا ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے دوسرے کام انجام دیتا ہے یہی نظام چھوٹے پیمانہ پر حلقے (Arrondissement) میں بھی جاری ہے جو صوبہ کی پہلی زیر تقسیم ہے۔ حلقہ کا افسر اعلیٰ نائب پریفکٹ ہوتا ہے جسے رئیس جمہوریہ مقرر کرتا ہے۔ حلقہ کی کونسل کا کام بس اس سے زیادہ نہیں ہے کہ جو محصول اس کے حصہ میں پڑے ہوں انھیں کمیونوں (بلدیات) کے درمیان تقسیم کردے، مگر رقبات منفردہ میں سے اولین رقبہ یعنے کمیون (بلدیہ) کی حالت ماتحتی کسی قدر کم ہے۔ چونکہ یہ رقبہ فی حد ذاتہ ایک مستقل رقبہ ہے اور اوپر کے رقبوں کی طرح محض "ہندسی"

تقسیم نہیں ہے اس لیئے اس میں قوت عمل کے نشو و نما کا زیادہ موقع ہے۔ (سنہ ۱۸۸۲ء سے) اس کا میر (صدر) ایک منتخب شدہ عہدہ دار ہوتا ہے، مگر اس کی مجلس بلدیہ، صوبے کی کونسل ہی کی طرح محدود الاختیار ہوتی ہے اور اس کا زمانۂ نشست بھی بہت مختصر ہوتا ہے۔[1] رئیس جمہوریہ اسے برطرف کر سکتا ہے اور پریفکٹ بھی اسے ایک مہینہ کے لیئے معطل کر سکتا ہے۔ پیرس و لائنز کے علاوہ جن میں ایک خاص قسم کی حکومت قائم ہے اور تمام بلاد و قصبات ایک ہی طریق پر بہ حیثیت بلدیات کے مرتب کیئے گئے ہیں۔

فرانس میں حکومت مقامی نے جو خاص صورت اختیار کی ہے وہ انقلاب کے بعد سے ملک کی پر آشوب تاریخ سے پیدا ہوئی ہے۔ اس دور کا پہلا نظام حکومت (یعنی سنہ ۱۷۹۱ء والا شاہی دستور) جب تیار ہونے لگا تو مصلحین کے دلوں میں مقامی تفرد کا خیال پوری طرح موجزن تھا، صوبوں کی ترتیب اس طرح پر ہوئی جنھیں چھوٹی چھوٹی جمہوریتیں کہہ سکتے تھے اور ان کی "مجالس" کو جو اختیارات تفویض ہوئے وہ بہت کچھ وسیع تھے۔ اس قسم کا انتظام جو ایسے نازک وقت میں کیا گیا تھا اس کا اثر صرف یہ ہوا کہ پیرس کی مرکزی حکومت عاملانہ کی کمزوری اندیشہ ناک حد تک پہنچ گئی۔ اس لیئے "مخوفین" کی سنہ ۹۴-۱۷۹۳ء والی انقلابی حکومت میں مقامی اختیارات "قومی گماشتوں" اور "نمایندگان خاص" کے ہاتھوں میں دیدیئے گئے۔ ان گماشتوں کا تقرر پیرس سے ہوتا تھا اور نمایندگان آمر مطلق کے سے اختیارات عمل میں لاتے تھے۔ اس طرح سے جو قومی مرکزیت قائم ہو گئی اس سے حکومت عاملانہ کو یہ موقع ملا کہ وہ قوم کے تمام متفقہ وسائل سے

---

[1] فرانس کی حکومت مقامی کی مفصل کیفیت ذیل کی دو کتابوں سے معلوم ہو سکتی ہے۔

دیوکروک: قانون انتظامی (Ducrocq: cours du droit) جلد ۱۔

سیمونے: مبادی قوانین عامہ و انتظامی (S.monet: Traite Elementaire du Droit public et administratif

حیرت انگیز طور پر کام لے سکے۔ بوناپارٹ نے بھی سال ہشتم کے نظام سلطنت (یعنی ۱۷ فروری سنہ ۱۸۰۰ء کے قانون) میں اس طریق کو (جس میں پریفکٹ و نائب پریفکٹ وجود میں آئے، اور جو اس وقت سے فرانس کی حکومت مقامی کی بنیاد کا کام دے رہا ہے) بالقصد اختیار کیا اور اسے درجۂ تکمیل کو پہنچا دیا۔ حکومت قومی پر تسلط حاصل کرنے کے لئے مختلف شاہی خاندانوں اور مختلف سیاسی فریقوں میں جو کشمکش ہوئی اور اس کشمکش کا انجام (سنہ ۱۸۳۰ء، سنہ ۱۸۴۸ء، سنہ ۱۸۵۱ء اور سنہ ۱۸۷۰ء کے) جن متواتر انقلابات پر ہوا، اُن میں ہر ایک فریق اس بات پر آمادہ تھا کہ اپنی خاص قوت کو مجتمع و مستحکم کرنے کے لئے مرکزی حکومت کے طریقہ کو اختیار کرے۔ یہی بہت بڑی وجہ ہوئی ہے کہ پیرس کو ایک ایسی سیاسی فوقیت حاصل ہوگئی ہے جو کسی اور دارالسلطنت کو حاصل نہیں ہے، انقلاب کی ضرورتوں کے لئے انیسویں صدی میں پیرس ہی فرانس کے مرادف سمجھا جاتا تھا۔ جنگ یا حملہ کے وقت اس قسم کے اجتماع قوت کی خوبی بہت کارآمد ثابت ہوتی ہے کیونکہ اس سے یہ یقین ہو جاتا ہے کہ تمام حصص ملک کے عاجلانہ اتحاد عمل سے کام لیا جا سکتا ہے مگر اس کے مقابلہ میں یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ مقامی معاملات میں حکومت بالا کا اثر و دخل کس قدر ضعف پیدا کرنے کا باعث ہوتا ہے اور مرکزی حکومت کو اس سے کس درجہ یہ تحریص و ترغیب ہوتی ہے کہ اپنے کارکنوں کو اپنے سیاسی اغراض کے لئے کام میں لائے۔

۶۔ **پرشیا:**— جنگ عظیم کے باعث بادشاہیوں کے تہ و بالا ہو جانے سے جو تغیرات رونما ہوئے، اس کے قبل پرشیا کی مقامی حکومت کے نظم میں "ایک خصوصیت نمایاں نظری دلچسپی کی پائی جاتی تھی[1]۔ سلطنت کی نگرانی اور مقامی حکومت خود اختیاری کے درمیان مفاہمت کا ایک طریقہ یہ اختیار کیا گیا تھا کہ پرشیا کے صوبوں میں عہدہ داروں کے

---

[1] حاشیہ فقرۂ ۳ دیکھنا چاہیئے۔

دو دو گروہ ہوتے تھے، ایک صدر اور ایک کونسل کا تقرر بادشاہ کی طرف سے ہوتا تھا اور ایک صوبہ کی ڈائٹ ہوتی تھی جسے حلقوں کی قائم مقام جماعتیں منتخب کرتی تھیں اور جو خود اپنے عاملانہ افسر اعلیٰ (Lands Hauptman) اور عاملانہ مجلس کا انتخاب کرتی تھی۔ سلطنت کے حکام اور صوبہ کے انتخابی حکام کے حدود عمل ایک دوسرے سے علیحدہ رکھے گئے تھے۔ اول الذکر کا کام زیادہ تر یہ ہوتا تھا کہ وہ برلن کی شاہی حکومت کو اطلاعیں بہم پہنچاتے رہیں اور اس کے گماشتہ کے طور پر کام کریں۔ پرشیا کے ضلعوں کے تمام عہدہ دار مرکزی حکومت کی طرف سے نامزد ہوتے تھے۔ حلقہ کے عہدہ داروں میں، عاملانہ افسر اعلیٰ، صدر صوبہ کی طرف سے نامزد ہوتا تھا، اور ڈائٹ منتخب شدہ ہوتی تھی۔ دیہاتی بلدیات میں منتخب شدہ مجلسیں ہوتی تھیں لیکن لفظ رٹر گوٹ (Rittergut) کا ترجمہ اگر کمیون کیا جائے تو اب بھی بہت سے کمیون ایسے باقی رہ جاتے تھے، جو امرائے متعلقہ کے تحت اختیار میں ہوتے تھے۔ قصبہ اور شہر انتخابی اصول کے ہر مختلف طریق پر مرتب کیے گئے تھے۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ پرشیا میں انتخابی نظام طبقات کی تقسیم کے موافق مرتب ہوتا تھا، اور اس طرح دولتمندوں کو بہت نفع پہنچتا تھا۔ مرکزی حکومت کو مالی معاملات پر نگرانی کا حق باقی رہتا تھا۔ مقامی اختیارات کو مرکزی اقتدار کے ساتھ آمیز کرنے کا پرشیاوی طریقہ امریکہ میں حدود اختیارات کے تصادم کی وجہ سے بالکل ناممکن العمل ثابت ہوگا، پرشیا میں اس قسم کے تصادم کا اندیشہ کم تھا کیونکہ یہ ایک ایسا معاملہ تھا جو خود حکام انتظامی ہی کے اختیار میں تھا جیسا کہ فرانس کے ذکر میں مفصل بیان ہو چکا ہے۔

۷۔ مقامی اجرائے محصول، ممالک متحدہ امریکہ کا محصول ملکیت۔

اب ہم آخر میں مقامی اجرائے محصول و مالیات کے دقت طلب سوال کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ ممالک متحدہ امریکہ میں مقامی محصول، نظم و نسق ملک کے عملی مسائل میں ایک بہت ہی دشوار مسئلہ ثابت ہوا ہے، اس سلطنت متحدہ میں

کم و بیش ہر جگہ جو خاص دشواری پیش آئی ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ ریاست، ضلع اور پرگنہ کی حکومتیں اپنے محاصل کا بہت بڑا حصہ ہر قسم کی املاک پر براہ راست محصول لگا کر حاصل کرتی ہیں۔ خاص کر آخر کی دو حکومتیں تو عملاً اپنی تمام آمدنی اسی طریقہ سے پیدا کرتی ہیں۔ یہ محصول جائداد منقولہ و غیر منقولہ دونوں پر لگایا جاتا ہے، جس میں زمین، مکان، گھوڑا گاڑی، سامان خانہ داری، کمپنیوں کے حصص، رہن نامے، دستاویزات وغیرہ سب شامل ہیں۔ جس وقت اس طریق محصول کی ابتدا ہوئی ہے اس وقت تو یہ بہت ہی قرین عقل معلوم ہوتا تھا۔ ریاستیں درآمد و برآمد کے محصول لگانے سے ممنوع کر دی گئی تھیں اور اندرون ملک میں کارگاہوں پر محصول لگانے کا اثر یہ ہوتا کہ صنعتیں زیادہ موزوں مقامات کی طرف منتقل ہو جاتیں۔ اس لئے وہ ضرورتاً براہ راست محصول کے اختیار کرنے پر مجبور ہوئیں، اور اس قسم کے محصولوں میں سب سے زیادہ یکساں و منصفانہ طریقہ یہی معلوم ہوا کہ ہر قسم کی املاک پر ایک ہی محصول یکساں طور پر لگا دیا جائے لیکن عملاً اس سے اتنی تکلیفیں ہوئیں کہ وہ نامنصفانہ حد تک پہنچ گیا۔ اس کی وجہ ایک حد تک تو اس کا طریق تشخیص تھا جو حسب ذیل طریقہ سے عمل میں آتا تھا۔ ریاست کے حکام براہ راست محصول کی اس مقدار کا اندازہ کرتے تھے جو ان کی ضروریات کے لئے درکار ہوتی تھی، اور اسے ضلعوں کے درمیان ہر ایک کی مشخصہ املاک کی قیمت کے تناسب سے تقسیم کر دیتے تھے۔ اس طرح جو رقم طلب کیجاتی تھی اس میں ہر ایک ضلع اپنی ضروریات کی مقدار کو بھی شامل کرکے اسی طریق سے اسے قصبوں پر تقسیم کر دیتا تھا، اس میں ہر ایک قصبہ کی مشخصہ املاک کی تناسبی قیمت کا لحاظ کیا جاتا تھا۔ اس پر قصبہ اس رقم کا اضافہ کرتا تھا جو خود اس کی ضرورتوں کے لئے درکار ہوتی تھی اور علی العموم یہی رقم سب سے زیادہ ہوتی تھی۔ اب اسی مجموعی رقم کو پرگنے کے تمام صاحبان املاک کے درمیان ان کی مشخصہ ملکیت کے تناسب سے تقسیم کر دیا جاتا تھا، بالفاظ دیگر یوں کہنا چاہیئے کہ جس قدر محصول کی ضرورت ہوتی تھی اس کے مجموعہ کو

مشخصہ املاک کے مجموعہ سے تقسیم کر دیا جاتا تھا اور اس طرح محصول کی ایک شرح نکل آتی تھی جو تمام املاک پر لگا دی جاتی تھی۔ مثلاً اگر جملہ املاک کی مالیت پچاس لاکھ ڈالر کی ہے اور جس قدر محصول جمع کرنا منظور ہو اس کی جملہ مقدار ایک لاکھ ڈالر ہو تو محصول کی شرح پچاس میں ایک یعنے دو فیصدی ہوگی۔ پس اس قسم کے طریق کار میں سب باتوں کا مدار تشخیص پر تھا، اگر کسی ضلع کی تشخیص اس مالیت سے بہت کم ہوئی جو حقیقتاً اس میں موجود تھی تو اس پر جو رقم عائد کیجائیگی وہ اس سے بہت کم ہوگی جو فی الاصل ہونا چاہیئے مگر اس کا نقصان دوسرے ضلعوں کو برداشت کرنا پڑے گا کیونکہ اس طرح پر مقررہ رقم کے جمع کرنے کے لیئے مجموعی شرح محصول بڑھ جائیگی۔ یا یہ فرض کیا جائے کہ کسی پرگنے میں املاک کی تشخیص اس کی اصلی مالیت سے بہت کم ہوئی ہے، پس جس کسی پرگنہ میں یہ کمی واقع ہوئی ہو اس کے حصہ میں ضلع کا محصول کم پڑے گا مگر اس کا نقصان ہمیشہ دوسرے پرگنوں کو برداشت کرنا پڑے گا کیونکہ شرح لامحالہ اس سے زیادہ ہوگی جو اس صورت میں ہوتی کہ اس پرگنے کی تشخیص زیادہ ہوئی ہوتی۔ آخر میں خود پرگنے کے اندر افراد کے درمیان بھی یہی صورت پیش آتی تھی جس شخص کی بھی املاک کی قیمت کم قرار دیجاتی تھی یا بالکل ہی چھوٹ جاتی تھی وہ اپنے ہمسایوں کو نقصان پہنچا کر خود بچ نکلتا تھا، اور جس قدر زیادہ املاک تشخیص سے رہجاتیں اور ان پر نظر نہیں پڑتی اسی قدر محصول کی شرح بڑھ جاتی تھی۔ اس سے وہ صورت پیدا ہوئی جسے ”کمی تشخیص بالمقابلہ“ کہتے ہیں، یعنے ضلع اور پرگنہ اس امر میں ایک دوسرے سے بازی لیجانا چاہتے تھے، کہ ان کی جائداد جہاں تک ہو سکے کم تشخیص کیجائے۔ علاوہ ازیں چونکہ تشخیص کنندگان انتخابی عہدہ دار ہوتے تھے اور ان کا انتخاب ایک بہت ہی مختصر میعاد کے لیئے ہوتا تھا اس لیئے ان کی ذاتی غرض بھی اس سے وابستہ ہوتی تھی کہ اپنے حلقہ کی مجموعی جائداد بہت زیادہ نہ ظاہر ہونے دیں۔

پس اس کا صریحی نتیجہ یہ ہوا کہ یہ طریقہ جو ابتداءً اسی غرض سے نکالا گیا تھا کہ جہاں تک ہو سکے منصفانہ طور پر ہر شخص کے اوپر محصول عائد ہو اس کا انجام یہ ہوا کہ اس سے زیادہ مضرت رساں اور نا منصفانہ کوئی طریقہ نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ فی الواقع اس طریقہ میں مختلف اقسام جائداد کے درمیان نہایت ہی نامناسب طور پر تفریق کی گئی ہے، مثلاً جائداد غیر منقولہ (اراضی و عمارات) کا پوشیدہ رکھنا اس قدر آسان نہیں ہے جس قدر بنک کے حصص، قرضوں کے دستاویز، کمپنیوں وغیرہ کے حصوں کا پوشیدہ کر لینا آسان ہے۔ اس کے ثبوت میں یہ مثال کافی ہے کہ ۱۸۹۵ء میں بروکلن کی تشخیص املاک میں جائداد غیر منقولہ کل قیمت میں اٹھانوے فیصدی سے بھی زیادہ تھی۔ اس سے چھ سال قبل ۱۸۸۴ء میں مغربی ورجینیا کے ایک کمیشن محصول نے جائداد غیر منقولہ کے متعلق یہ رپورٹ کی تھی کہ "مغربی ورجینیا میں یہ معاملہ اس حد کو پہنچ گیا ہے کہ اس قسم کی جائداد پر محصول کا ادا کرنا تقریباً ایسا ہی اختیاری ہے جیسے قرب و جوار کے کسی گرجا یا اتوار کے کسی مدرسہ کے لئے چندہ دیدینا" اور لوگ اسے کم و بیش ایسا ہی سمجھتے بھی ہیں۔ علاوہ ازیں اس طریق میں بے ایمانی کی بھی ایک بڑی قیمت ملتی ہے کیونکہ جو لوگ اپنے ایمان کی زیادہ پروا نہیں کرتے ان کے لئے تشخیص سے بچ نکلنا بمقابلہ ان لوگوں کے زیادہ آسان ہے جو اخلاق پر زیادہ مضبوطی سے قائم رہنا چاہتے ہیں۔ اس کے روکنے کے لئے جو بعض کارروائیاں اس قسم کی اختیار کی گئی ہیں کہ جائداد کا ایک نقشہ بنایا جائے اور مالک جائداد حلفیہ اس کی تصدیق کرے اور فریب دہی وغیرہ کے لئے قانونی و مذہبی سزائیں مقرر ہیں، ان کارروائیوں سے یہ خرابی گھٹنے کے بجائے اور بڑھ گئی ہے۔ سب سے بدترین عیب یہ ہے کہ جب ایک مرتبہ کمی تشخیص کے قدم جم جاتے ہیں تو پھر وہ بہت تیزی کے ساتھ بڑھتی جاتی ہے کیونکہ جس قدر شرح محصول بڑھتی جاتی ہے اسی قدر ہر شخص کے لئے یہ زیادہ ناگزیر ہوتا جاتا ہے کہ

وہ اپنی املاک کو کم کرکے دکھائے، لیکن جس قدر جائداد کم ظاہر کیجاتی ہے اسی قدر شرح محصول بڑھتی جاتی ہے اور حالت اور بد سے بدتر ہوتی جاتی ہے۔ بعض صورتوں میں شرح محصول اس قدر بلند ہو جاتی ہے کہ اصل حقیقت کا کہدینا اور پورے محصول کا ادا کرنا کامل تباہی کے مرادف ہو جاتا ہے۔ چنانچہ شکاگو کے بعض پرگنوں میں چند سال ماقبل کی اصلاح تشخیص کے پہلے، شرح محصول آٹھ اور نو فیصدی تھی۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ آٹھ فیصدی کی ادائی آمدنی پر نہیں ہے بلکہ اصل جائداد پر آٹھ فیصدی ہے اس رقم کا پورا پورا ادا کرنا اور پھر معمولی کاروبار کے مشاغل کو جاری رکھنا ممکن ہی نہیں ہے، نتیجہ یہ ہے کہ تشخیص کنندگان اور ادا کنندگان دونوں جائداد کو گھٹا کر ایک سرسری اندازہ کر لیتے ہیں اور جائداد متعلقہ کی تخمینی مالیت کے غالباً پانچویں بلکہ دسویں حصہ کو صحیح قرار دیدیتے ہیں۔ پھر بھی بے ایمانی کی حرص و ترغیب باقی ہی رہتی ہے اور جائداد کی ایک بہت بڑی مقدار بغیر محصول کے رہجاتی ہے[1]

ممالک متحدہ امریکہ میں ہر جگہ اس رائے پر اتفاق ہو گیا ہے کہ املاک کے عام محصول کے طریقہ میں خامی و ناانصافی موجود ہے۔ گزشتہ چالیس برس کے اندر سلطنت نے جو متواتر کمیشن محصولوں کی تحقیقات کے لیئے مقرر کیئے سب نے اسے مذموم قرار دیا، اور مالیات عامہ کے اعلیٰ سے اعلیٰ مستند افراد نے بھی ایسا ہی خیال ظاہر کیا۔ نیویارک کے سنہ ۱۸۷۲ء کے کمیشن کے ارکان نے لکھا ہے کہ ”فی الاصل یہ محصول شخصی املاک کے

---

[1] محصول املاک پر عملاً جس طرح کارروائی ہوتی ہے اس کے تفصیلی شمار و اعداد کے لیئے کتب ذیل دیکھنا چاہیئے:۔ سلگمین، مضامین در بارۂ اجرائے محصول (Seligman Taxation) باب ۱-۲-۱۳، طبع سوم سنہ ۱۹۰۰ء - ایلی، امریکی ریاستوں اور شہروں میں وصول محاصل (Taxation in American States and Cities) انڈسٹریل کمیشن کی آخری رپورٹ جلد نوزدہم صفحات ۱۰۳۱-۱۰۷۱-

محصول کے بجائے، ناواقفیت و ایمانداری کا محصول بن گیا ہے، یعنی یہ محصول صرف انھیں لوگوں کو ادا کرنا پڑتا ہے جو یہ نہیں جانتے کہ اس سے کیونکر بچ نکلیں یا اگر جانتے ہیں تو اپنی عزت کے نازک احساس کی وجہ سے اس سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہتے۔" الینائس کے سنہ ۱۸۸۶ء کے کمیشن نے اس کی نسبت یہ الفاظ استعمال کیئے ہیں کہ "یہ محصول فریب کاری کا ایک مدرسہ ہے جسے قانون خود ترقی دیتا ہے"۔ سنہ ۱۸۹۳ء کی نیویارک کی رپورٹ میں یہ کہا گیا ہے کہ "اس نے فریب کاری کو اعلیٰ منفعت اور دیانتداری کو سخت تاوان کا موجب بنا دیا ہے"۔ سنہ ۱۸۹۹ء۔ سنہ ۱۹۰۲ء کے صنعتی کمیشن نے اپنی اختتامی رپورٹ (جلد نوزدہم) میں اس محصول کے متعلق عام خیال کے ظاہر کرنے کے لیئے ایک خاص مجلس محصول کے الفاظ کو نقل کیا ہے جو سنہ ۱۹۱۱ء میں کلیفورنیا کی سینات کو لکھے گئے تھے۔ وہ الفاظ یہ ہیں کہ "مین سے ٹکزاس تک اور فلوریڈا سے کلیفورنیا تک موجود نظام محصول کے عملدرآمد کے طریقوں کے متعلق صرف ایک ہی رائے ہے اور وہ یہ کہ یہ محصول، غیر مساویانہ، ناروا اور قطعاً نامنصفانہ ہے۔ اصولاً تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ مصارف عامہ کا بار تمام املاک پر ان کی موجودہ قیمت کے اعتبار سے یکساں تناسب کے ساتھ عائد کیا گیا ہے مگر اس غرض کے حصول کا شائبہ بھی کہیں نظر نہیں آتا، کسی ریاست میں بھی ایسا نہیں ہوتا کہ جائداد کے ایک جزوی حصہ سے زیادہ پر محصول عائد ہو اور یہ امر خاص کر جائداد منقولہ اور اس کی سب سے زیادہ مرغوب صورت نقد و قرض وغیرہ میں پایا جاتا ہے۔" یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ امریکہ کے نظام حکومت میں، مقامی طریق محصول کی اصلاح نہایت لازمی و قومی ضروریات میں سے ہے، لیکن اس معاملہ میں جو کارروائیاں اختیار کی گئی ہیں اور جو مختلف تجویزیں پیش کی گئی ہیں ان پر غور کرنے کے قبل یہ بہتر ہوگا کہ دوسرے ممالک میں جو طریقے اختیار کیئے ہیں انھیں اس طریقہ کے ساتھ مقابلہ کر کے دیکھا جائے۔

۸۔ دوسرے ممالک میں مقامی اجرائے محصول کے طریقے

انگلستان کا مقامی نظم ونسق اگرچہ بہت پیچ در پیچ واقع ہوا ہے مگر مسئلۂ زیر بحث کے سلسلہ میں اس کے مالی نظام کے بعض خصوصیات قابل لحاظ ہیں۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ مرکزی حکومت صوبوں کے درمیان محصولوں کی تقسیم نہیں کرتی نہ خود اس میں حصہ لگاتی ہے۔ اس سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ صوبوں کے درمیان کمی تشخیص کا مقابلہ پیدا ہی نہیں ہوتا۔ علیٰ ہذا چھوٹے رقبوں کے درمیان بھی کمی تشخیص میں کوئی مقابلہ نہیں ہے (اس کے اسباب ووجوہ ابھی ابھی بیان ہونگے) دوسری بات یہ ہے کہ تمام جائداد منقولہ مرئی وغیر مرئی مقامی محصول سے علٰحدہ کردی گئی ہے۔ اس طرح "غیر مرئی جائداد" کے پتہ چلانے کی جو دشواری امریکہ میں پیش آئی ہے وہ رفع ہو گئی ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی اس قسم کی املاک سے انکم ٹیکس (محصول آمدنی) کے ذریعہ سے قومی مالیات میں مدد لیجاتی ہے، یہ ایسا محصول ہے جو کمی بیشی کا متحمل ہوسکتا ہے اور اس کی شرح دو فیصدی یا اس سے بھی زائد تک ہوتی ہے، اس کے دیگر خصوصیات میں ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ کمپنیوں وغیرہ کی شرکت وحصص وغیرہ پر بھی لگایا جاتا ہے اور جہاں آمدنی ہوتی ہے وہیں وصول کیا جاتا ہے (یعنے شرکا وحصہ داروں کے بجائے خود کمپنی سے لیا جاتا ہے) اگرچہ محصول آمدنی کے عملدرآمد میں بھی بالضرور غلطیوں کا امکان ہے اور آمدنی کی زیادہ رواں شکلیں، (جیسے اہل پیشہ وغیرہ کی آمدنی ہے) کسی حد تک اس کے اثر سے بچ نکلتی ہیں تاہم جائداد کی غیر مرئی صورتوں کو سلطنت کے عام مداخل میں شریک کرنے کا کام اس سے اچھی طرح نکل آتا ہے۔

مقامی حکمراں جماعتوں کے واقعی محاصل کچھ تو ان رقوم سے پورے ہوتے ہیں جو مرکزی حکومت انھیں دیتی ہے اور کچھ "ابواب" (تناسبی محصول) سے ہوتے ہیں جو وہ خود غیر منقولہ جائداد پر لگاتی ہیں۔

پہلی قسم میں وہ بعض ادائیاں شامل ہیں جو قومی حکومت، صوبوں کو (بہ اعتبار انتظام اور ذی اختیار بلدیات کو جو صوبوں کے مشابہ ہیں) دیتی ہے، اس میں ایک جزو تو اس رقم کا شامل ہوتا ہے جو (منشیات، کتوں، بندوقوں وغیرہ کے) اجازت ناموں سے حاصل ہوتی ہے اور ایک جزو جمع شدہ جائداد محاصل کا ہوتا ہے اور سنہ ۱۸۹۰ء کے ایک قانون کے موافق اسپرٹ (جوہر شراب) اور بیر (جو کی شراب) بھی اس میں شامل کر لی گئی ہیں، بالفاظ دیگر یہ کہ قومی حکومت مختلف محصولات جمع کرتی ہے اور صوبوں کو اس میں سے حصہ دیتی ہے۔ مقامی آمدنی کا بقیہ حصہ براہ راست محصول سے آتا ہے مگر امریکہ کی طرح جائداد غیر منقولہ کی اصل قیمت پر محصول نہیں لگایا جاتا بلکہ محض اس کی سالانہ آمدنی پر محصول لگایا جاتا ہے۔ مجلس صوبہ کی ایک کمیٹی صوبہ کی شرح مقرر کرتی ہے اور اس شرح سے جو آمدنی ہونا چاہیے اس کے موافق ہر حلقے (پیرش) پر معینہ رقم عائد کرتی ہے۔ اس کی وجہ سے ہر حلقے میں جائداد کی قیمت کا تعین اسی طرح کرنا پڑتا ہے جیسے امریکہ میں ہوتا ہے مگر یہ تعین قیمت، حلقے کے کسی منتخب شدہ عہدہ دار کے ذریعے سے عمل میں نہیں آتا ضلع کے حکام اسی تعین قیمت کی پیروی کرتے ہیں جو قومی حکومت نے "محصول آمدنی" کے لیے بنائے ہوں یا جیسے قانون امداد غربا کے موافق حکام نے تیار کیا ہو یا کبھی کبھی وہ خود اپنے طور پر بھی قیمتوں کا تعین کر لیتے ہیں "ذی اختیار بلدیہ"، ضلعے اور حلقے جائداد غیر منقولہ کی سالانہ آمدنی پر اسی طرح کا محصول لگاتے ہیں۔ انگلستان اور امریکہ کی حالتوں کا فرق اس امر سے نظر آتا ہے کہ اس صدی کے آغاز کے وقت جہاں امریکہ میں محصول املاک (رسماً) اصل جائداد پر ایک یا نصف فیصدی سے لیکر دس فیصدی تک لگایا جاتا تھا وہاں سنہ ۱۸۹۵-۹۶ء میں انگلستان میں مختلف اقسام کے مقامی محصول کی شرح سالانہ آمدنی پر فی پونڈ ساڑھے چار شلنگ تھی۔ بالفاظ دیگر یہ کہ امریکہ کی شرح (رسماً) ایک سے دس فیصدی تک اصل قیمت پر اور انگلستان کی شرح ساڑھے بائیس

فیصدی آمدنی پر ہے۔

لیکن جو کچھ اوپر بیان ہوا ہے اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ انگلستان میں مالی معاملات کی حالت ہر اعتبار سے اچھی ہے، وہاں جس امر سے سخت پریشانی پیدا ہو رہی ہے وہ تشخیص و اجرائے محصول کا طریق نہیں ہے بلکہ مقامی اخراجات اور مقامی قرض کا بہت زیادہ بڑھ جانا ہے۔ سنہ ۱۸۶۸ء میں، انگلستان و ویلز کے مقامی اخراجات صرف تین کرور پونڈ تھے، سنہ ۱۹۰۰ء میں یہ مقدار گیارہ کرور پونڈ پر پہنچ گئی۔ سنہ ۱۹۱۴ء میں اس کی مقدار سولہ کرور نوے لاکھ پاؤنڈ تھی۔ اس میں سے بہت بڑا حصہ قرض لیکر پورا کیا گیا ہے اور مقامی قرضوں کی مقدار قبل جنگ بھی ۵۸۲۶۳۰۳۵ تک پہنچ گئی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ مقامی شرح محصول بہت بڑی بلکہ کہنا چاہیے کہ خوفناک حد تک بڑھ گئی ہے۔ سنہ ۱۸۹۱-۹۲ء میں شرح محصول فی پونڈ تین شلنگ آٹھ پنس تھی سنہ ۱۸۹۵-۹۶ء میں چار شلنگ پانچ پنس ہو گئی اور سنہ ۱۹۱۰ء میں سات شلنگ سے بھی بڑھ گئی۔ اور سنہ ۱۹۱۸-۱۹ء میں لندن کے ذی اختیار محالوں میں یہ حد اکثر حالتوں میں دس شلنگ فی پاؤنڈ تک پہنچ گئی تھی اور کہیں کہیں اس سے بہت زیادہ بڑھ گئی تھی۔ یہ ضرور ہے کہ مقامی جماعتوں کے قرض لینے کا اختیار حکومت مقامی کے بورڈ کی منظوری کے تابع ہے اور بیشتر مقامی جماعتوں کے حسابات کی تنقیح "اضلاع" کے آڈیٹر (منقح) کرتے ہیں جنھیں حکومت مقامی کا بورڈ مقرر کرتا ہے اور ان تنقیح کرنیوالوں کو مدات کے نامنظور کر دینے کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔[1] اس مرکزی نگرانی کے عملدرآمد میں کچھ اور مزید وسعت حالات زمانہ کے لحاظ سے بہت مناسب ہوگی۔

فرانس[2] میں مقامی حکومت کے اندر چند ایسے خصوصیات نظر آتے ہیں،

---

[1] (Odgors) حکومت مقامی (Local Government) باب دوازدہم۔

[2] فرانس کے مقامی محصول کے متعلق لیرائے بیولو کی تصنیف، رسالۂ علم مالیات

جو انگلستان و امریکہ دونوں کے طریقوں سے ایک بڑی حد تک مختلف ہیں، سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ایک طرح کا اندرونی محصول درآمد (یعنے چنگی) قصبہ کے اندر آنے والے مختلف قسم کے مال پر لگایا جاتا ہے ۔ اس محصول کی ابتدا کا سلسلہ شہنشاہی روما کے ادارات تک پہنچتا ہے ۔ قدیم فرانسیسی شاہی کے دور میں محصول چنگی کا پٹہ ایک معینہ رقم پر ہو جاتا تھا، جس سے بہت خرابیاں پیدا ہوئیں اور اسی وجہ سے اس قسم کے محاصل انقلاب کے زمانہ میں منسوخ کر دیے گئے، لیکن یہ طریقہ پھر جاری ہوا، اور باوجود اپنے ظاہری نقائص کے یہ اس حد تک بڑھا کہ انیسویں صدی کے ختم ہوتے ہوتے تقریباً پندرہ سو بلاد، قصبات و مواضعات، اس سے کام لیتے تھے، اور ان کی بلدی آمدنی کا ایک تہائی اسی سے حاصل ہوتا تھا ۔ اس طریقہ کے بموجب جن خاص چیزوں پر محصول لگتا ہے وہ منشیات، شراب جو، اور عام طور پر ہر قسم کی اسپرٹ (جوہر شراب)، تیل، گوشت، اشیائے سوختنی، چارہ اور ملبہ تعمیرات وغیرہ ہیں ۔ فرانسیسی طریق کا یہ حصہ یقیناً قابل ملامت ہے اس سے تجارت میں دقت حائل ہوتی ہے اور اس کے جمع کرنے میں بہت زحمت و خرچ برداشت کرنا پڑتا ہے، لیکن بدقسمتی سے اور دوسرے بالواسطہ محصولوں کی طرح اس کا اثر بھی خفیہ و درپردہ پڑتا ہے اس لیے حکام بلدیہ کو اس کے جاری رکھنے کی زیادہ ترغیب ہوتی ہے ۔

بلدی آمدنی کے باقی حصہ اور صوبوں کی آمدنی کے لیے، ایک بالکل ہی مختلف طریقہ اختیار کیا گیا ہے ۔ محصول آمدنی کے علاوہ فرانس کی قومی حکومت کی طرف سے چار اہم و بلا واسطہ محصول لگائے جاتے ہیں یعنے محصول جائداد غیر منقولہ، شخصیت و اشخاص کا محصول، دروازہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :- (Traite de La Science des Finances) جلد اول طبع ششم ۱۸۹۹ء دیکھنا چاہیے۔

اور دریچہ کا محصول، اور کاروبار کا محصول۔ ان میں آخر الذکر محصول ایک تدریجی محصول ہے جو ہر قسم کے کاروبار پر لگایا جاتا ہے اور کاروبار کی نوعیت، اس کی وسعت اور اس کے جائے وقوع کے اعتبار سے اس میں فرق ہوتا ہے۔ محصول کی یہ تمام قسمیں مرکزی حکومت کے ہاتھ میں رہتی ہیں اس میں صوبوں وغیرہ کا کوئی حصہ نہیں ہے اور اس لیے کمی تشخیص کے مقابلہ کا کوئی موقع نہیں ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے ریاست میسا چوسٹس ہر قسم کے کاروبار پر حصول اجازت نامہ کا ایک محصول لگا دے، اگر اور حالات یکساں ہوں تو یہ محصول بوسٹن میں ایک پچاس ہزار کی آبادی والے قصبہ کے بہ نسبت زیادہ ہوگا اور اسی طرح اگر اور حالات یکساں ہوں تو ساہوکاری کے کام پر بقالی کے کام سے زیادہ ہوگا اور علیٰ ہٰذا اگر حسب سابق اور حالات یکساں ہوں تو ایک ایسے کاروبار پر جس میں سو آدمی کام کرتے ہوں اس سے زیادہ ہوگا جس میں صرف بیس آدمی کام کرتے ہوں، اس لیے مجموعی محصول جو وصول ہوگا وہ اپنے اجزائے ترکیبی کے تغیرات کے اعتبار سے مختلف ہوگا۔ حکومت فرانس اس سے یہ کام لیتی ہے کہ قومی انکم ٹیکس (محصول آمدنی) کے نہ ہونے سے جو کمی ہوتی ہے وہ پوری ہو جائے۔ دوسرے محاصل میں سے جائداد غیر منقولہ کے محصول کی بنا "کاداستر" ہے یعنی حکومت رقبہ، پیداوار، عمارت، وغیرہ کی قیمت کا اندازہ کر کے ایک معینہ قیمت قرار دے دیتی ہے۔ اس تعین قیمت میں جو زمین سے متعلق ہوتا ہے اس میں ایک مدت دراز تک تغیر نہیں ہوتا۔ چنانچہ ۱۸۲۱ء سے ۱۸۹۰ء تک ایک حالت قائم رہی۔ عمارات کے تعین قیمت پر بکثرت نظر ثانی ہوتی رہتی ہے۔ محصول کا پہلی قسم کا جزو حصۂ رسدی تقسیم ہوتا ہے یعنی حکومت ایک مجموعی رقم کا فیصلہ کر دیتی ہے اور وہ ہر صوبہ کی زمین کی قیمت کی مناسبت سے اس پر عائد کر دی جاتی ہے، پس ممالک متحدۂ امریکہ کی طرح اس کی شرح بھی مختلف صوبوں میں مختلف ہوتی ہے۔ اس محصول کے دوسرے جزو کے متعلق حکومت خود ہی شرح

مقرر کرتی ہے اور خود ہی اس کے متعلق کارروائی کرتی ہے۔ حلقوں کے مقامی حکام کا یہ فرض ہے کہ جو محصول ان کے حصہ میں پڑے اس کو بلدیات کے درمیان تقسیم کر دیں لیکن جس تعین قیمت سے وہ کام لینا چاہتے ہیں چونکہ اس کا اندازہ حکومت خود کر دیتی ہے اس لیے ان کی حالت امریکہ کے تشخیص کنندگان سے بالکل مختلف ہوتی ہے، وہ محصول جو شخصیت و اشخاص کا محصول کہلاتا ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک حصۂ رسدی محصول ہے اور وہ مکانوں پر اور اس کے ساتھ ہر شخص پر (مقامی حالات کے اعتبار سے) بقدر تین دن کی مزدوری کی آمدنی کے لگایا جاتا ہے۔ سب سے آخری محصول یعنے "دروازے و دریچہ کا محصول" ہے وہ مکانوں پر عائد ہوتا ہے اور یہ بھی ایک حصۂ رسدی محصول ہے،

فرانس کے مقامی محصول کے نظام کی تشریح کرنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ ان بلاواسطہ محصولوں کی نوعیت کو ظاہر کر دیا جائے، مقامی آمدنی اس طرح سے حاصل ہوتی ہے کہ جو رقوم اس طرح جمع ہوتے ہیں انھیں پر ایک معینہ فی صدی کا اضافہ کر دیا جاتا ہے، اسے "سانتیم اویسونل" (زائد پائی) کہتے ہیں اس کا تعین حکومت مرکزی کرتی ہے اور اسی کے گماشتے اسے جمع بھی کرتے ہیں، اسی وجہ سے صوبہ کی مجلس عامہ کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسے محصول لگانے کا اختیار نہیں ہے۔ یہ زائد پائی یا "بالائے محصول" (Sur-Tax) جو فرانس کے بلاواسطہ اصل محصولوں پر لگائے جاتے ہیں وہ خود اصل سے زائد ہوتے ہیں، لیکن اشخاص کے[1] جس محصول کا اوپر ذکر ہوا ہے اس پر "بالائے محصول" کا اضافہ نہیں ہوتا۔

پرشیا[2] میں بھی چنگی کے محصول کا استعمال اسی طرح ہوتا ہے جیسے

---

[1] لیکن بعض صورتوں میں سلطنت کے اغراض کے لیے کچھ "مزید پائیاں" بڑھا دی جاتی ہیں۔

[2] ملاحظہ ہو حاشیہ فقرۂ ۳۔

فرانس میں ہوتا ہے، اس کا بار چکی میں پسی ہوئی چیزوں، مواشی اور گوشت وغیرہ پر پڑتا ہے، ماسوا اس کے فرانس کی طرح "بالائے محصول" بھی ہیں جو سلطنت کے بلا واسطہ محصول پر بڑھا دیے جاتے ہیں اور ایسے براہ راست محصول بھی ہیں جن کی کل آمدنی مقامی حکمراں جماعتوں کو ملجاتی ہے اول الذکر قسم کے براہ راست محصولوں میں، انکم ٹیکس (محصول آمدنی) اور کاروباروں کا محصول بھی شامل ہے۔ دوسری قسم میں زمین، مکان، اور مستقل کاروبار کے محصول شامل ہیں۔ زائد فیصدی یا بالائے محصول جو حقیقتاً وصول ہوتا ہے اس میں بہت فرق ہوتا ہے مگر وہ حکومت مرکزی کے اختیار میں ہوتا ہے۔ زمین کی تشخیص ان کمشنروں کے ذریعہ سے ہوتی ہے جن کا تقرر سلطنت کی طرف سے ہوتا ہے اور ان کے ساتھ ہر صوبہ میں ماہرین فن کا ایک عملہ شامل کر دیا جاتا ہے۔ جن لوگوں سے "محصول آمدنی" وصول ہونا چاہیے وہ مختلف طبقات میں تقسیم کر دیے گئے ہیں، اور ہر طبقہ کے اندر ہر شخص مساوی محصول دیتا ہے۔ اس کی تشخیص ہر حلقہ یا ضلع میں ایک خاص بورڈ کرتا ہے جس کے کچھ افراد تو مقامی حکام کی طرف سے مقرر ہوتے ہیں، مگر زیادہ حصہ کا انتخاب خود وہ لوگ کرتے ہیں جنھیں محصول ادا کرنا پڑتا ہے۔ بدقسمتی سے آمدنی کے تحقیق کرنے کا طریقہ قابل اطمینان نہیں ثابت ہوا۔ ابھی سنہ ۱۸۹۱ء تک بورڈ آمدنی کے تخمینہ کرنے کے متعلق زیادہ تر فروعی شواہد (طرز ماند و بود، ظاہری اخراجات وغیرہ) پر انحصار کرنا پڑتا تھا۔ اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ ایک طرح کی احتسابی یا تجسسی کارروائی ہے۔ اس وجہ سے بذریعۂ افراد خود تشخیص کرنے کا طریقہ اختیار کیا گیا۔ باوجودیکہ دغا و فریب کے لیے سخت سزائیں مقرر ہیں پھر بھی آمدنی کا ایک بہت بڑا حصہ ادائی محصول سے بچ نکلتا ہے۔ کاروباری محصول کے تشخیص کرنے کا طریقہ خصوصیت کے ساتھ دلچسپ ہے مقامی آبادی اور حرفتوں کے اعتبار سے درجہ بندی کا فرانسیسی طریقہ سنہ ۱۸۹۱ء میں ترک کر دیا گیا، اس کے بجائے ہر قسم کے کاروبار ہائے صرف شدہ

اور آمدنی موصولہ کی مشترکہ بنیاد پر چار درجوں میں مجتمع کر دیے گئے ہیں۔ سب سے اوپر کے درجہ کی تشخیص صوبہ وار ہوتی ہے، اس کے تشخیص کنندگان میں سے ایک ثلث کو وزیر خزانہ نامزد کرتا ہے اور دو ثلث کو صوبہ کی کمیٹی (مجلس) نامزد کرتی ہے (یہ کمیٹی حکومت صوبہ کے انتخابی حصہ کی مجلس عاملہ ہوتی ہے) محصول کم و بیش آمدنی کا ایک فیصدی ہوتا ہے۔ دو درمیانی درجوں پر ضلع وار محصول لگایا جاتا ہے اور سب سے نیچے کے درجہ کا محصول حلقہ وار ہوتا ہے۔ ہر حلقہ (یا حلقۂ خورد) کے ایک درجہ کے کاروبار سے جس قدر رقم وصول ہونا چاہیے اس کے لیے حکومت ایک مجموعی رقم معین کر دیتی ہے اور اس کو ایک مجلس محصول (جس کا انتخاب خود اہل کاروبار کرتے ہیں) فرداً فرداً ہر ایک کاروبار پر حصۂ رسدی تقسیم کر دیتی ہے۔ یہ ملحوظ رہنا چاہیے کہ منتخب شدہ کمیٹی کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اپنے انتخاب کنندگان کو محصول سے کلیتہً بچالے محصول کی یہ صورت خصوصیت کے ساتھ کارآمد و مفید ثابت ہوئی ہے۔

۹۔ امریکی طریق کی اصلاح:۔ غیر ممالک کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے اب اس کی روشنی میں ہمیں ان بعض خاص تجاویز کو دیکھنا چاہیے جو محصول کے امریکی طریق کی اصلاح کے متعلق پیش کی گئی ہیں اور اس معاملہ میں اس وقت تک جو کارروائیاں ہوئی ہیں اُن پر بھی نظر کرنا چاہیے۔ سب سے پہلا امر یہ ہے کہ بارہا یہ تجویز پیش ہوئی ہے کہ موجودہ قوانین پر زیادہ سختی کے ساتھ عمل ہونا چاہیے۔ چنانچہ اوہایو میں "قانون تجسس محصول" کے تحت میں ایسا ہی کیا گیا ہے، وہاں ضلع کے کمشنر ایک شخص کو جائداد غیر منقولہ کے "پتہ چلانے" کے لیے مقرر کرتے ہیں اور جو محصول اس طرح حاصل ہوتا ہے اس کا ایک جزو اسے دیتے ہیں، لیکن محصول املاک جس پر اس درجہ عام ناپسندیدگی کا اظہار ہو چکا ہے اس کی مکروہ نوعیت پر خیال کرتے ہوئے تعمیل کی یہ سختی حالت کو اور بد سے بدتر بنا دیتی ہے۔ امریکہ کے طریق کار نے ایک ایسی صورت انتظام پیش کی ہے

جیسے نظم ونسق عامہ میں کوئی جگہ نہ ملنا چاہیے، صرف جرائم پیشہ طبقہ سے معاملت کرنے میں اس سے کام لینا چاہیے۔ علیٰ ہذا اس طریقہ سے بھی کوئی مستقل فائدہ نہیں حاصل ہوتا کہ مشخصہ قانونی مالیت کو اصلی مالیت کا صرف ایک جزو قرار دیا جائے (جیسا کہ حال میں شکاگو میں ہوا ہے) یہ صحیح ہے کہ اس سے ایک عام ندامت اور نئی تحریک پیدا ہو جاتی ہے مگر خود طریقۂ تشخیص کی خرابیوں میں اس سے کوئی فرق نہیں آتا، غیر ممالک کے تجربہ سے جو تجویزیں وقیع اور وزنی معلوم ہوتی ہیں وہ یہ ہیں کہ (۱) ریاستی ومقامی آمدنی کے ذرائع علیٰحدہ علیٰحدہ کر دیے جائیں، اور حصہ رسدی تقسیم کا طریقہ ترک کر دیا جائے (۲) جائداد منقولہ پر محصول املاک منسوخ کر دیا جائے اور (۳) اس طرح جو کمی واقع ہو اس کو پورا کرنے کے لیے آمدنی کے دوسرے طریقے اختیار کیے جائیں اور محصول کے مساویانہ ومنصفانہ ہونے کی طرف سے اطمینان پیدا کر دیا جائے۔

ان تجاویز میں سے پہلی تجویز کی بہت وسعت کے ساتھ تائید ہوئی ہے۔ آوریگان میں ایک قانون کے موافق جس کا نفاذ سنہ ۱۹۰۵ء میں ہوا، ریاستی محصولوں کا ضلعوں کے درمیان حصہ رسدی تقسیم کرنے کا طریقہ ترک کر دیا گیا ہے۔ ہر ضلع سے محصول کا جو حصہ ریاست کو ملنا چاہیے اس کا انحصار اس پر رکھا گیا ہے کہ تمام اضلاع کے مجموعی اخراجات میں خود اس ضلع کے خرچ کا تناسب کیا ہے۔ حرفتی کمیشن نے (سنہ ۱۹۰۲ء میں) اپنی اختتامی رپورٹ میں یہ سفارش کی ہے کہ ریاستیں محصول املاک کو کلیتہً ترک کر دیں (صرف مقامی طور پر یہ محصول باقی رہے)، دوسرا امر یہ ہے کہ جب جائداد منقولہ کا محصول منسوخ ہو جائے گا تو پھر محصول املاک کے تحت میں صرف زمین اور مکانات رہ جائیں گے اس طرح اخفائے جائداد کی تحریص بھی کم ہو جائے گی کیونکہ اب یہ خیال باقی نہیں رہے گا کہ جن غیر منقولہ جائدادوں پر قانوناً محصول لگتا ان کے بچ نکلنے سے ناانصافی ہوتی ہے۔ انگلستان وپرشیا کا تجربہ کمیشن کی اس تجویز سے قطعاً موافق ہے کہ یہ محصول

صرف مقامی اغراض کے لیے ہونے چاہییں۔ یہ بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جہاں منتخب شدہ شخصوں کا طریقہ موجود ہے اسے ترک کرکے ایسے شخص مقرر کیے جائیں جنھیں خود ریاست نامزد کرے اور جن کے عہدے کی میعاد (انتخاب کے اثر سے) مستغنی ہو، اس قسم کی تجویز اہل امریکہ کے موجودہ سیاسی خیالات سے کچھ مناسبت نہیں رکھتی مگر یورپی ممالک کا تجربہ قطعاً اس کی تائید کرتا ہے فرانسیسی طریق کے موافق اگر تمام زمین کی مالیت عام پیمائش اور تخمینہ سے مقرر کرلیجائے تو محصول کا یہ حصہ ایک مستحکم بنیاد پر قائم ہوجائے گا۔ متعدد ریاستوں نے محصول ملک کے تحت میں شخصی یا کم از کم ”غیر مرئی“ املاک پر محصول لگانا پہلے ہی ترک کردیا ہے لیکن یہاں دستوری اختیارات کا مسئلہ درمیان میں آگیا کیونکہ بہت سی ریاستوں کے نظامہائے سلطنت میں یہ شرائط داخل تھے کہ جائداد پر یکساں محصول لگایا جائے گا۔ اس مشکل کو رفع کرنے کے لیے نظامہائے سلطنت کے ترمیمات کی ضرورت لاحق ہوئی ہے۔

تیسرے سوال یعنے آمدنی کے دوسرے ذرائع پیدا کرنے کے متعلق ”اکثر ریاستوں“ میں پہلے ہی بہت کچھ کہا جاچکا ہے اور بہت سی صورتیں ایسی ہیں جو از خود پیش نظر ہوجاتی ہیں۔ پرشیا و فرانس کے کامیاب کاروباری محصولوں سے ایک کارآمد صورت پیدا ہوتی ہے حرفتی کمیشن نے محصول املاک کے ضمیمہ کے طور پر اس قسم کے محصولوں کے اختیار کرنے کی سفارش کی ہے۔ جنوب کی متعدد ریاستوں میں اجازت نامہ یا ”محصول امتیازی“ کی صورت میں اس قسم کے محصول پہلے سے قائم ہیں، لیکن وہ ایسے مشرح و مکمل نہیں ہیں جیسے یورپ کے محصول ہیں۔ ان کا فرق صرف آبادی یا کسی اور ظاہری بنیاد پر مبنی ہے مگر خود کام کی مقدار کے اعتبار سے ان میں تناسب نہیں رکھا گیا ہے۔ آمدنی پر محصول لگانے کی بھی بہت وسعت کے ساتھ سفارش کی گئی ہے۔ نظری حیثیت سے تو آمدنی کا محصول سب سے زیادہ منصفانہ معلوم ہوتا ہے مگر تجربہ نے یہ

ثابت کر دیا ہے کہ اس میں سخت غیر مساوات پیدا ہو جاتی ہے۔ ریاستی اغراض کے لیے اگر محصول کے طریقہ کو از سرِ نو مرتب کیا جائے تو یہ محصول اس کا ایک بہت اچھا جزو ہو سکتا ہے، خاص کر اگر جائداد غیر منقولہ کی آمدنی اس سے خارج رکھی جائے (کیونکہ اس پر پہلے ہی مقامی محصول املاک کے مطابق محصول لگ چکا ہے) اور انگلستان کا یہ طریقہ اختیار کر لیا جائے کہ آمدنی کے اصل منبع پر محصول لگانا چاہیے۔ تجارتی جماعتوں (شخصیات) پر بھی ایک ترمیم شدہ محصول کے عائد کرنے کی تجویزیں کی گئی ہیں مگر ان جماعتوں پر اب بھی بہت سے محصول لگے ہوئے ہیں، مثلاً، جائداد کی مالیت یا قیمت، اصل سرمایہ، رہنی قرضہ، مجموعی منافع، حصص، خالص منافع وغیرہ سب پر محصول لگا ہوا ہے۔ ریاستی آمدنی کے طور پر وراثت پر محصول لگانے کا طریقہ بھی بہت بڑھتا جاتا ہے۔ خلاصۃً یہ کہنا چاہیے کہ ضرورت یہ ہے کہ مقامی محصول کو کلیۃً نئے سانچے میں ڈھالا جائے۔ عام مقصود یہ ہونا چاہیے کہ کمی تشخیص کے مقابلہ کی موجودہ خرابیاں رفع کیجائیں اور ایک نیا مرکب طریقہ آمدنی سرکاری کا جاری کیا جائے جو اس طرح سے ترتیب دیا جائے کہ محصول کا بار مناسب طور پر سب پر پڑے۔

قابل مطالعہ کتابیں

ال، کورٹنی، سلطنت متحدہ کا عملی نظام سلطنت (سنہ ۱۹۰۱ء) (The Working Constitution of the United Kingdom) حصۂ دوم باب اول صفحات ۲۰۵ - ۲۲۰ -

اے، ال، لوئل - براعظم یورپ کی حکومتیں اور فرقہائے سیاسیہ (سنہ ۱۸۹۶ء) (Governments and Parties in Constitutional Europe) جلد اول باب اول صفحات ۳۶ - ۴۳ - و ۳۰۸ - ۳۲۴ -

اسناد مزید

ڈبلیو، اوجرز، مقامی حکومت (سنہ ۱۹۰۱ء) (Local Government)

ڈی، بی، ایٹن حکومت بلدیات (سنہ ۱۸۹۹ء) (Government of Municipalities)

ڈیوکروک: قانون انتظامی (Ducrocq: cours du droit administratif)

ای، آر، سلگمین۔ مضامین دربارۂ اجرائے محصول۔ (Essays in Taxation) (طبع سوم سنہ ۱۹۰۰ء)

حرفتی کمیشن کی رپورٹ جلد نوزدہم۔ (Report of the Industerial Commission vol. XIX)

آر، ایلی۔ امریکی ریاستوں اور شہروں میں طریق محصول (سنہ ۱۸۸۸ء) (Taxation in American States and Cities)

لیروا بولیو: رسالۂ علم مالیات (Lexory Beaulien: Traite de la Science de finanecs) (طبع ششم سنہ ۱۸۹۹ء) جلد اول۔

جے، جے، اومیرا، وطن و ممالک غیر کے بلدی طریق محصول سنہ ۱۸۹۴ء (Municipal Taxation at Home and Abroad)

ای، جنکس۔ انگریزی حکومت مقامی کا خاکہ سنہ ۱۸۹۳ء (Outline of English Local Government)

برائس۔ دولت عامۂ امریکہ (سنہ ۱۸۸۹ء) (American Commonwealth) جلد اوّل۔

جے، فسک۔ ممالک متحدۂ امریکہ کی حکومت ملکی (سنہ ۱۸۹۱ء) (Civil Government in the United States)

ایف، سی، ہو: برطانی شہر (The British City) سنہ ۱۹۰۷ء۔

بی، ایشلے: مقامی مرکزی حکومت (Local and Central Government) سنہ ۱۹۰۶ء

ڈبلیو، بی، منرو: حکومت بلدیات یورپ سنہ ۱۹۰۹ء۔ (The Government of European Cities)

ڈبلیو، بی، منرو: حکومت بلدیات امریکہ سنہ ۱۹۰۹ء۔ (The Government of American Cities)

باب ہشتم

فریقانہ حکومت

۱۔ فریقانہ حکومت کے عیب و صواب کے متعلق تصادم آرا۔ ۲۔ انگلستان میں فریقانہ طریق کا آغاز و ارتقا۔ ۳۔ ممالک متحدۂ امریکہ میں سیاسی گروہوں کا آغاز و نشو و نما۔ ۴۔ امریکہ کے فرقہائے سیاسیہ کی تنظیم۔ ۵۔ اس طریق کی اصلاح۔ ۶۔ برطانیۂ عظمیٰ میں فریقانہ کام کا ذریعۂ کار۔ براعظم یورپ کی فریقانہ جماعتیں۔

۱۔ فریقانہ حکومت کے عیب و صواب کے متعلق تصادم آرا

سیاسی فریق سے ہماری مراد ان اہالیان ملک کا کم و بیش منضبط گروہ ہے جو سیاسیات میں ایک فرد واحد کی طرح سے کام کرنا چاہتے ہیں۔ وہ معاملات عامہ پر ایک ہی رائے رکھتے ہیں یا کم از کم ایک ہی رائے کے رکھنے کا اظہار کرتے ہیں، اور اپنی رائے دہی کے اختیار کو ایک ہی مقصد پر صرف کر کے یہ چاہتے ہیں کہ حکومت پر انھیں اقتدار حاصل ہو جائے۔ ان کی ہیئت ترکیبی ایک طرح کے مشترکہ سرمایہ کی کمپنی کی سی ہوتی ہے، جس میں ہر رکن اپنی سیاسی قوت کو بطور اپنے حصہ کے شریک کر دیتا ہے۔ اس طرح مجموعی حیثیت سے وہ ایسی قوت حاصل کر لیتے ہیں کہ اگر وہ انفرادی طور پر کام کرتے تو اس کا حصول ناممکن تھا موجودہ زمانہ میں ان ملکوں کے سوا جہاں مطلق العنان حکومتیں قائم ہیں اسی بالارادہ مجتمع کارروائی کے طریق سے وہ قوت متحرکہ پیدا ہوتی ہے جو تنظیم و تنسیخ کی گاڑی کے پہیوں کو چلاتی رہتی ہے۔ فریقانہ حکومت اگرچہ سلطنت کی ہیئت قانونی سے تقریباً بالکل ہی خارج ہے مگر حکومت کے

عملدر آمد میں یہی طریقہ اصول ہلیہ کا کام دیتا ہے۔ ممالک متحدۂ امریکہ کا نظام سلطنت درحقیقت سیاسی فرقوں کی موجودگی کو تسلیم نہیں کرتا، مگر امریکی حکومت کے انیسویں صدی کے ارتقا میں، یہی فریقانہ حکومت مرکزی خصوصیت بن گئی ہے، سلطنت متحدۂ برطانیہ میں قانون کو اس سے مطلق کچھ واسطہ نہیں ہے لیکن نظام سلطنت کا رواجی عملدرآمد بالکل ہی اس امر پر مبنی ہے کہ اس قسم کی مجتمعہ کارروائی کا وجود تسلیم کر لیا جائے کیونکہ تمام نظام کابینی اس متفقہ کارروائی کو پہلے ہی مسلم سمجھ لیتا ہے جس کے بغیر اس نظام کا وجود میں آنا ہی ممکن نہیں ہے، اور یہ ہم پہلے ہی دیکھ چکے ہیں کہ برطانوی حکومت کا مرکزی سنگ بنیاد یہی نظام کابینی ہے۔ فرانس، اطالیہ، کناڈا، آسٹریلیا وغیرہ کے جن ملکوں نے بالارادہ حکومت پارلیمنٹی اختیار کی ہے انھوں نے اس امر کو فرض کر کے ایسا کیا ہے، درحقیقت قانون علانیہ طور پر اس قسم کے فریقوں کے وجود کا اظہار نہیں کر سکتا مگر وہ ایسے ادارات قائم کر سکتا ہے جیسے کہ مذکورۂ بالا ملکوں میں ہیں جو ان فریقوں کے بغیر بالکل بے معنی ہو جاتے ہیں۔ پس حکومت حاضرہ کے موزوں طور پر مطالعہ کرنے کے لیے یہ ضرور ہے کہ اس متفقہ سیاسی کوشش کو پوری طرح سمجھ لیا جائے اور زمانۂ جدیدہ کے سیاسی فریقوں کی تنظیم اور اُن کے طریق کار کو نظر امعان سے دیکھا جائے۔ اس طرح ہم اس سیاسی مفاد کار کی قدر و قیمت کا کچھ اندازہ کر سکیں گے جسے اس تدبیر سے حاصل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ فریقانہ حکومت کے متعلق مختلف نظر سے اظہار رائے کیا گیا ہے۔ کہیں تو اسے نوامیس سیاسیہ میں سب سے زیادہ حسب فطرت قرار دے کر آسمان پر چڑھایا گیا ہے اور کہیں اسے سب سے زیادہ خلاف فطرت کہکر قعر مذلت میں گرایا گیا ہے۔ جو لوگ اس کے خلاف سختی سے رائے قائم کرتے ہیں اس طریقہ کے اس مخصوص فرضی اتفاق رائے سے جو اس نے اپنے اہل فریق میں قائم کر رکھا ہے

اور اسی طرح کے فرضی اختلاف رائے سے جو اس نے اپنے مخالفوں سے برپا کر رکھا ہے، حیرت زدہ ہو کر رہ جاتے ہیں۔ دونوں جانب قصداً یہ حالت رہتی ہے کہ دوسرے کی بات پر اعتنا نہ کیا جائے اور انفرادی رائیں فریقیانہ سانچہ میں ڈھل کر تیتھر ہو جائیں۔ یہ اتفاق تام نکتہ چینوں کی نظر میں کاذب و مضر معلوم ہوتا ہے، کیونکہ یہ انفرادی رائے و عمل کی اس آزادی کو دبا دیتا ہے جو حکومت عمومی کا اصول اصلیہ ہے۔ جہاں دو بڑی سیاسی جماعتیں میدان مقابلہ میں آتی ہیں، تو بالفاظ پروفیسر گولڈون اسمتھ پہلے ہی یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ "انسانی شمائل و خصائل دو متضاد حصوں میں منقسم ہو گئے ہیں"۔ حالانکہ عملاً ایسا نہیں ہوتا۔ مگر جو لوگ فریقیانہ حکومت کی حمایت کرتے ہیں وہ اس سے بالکل ہی مختلف وجوہ قائم کرتے ہیں، وہ اس امر واقعی کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ ایک معنی کر کے انسانی فطرت کا دو حصوں میں منقسم ہونا حقیقت نفس الامری کے عین موافق ہے۔ ان کا دعوی یہ ہے کہ طبعاً چار قسم کے لوگ ہوتے ہیں[1]۔ ایک وہ جو زمانۂ گزشتہ کے طریقوں اور اداروں کی طرف واپس جانا چاہتے ہیں (یعنی رجعت پسند) دوسرے وہ جو موجودہ حالت کے قائم رکھنے کے خواہاں ہوتے ہیں (یعنی کنسرویٹو مستحفظ)، تیسرے وہ جو موجودہ ادارات میں اصلاح کرنا چاہتے ہیں (یعنی لبرل ترقی پسند) اور چوتھے وہ جو ان ادارات کو سرے سے باطل کر دینا چاہتے ہیں (یعنی ریڈیکل استیصالی) یہ ایک صاف وجہ ہے کہ اپنے کام کو خوش اسلوبی سے چلانے کے لیے اگر پہلی دو جماعتیں ایک ساتھ اور دوسری دو جماعتیں ایک ساتھ مل کر کام کریں تو کل اشخاص دو بڑی سیاسی جماعتوں میں منقسم ہو جاتے ہیں، جس کی بنا نفسیات کے بنیادی اصول پر قائم ہوتی ہے۔ اس سے بڑھکر یہ بھی دعوی کیا جاتا ہے کہ حکومت عمومیہ کے نظریہ سے

---

[1] ڈبلیو، ای، ایچ، لیکی "عمومیت و آزادی" (Democracy and Liberty)

مخالف ہونا تو کجا خود حکومت عمومیہ کا قیام و دوام اسی طریق پر منحصر ہے، کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ فرداً فرداً ہر شخص ہمہ وقت حکمرانی کر سکے، قوم کی حکومت کے معنی ہی اس کے فریق غالب کی حکومت کے ہیں۔ پس اب وہ طریقہ جس کے بموجب قوم کا کوئی خاص حصہ بہ حیثیت فریق غالب کے قائم ہو سکے اور اس طرح معاملات عامہ کے مستحکم و مسلسل نظم و نسق کا امکان پیدا کر دے، صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ حکمراں گروہ کے ارکان باہم "اتفاق رکھنے پر اتفاق کر لیں"۔ یہ اتحاد عام کسی حد تک فرضی ضرور ہے مگر اس کے ساتھ ہی لازمی و ضروری بھی ہے، کیونکہ بغیر اس کے موجودہ زمانہ کی عمومی سلطنت محض انفرادی رایوں کا ایک غوغا ہو جائے گی۔

ان دونوں حجتوں کی صحت کا انحصار ایک حد تک وقت و ملک کے حالات پر منحصر ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کوئی ایک حاوی و اہم سیاسی مسئلہ ایسا پیش آجاتا ہے جس سے قوم لامحالہ موافق و مخالف حصوں میں منقسم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ممالک متحدۂ امریکہ میں غلامی کا مسئلہ اور چاندی کا مسئلہ اور انگلستان میں آزادی تجارت کا مسئلہ اسی قبیل سے تھا۔ ان مسائل کی اہمیت ایسی ہوتی ہے کہ دونوں جانب کے مؤیدین ہمہ تن اس امر پر آمادہ ہو جاتے ہیں کہ اصل مقصد کے حصول کے لیے آپس کے تمام جزوی اختلافات کو دبا دیں اور ہر امر میں باتفاق کام کریں۔ آزادی تجارت یا آزادی فضہ کے دو مؤیدین ایک دوسرے کے موافق رائے دیتے ادر ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کام کرنے پر رضامند ہو سکتے ہیں اور اپنے اغراض و مقاصد کو ایک ہی نمایندہ کے ہاتھ میں دے سکتے ہیں، اگرچہ ایک ان میں سے حامی امتناعیت اور دوسرا مخالف امتناعیت ہو، یہ ایسی صورتیں ہیں جن میں فریقانہ طریق نمایاں طور پر قابل حمایت معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اس سے مقصد خاص کے حاصل کرنے کی ایک طبعی و قرین عقل صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ انیسویں صدی کے اواسط میں

ممالک متحدۂ امریکہ میں یہی حالت موجود تھی، انیسویں صدی کے ایک بڑے حصہ میں انگلستان کے اندر بھی مدت تک یہی صورت قائم رہی اور آزادانہ اصلاح کے عام خیال اور استحفاظ کی عام ناقابل جنبش حالت میں جنگ برپا رہی۔ اسی حالت کے موجود ہونے کی وجہ سے یہ ہوا کہ فریقیانہ حکومت نے لابدی و ناگزیر ہونے کی شان پیدا کر لی اور آفتاب آمد دلیل آفتاب کی مصداق بن گئی۔ اس کے برعکس جہاں اس قسم کا کوئی اہم مسئلہ درپیش نہیں ہوتا وہاں فریقیانہ طریق کی بقا کا انحصار اس کی قوت تنظیمی پر ہوتا ہے۔ اس میں وعدے واقرار مقدم اور اصول موخر ہو جاتے ہیں، اس کے ارکان پہلے یہ فیصلہ کر لیتے ہیں کہ انھیں باہم اتفاق کرنا چاہیے، اس کے بعد پھر یہ سوچتے ہیں کہ کس امر پر اتفاق کرنا چاہیے۔ ممالک متحدۂ امریکہ میں فریقیانہ طریق کی موجودہ حالت یہی ہے۔ کسی اہم مقصد کے نہونے کی وجہ سے جب انتظام میں خرابی واقع ہوتی ہے تو سیاسی جماعتوں کے بجائے بیشمار گروہ بندیاں قائم ہو جاتی ہیں، جن کی حالت جلد جلد بدلتی رہتی ہے۔ حکومت کا کام عارضی و ناپائدار اتحاد سے چلتا ہے اور چونکہ ان فرقوں کی نہ تو قدیمی روایات ہوتے ہیں اور نہ کوئی ان کی مستقل قوت ہوتی ہے اس لیے ان میں عدم ذمہ داری کا خطرناک احساس جوش زن ہو جاتا ہے۔ فرانس، اطالیہ اور براعظم یورپ کے اور بہت سے ملکوں کی ایسی ہی حالت ہے۔ پس اس موجودہ نازک وقت میں فریقیانہ طریق سخت نکتہ چینی کا مورد بنا ہوا ہے، اور یہ امید قوی ہو جاتی ہے کہ آیندہ اس کی کوئی بہتر صورت نکل آئے گی۔

۲۔ انگلستان میں فریقیانہ طریق کا آغاز وارتقا:۔ انگلستان میں فریقیانہ حکومت کے آغاز کی نسبت یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ الزبتھ کے وقت سے شروع ہوتا ہے، پیورٹین جو ملکہ کی حکومت کی عدم رواداری اور اس کے انتہائی اختیارات شاہی کے مخالف تھے، انھوں نے کوششیں کرکے پارلیمنٹ میں جگہیں حاصل کیں اور وہاں ان کے نمایندوں نے

ایک منتظمہ جماعت کے طور پر اجاروں وغیرہ کے شاہی عطیات کے روکنے کی کارروائی جاری کی۔ اس طرح جو بنیاد قائم ہوگئی اس پر عوام پسند فریق کی عمارت بلند ہوئی، اتحاد باہمی کو شاہان اسٹوارٹ کی مطلق العنانہ حکومت نے اور مربوط و مستحکم کردیا۔ بقول سر ٹامس مے[1] "سینڈس، کلک، ایلیٹ، سلڈن، اور پیم کو باقاعدہ پارلیمنٹی فریق مخالف کا پہلا سرگروہ سمجھنا چاہیے"، جب شاہی خودسری کی مخالفت بڑھی تو حقوق عامہ کے حامی اور بادشاہ کے جاں نثار سیاسی جماعتوں سے گزر کر خانہ جنگی کے مخاصم گروہ بن گئے، مگر رجعت شاہی کے بعد وہی پارلیمنٹی تقسیم نمودار ہوگئی۔ چارلس دوم کے دور حکومت میں ایک گروہ درباری فریق کہلاتا تھا اور دوسرا ملکی فریق۔ بادشاہ کے بھائی کو تخت سے محروم کرنے کے لیے سنہ ۱۶۸۰ء میں قانون محجب کے متعلق جو مباحثے ہوئے انھیں میں پہلے پہل وہگ اور ٹوری کے بدنام کنندہ نام رائج ہوئے۔ وہگ کے معنیٰ "خمیر کی طرح پھولے ہوئے چہرے" اور ٹوری کے معنی "قطاع الطریق" سمجھنے چاہییں۔ اس کے بعد سے ڈیڑھ صدی تک یہی نام ان دو بڑی سیاسی جماعتوں کا اظہار کرتے رہے ہیں، جنھوں نے سلطنت متحدہ کے پارلیمنٹی کاموں کو اپنے قابو میں رکھا ہے "وہگ" شاہی اختیارات خاص کے مخالف اور پارلیمنٹی تفوق کے اصول کے حامی تھے اور "ٹوری" بادشاہ کے وسعت اختیار کے جانبدار تھے۔ بعد کے زمانہ کے فریقوں سے ان کا جو تعلق ہے اس میں غلط فہمی نہ ہونا چاہیے۔ اس میں سے ابتداءً کوئی بھی نہ تو ترقی و اصلاح کا حامی تھا اور نہ استقامت و انتظام کا۔ وہ صرف انگریزی دستوری تعلقات کے دو مختلف نظریوں کی نمایندگی کرتے تھے۔ خاندان ہینوور کے

---

[1] سر ٹی، ای، مے (لارڈ فارن برو) نے اپنی دستوری تاریخ Constitutional History کی جلد دوم باب ہشتم میں سلطنت متحدہ کے اندر فریقانہ طریق کے پیدا ہونے اور اس کے ترقی کرنے کے مفصل حالات دیے ہیں۔

تخت نشین ہونے کے بعد دونوں فریق کی حیثیت عجیب و غریب طرح سے بدل گئی۔ وہگ جو اختیارات شاہی کے مخالف تھے وہی اس نئے خاندان کے موید بن گئے۔ برخلاف ازیں ٹوری جو اختیارات شاہی کے حامی تھے صاحب تخت و تاج کے مخالف ہوگئے۔ اس سے ان کی ابتدائی مخاصمت کی باڑھ کند ہوگئی، اور ایک دوسرے کے دشمن ہونے کے بجائے اب ان میں ایک نمائشی اور ضابطہ کی مخالفانہ حیثیت پیدا ہوگئی جو اُس وقت سے اب تک قائم ہے۔ علاوہ ازیں پارلیمنٹی تفوق کے اصول کی عملی فتح اور خاندان اسٹوارٹ کے معاملہ کی یاس انگیز حالت کے مسلم ہو جانے سے دونوں فریق کے امتیازی خصوصیات میں تغیر ہوگیا۔ جارج سوم کی تخت نشینی کے وقت سے "وہگوں" کا میلان اصلاح و ترقی کی حمایت کی طرف ہوگیا، اور ٹوریوں کا عقیدہ یہ ہوگیا کہ انتظام و استحکام کو قائم رکھنا چاہیے، اس طرح یہ دونوں فریق انیسویں صدی کے لبرل (ترقی پسند) اور کنسرویٹو (مستحفظ) فریق میں مبدل ہوگئے۔ ترقی پسندوں کا اصول مسلمہ اس جانب مائل تھا کہ نظام سلطنت میں زیادہ "عمومیت" پیدا کرنا چاہیے، سب کو یکساں سیاسی حقوق ملنا چاہیئے جس قدر مذہبی عوائق و امتیازات باقی رہ گئے ہیں انھیں بھی برطرف کر دینا چاہیے۔ تجارت و حرفت میں اقتصادی آزادی قائم کرنا چاہیے۔ اس کے مقابلہ میں کنسرویٹو (مستحفظ) فریق اس امر پر زور دیرہا تھا کہ نظام سلطنت کے تحت میں حقوق سیاسی کی جو تاریخانہ حالت پیدا ہوگئی ہے وہ برقرار رہے، جن لوگوں کو خاص امتیازات حاصل ہوگئے ہیں وہ محفوظ رہیں اور خطرناک بدعتوں کی روک تھام کیجائے، لیکن انیسویں صدی کے وسط سے ان دونوں فریق کے یہ ابتدائی خصوصیات بہت کچھ گم ہوگئے ہیں۔ انیسویں صدی کے آخری حصہ میں جو متعدد اہم اصلاحات ہوئے ہیں ان میں سے بہت سے

مستحفظ وزارت کے ہاتھ سے ظہور پذیر ہوئے ہیں جن میں حق رائے دہی کی وسعت، مقامی حکومت کی اصلاح، آئرلینڈ کا قانون، قبضۂ اراضی اور ہر قسم کے دوسری اصلاحات داخل ہیں سلطنت متحدہ کی فریقانہ زندگی کی موجودہ ہیئت ظاہری اور اس کی تنظیم کے متعلق بعد کے ایک پیراگراف میں بحث کیجائے گی۔

۳۔ ممالک متحدۂ امریکہ میں فرقہائے سیاسیہ کا آغاز و نشوونما۔

امریکہ میں ممیز طور پر سیاسی فریقوں کے قائم ہونے کا زمانہ ہم اٹھارھویں صدی کے مستمری اختلافات کے وقت سے قرار دے سکتے ہیں۔ گورنرز اور اس کے شرکا کے مقابلہ میں ان نوآبادیوں کی حکومتوں کے نیابتی حصہ کی مسلسل مخالفت کے قائم رکھنے سے بالطبع سیاسی خیالات کو اسی انداز پر تقسیم کر دیا جو مادر وطن میں موجود تھا۔ اور جس طرح انگلستان میں شاہان اسٹوارٹ کے دور میں ہوا اسی طرح یہاں بھی جنگ انقلاب کے وقت میں وہ سیاسی فریق جو اس وقت تک ایک دوسرے کے مخالف تھے اب متخاصم جنگجو بن گئے مگر (سنہ ۱۷۸۷ء میں) پہلی صحیح حکومت قومی کے قائم ہوتے ہی سیاسی فرقے ایک بالکل ہی نئی بنیاد پر پھر نمودار ہوئے۔ جو لوگ ایک مضبوط مرکزی طاقت کے جانبدار تھے وہ حامی متفقیت (Federalists) کہلانے لگے اور جو لوگ متفقی اقتدار کے کم کرنے کی طرف مائل تھے "وہ مخالف متفقیت" کہلانے لگے۔ نظام سلطنت کے منظور ہو جانے کے بعد "حامی متفقیت" وہ لوگ سمجھے جانے لگے جو مرکزی طاقت کے اجتماع و استحکام کے طرفدار تھے اور جو لوگ ریاستوں کے حقوق کے استحکام کیجانب مائل تھے وہ "ریپبلیکین" (جمہوریت پسند) کہلانے لگے۔ اس زمانہ میں یورپ اور امریکہ دونوں جگہوں میں افراد کے حقوق کی وسعت اور حکومت کے فرائض کو کم از کم حد میں محدود کر دینے کا خیال عام طور پر رائج تھا، اس سے موخر الذکر فریق کو تائید حاصل ہو گئی اور آخر میں وہی بازی لے گئے۔ حامیان متفقیت کی تعداد و اثر دونوں

میں انحطاط ہونے لگا اور اٹھارھویں صدی کے ربع اول میں آکر عملاً وہ صفحۂ ہستی سے محو ہو گئے۔ ان کے مخالفوں نے نظام سلطنت کے رواج کے ابتدائی برسوں میں "ڈیموکریٹیک ریپبلکین" (عمومی جمہوریت پسند) کا نام اختیار کرکے عوام کی ہمدردی حاصل کرلی تھی، یہی "ڈیموکریٹیک ریپبلکین" (عمومی جمہوریت پسند) کا لفظ اب ڈیموکریٹ (عمومی) بن گیا ہے میاجان مسفقیت کے ناپید ہو جانے کے بعد قطعی طور پر ممیز سیاسی فریقوں کے فقدان کی وجہ سے ایک طرح کا وقفہ پیش آگیا جسے تاریخی اصطلاح میں "دور خوش اعتمادی" (Good feeling) کہتے ہیں۔ اس تعریف اور مرور ایام نے اس دہ سالہ دور کی ناواجب ثنا و صفت کا پل باندھ دیا ہے جو فی الواقع بقول پروفیسر ہارٹ "نہایت ہی تلخ تعلقات و کینہ و بغض اور قانون سازی کی بے مائیگی کا زمانہ تھا"[1]

(سنہ ۱۸۲۹ء میں) اینڈرو جیکسن کے دور حکومت کے شروع ہونے کے وقت سے عمومی فریق نے ایک نیا چولہ بدلا اور اپنے اس دور میں وہ انتہائی انفرادیت، حق رائے دہی کی وسعت، "قوم" کے حقوق کا حامی و پشت پناہ بن گیا (یہاں لفظ "قوم" کا خاص مفہوم ہے) اسی وجہ سے اس کے بالمقابل وہگ فریق پیدا ہوا جو ایک مضبوط حکومت، شاہراہوں، شہروں وغیرہ کے ایسے قومی ترقیات اور حفاظتی محصول درآمد و برآمد کا موید و حامی تھا۔ سنہ ۱۸۲۰ء و سنہ ۱۸۶۰ء کے مابین مسئلۂ غلامی کی روز افزوں اہمیت نے فریق "وہگ" کو پارہ پارہ کرکے میدان سیاست سے اڑا دیا۔ ان کے بجائے غلامی کے مخالف متعدد فریق پیدا ہو گئے، جن کی مخالفت مختلف درجوں کی تھی۔ آخرالامر ان تمام فریقوں کی قوت رائے دہی کو ریپبلکین (جمہوریت پسند) فریق کی صورت میں مجتمع کرلیا گیا، جو غلامی کی مزید توسیع کے خلاف تھی،

---

[1] عملی حکومت (Actual Government) سنہ ۱۹۰۳ء۔

مگر (بہ حیثیت فریق کے) اس کے بقا کی مخالف نہیں تھی۔ خانہ جنگی نے اس اہم مسئلۂ متنازعہ کا اس طرح خاتمہ کر دیا کہ غلامی کو بالکل منسوخ کر دیا۔ اس کے بعد سے بھی دو فریق انھیں ناموں سے قائم رہے، مگر گزشتہ چالیس برس میں ان کا ارتقا کسی واحد اصول یا حکمت عملی پر مجموعۃً متفق ہونے کے بجائے زیادہ تر اس صورت میں ظاہر ہوا ہے کہ وہ اپنی فریقانہ ہیئت تنظیمی کو مستحکم کرتے رہے ہیں۔ جمہوریت پسند، تجارت حفاظتی کے جانب دار ہیں مگر اس کے ساتھ ہی عمومیت پسند بھی کلیۃً آزادی تجارت کے حامی نہیں ہیں۔ جمہوریت پسند طلائی سکہ کے طرفدار ہیں مگر سب ان میں اسی رائے کے نہیں ہیں، کچھ زمانہ تک عمومی فریق اس معاملہ میں ان کا مخالف رہا مگر ان میں بھی سب اس رائے کے مخالف نہیں تھے۔ جنوب کی ریاستیں مضبوطی کے ساتھ عمومیت پر قائم رہی ہیں، مگر یہ ان کے حالات گزشتہ کے تاریخی تسلسل کا نتیجہ ہے۔ صاف بات یہ ہے کہ دونوں فریق ایک بڑی حد تک ابن الوقت ہیں۔ وہ اپنی حکمت عملی کو حالات موجودہ کے مسائل مروجہ کے موافق ڈھال لیتے ہیں اور اپنی سیاسی رایوں کے انتخاب کرنے میں ان کی نظر زیادہ تر اس امر پر ہوتی ہے کہ بہ ظن غالب سیاسی کامیابی کس رائے سے ہو سکتی ہے۔ فریقانہ ہیئت تنظیمی کو سب پر تقدم حاصل ہو گیا ہے اور فریقانہ اصول دوسرے درجہ میں آ گئے ہیں۔ اب کسی "جمہوریت پسند" کی تعریف یہ نہیں ہے کہ وہ فلاں فلاں اصولوں کا حامی ہے، بلکہ اس کی تعریف یہ ہے کہ وہ جمہوری ہیئت تنظیمی کا طرفدار اور اُس کے نامزد کردہ امیدوار کے انتخاب کا موئید ہے۔ پس فی الحال امریکہ کی سیاسی جماعتوں کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ ان کے انتظام کی کل نہایت مکمل ہے۔ ان دو بڑے فریقوں کے علاوہ وقتاً فوقتاً چھوٹے چھوٹے گروہ بھی پیدا ہوتے رہتے ہیں، ان میں سب سے زیادہ قابل لحاظ گروہ عوامیوں

(Populist) کا فریق بنا۔ اس کی تنظیم وسطی مغربی حصص میں ہوئی تھی اور یہ فریق بمقابلۂ اس قوت کے جسے مشرقی شہروں کے سرمایہ داروں کی قوت زر سے تعبیر کرتے تھے، خصوصیت کے ساتھ سرمایہ داروں کے اغراض و مقاصد کا قائم مقام تھا۔ یہ فریق حکومتی ملکیت کی وسیع کارروائی ہدایت و مراجعہ کی شکل میں راست عمومیت اور عام پسند اصلاح کی دوسری مختلف کارروائیوں پر زور دیتا تھا، یہ امور اس زمانہ سے اس وقت کے مختلف استیصالی فریقوں کے لیے سرمایۂ تجارت بن گئے ہیں سنہ ۱۸۹۲ء کے صدارتی انتخاب میں عوامیوں نے چار ریاستوں میں فتح حاصل کرلی مگر اس کے بعد ہی وہ عمومی فریق کے استیصالی جزو میں کم و بیش جذب ہوگئے۔ اس کے بعد ایک گروہ جو موجودہ صدی کے عشرۂ اول میں ظاہر ہوا وہ ترقی پسند (Projessive) فریق ہے۔ وہ اس امر پر زور دیتا ہے کہ معاشری اصلاح کی وسیع کارروائی مرکزی حکومت کے اختیار سے پوری طرح کام لے کر عمل میں لائی جائے۔ اس فریق نے سنہ ۱۹۱۲ء کے انتخاب میں بڑا زور دکھایا اور جملہ ۱۵۰۳۱۱۶۹، عام رایوں میں سے ۴۱۱۹۵۰۷، رائیں اس نے حاصل کیں۔ اسی اثنا میں جدید اشتراکیت کی ترقی سے ممالک متحدۂ امریکہ میں دو اشتراکی فریق (یعنے اشتراکی اور عمال اشتراکی) عالم وجود میں آئے اور اس میں شک نہیں کہ ان فریق سے کسی وقتی حیثیت کا اظہار نہیں ہوتا بلکہ قومی سیاسیات کے میدان میں یہ دیرپا جزو بنتے نظر آتے ہیں۔ اشتراکیت کی کیفیت بعد کے ایک باب میں بیان ہوئی ہے

۴۔ امریکہ کے فرقہائے سیاسیہ کی تنظیم:۔ ان فریقوں کا اس درجہ تک منظم و مرتب ہو جانا ملک کی صورت حالات کا طبعی نتیجہ ہے۔ جن اسباب سے اس میں مدد ملی ان میں سب سے مقدم اختیار عاملہ و اختیار قانون سازی کا ایک دوسرے سے الگ ہونا ہے جس سے بالطبع یہ ضرورت لاحق ہوتی ہے کہ فریقانہ انتظام کی شکل میں ایک مستحکم رابطۂ اتحاد

قائم رکھا جائے[1] اس کے ساتھ ہمیں اس امر کا بھی اضافہ کرنا چاہیے کہ کس قدر وسیع مملکت کو زیر اثر رکھنا ہے اور اگر ہر شخص کو اس کی رائے وخیال پر بالکل آزاد چھوڑ دیا جائے تو رئیس جمہوریہ، ریاستوں کے والیوں (گورنروں) اور وزرا وغیرہ کا تغیر بالکل ناممکن ہو جائے۔ ماسوا اس کے امریکہ کے طریق کار میں، ذی اقتدار اشخاص کا کوئی ایسا گروہ بھی نہیں ہے جن کی فریقیانہ سرگروہی کی حیثیت ظاہری وہی ہو جو ہمیشہ انگلستان میں فریقی سرگروہوں کی رہی ہے۔ کانگرس کے ارکان نے یہ کوشش کی تھی کہ وہ یہی حیثیت اختیار کریں اور اپنی فریقیانہ «برنک» میں صدارت کے لیے امیدواروں کو نامزد کریں مگر یہ طریقہ بہت جلد بدنام اور سنہ ۱۸۲۴ء میں بالکلیہ شکست ہو گیا، بعد کے عشرۂ ثانی میں ریاستوں کی مجالس وضع قوانین نے بھی اسی قسم کی کوشش کی مگر وہ بھی ایسی ہی بے اثر ثابت ہوئی۔ اس کے بجائے صدی کے عشرۂ ثالث میں ایک اور طریقہ نکلا جو قوم کے اقتدار اعلیٰ کے عام امریکی خیال کے موافق تھا، یعنے یہ دستور جاری ہوا کہ امیدواروں کے پسند کرنے کے لیے ایک «اجتماع» (Convention) منعقد ہوا کرے جس میں سیاسی فریق کے ارکان کے پسند کردہ نمایندے شامل ہوا کریں۔ اس طرح جو طریقہ قائم ہوا وہ بہت تیزی کے ساتھ ترقی کرتا گیا مگر جب تک غلامی کا مہتم بالشان مسئلۂ متنازعہ قوم کے سامنے رہا مجلس عارضی کو اس امر میں کامیابی نہیں ہوئی کہ وہ سیاسی فریقوں میں وہ اعلیٰ مصنوعی انضباط قائم کر دے جو اس کے بعد سے پیدا ہو گیا ہے، لیکن خانہ جنگی کے ختم ہونے کے بعد سے یہ کل یوماً فیوماً زیادہ صحیح و درست ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ اس نے اپنی موجودہ نازک وپیچیدہ صورت اختیار کر لی۔ حال کے زمانہ کے وسیع الاثر اصلاحات نے

---

[1] اس باب میں ایف۔ گڈنو کی تصنیف نظم ونسق ملکی وسیاسیات (Administration and Politics) دیکھنا چاہیے۔

جن کا میلان یہ ہے کہ "اجتماعات" کی کارروائیوں کی جگہ قوم کی براہ راست رائے کو جاری کریں، فریقانہ کل کے طرز عمل کو بہت کچھ بدل دیا ہے، لیکن یہ مضمون بہترین طور پر اسی طرح سمجھ میں آسکتا ہے کہ پہلے یہ دیکھا جائے کہ دور اصلاح کے قبل فریقانہ تنظیم کی کیا حالت تھی۔

اس کی ہیئت ترکیبی کی صورت حسب ذیل تھی[1] اس تنظیم میں رقبوں کی اس تقسیم کی پیروی کیجاتی تھی جو انتخابی اغراض کے لئے قرار پائے تھے۔ ان میں سے ہر ایک رقبہ میں حامیان فریق مخصوص کا ایک خاص جلسہ امیدواروں کے انتخاب کے لئے منعقد ہوتا تھا۔ نیوانگلینڈ کی ریاستوں میں اس کی بنیادی مجلس "پرائمری" (مجلس ابتدائی) کے نام سے مشہور تھی اور اکثر کاکس (برنک) کہلاتی ہے۔ اصولاً یہ پرگنہ، ضلع، یا مضافات کے سب سے چھوٹے حلقۂ انتخابی کے ان تمام اہل فریق کا جلسہ تھا جنھیں رائے دینے کا حق حاصل ہوتا تھا لیکن عملاً ہوتا یہ تھا کہ اس "مجلس ابتدائی" میں اس فریق کے رائے دہندوں میں سے ایک قلیل ہی تعداد کا دخل ہوتا تھا بہت سے لوگ محض بے پروائی سے نہیں آتے تھے، بہت سے اس وجہ سے شریک نہیں ہوتے تھے کہ داخلہ کے لئے جن مقررہ شرائط کی ضرورت تھی وہ انھیں پورا نہیں کرتے تھے اور بہت سے لوگ جو ہر طرح پر داخلہ کا حق رکھتے تھے ناجائز طریقوں سے خارج کردیئے جاتے تھے۔ یہ امر خاص کر ان مجالس ابتدائی پر زیادہ صادق آتا تھا جو شہری رقبوں میں منعقد

---

[1] لارڈ برائس نے اپنی تصنیف "دولت عامۂ امریکی" (American Common Wealth) کی جلد دوم حصۂ سوم میں جس قابل تعریف طریقہ سے ممالک متحدۂ امریکہ کے فریقانہ کل کی تفصیل بیان کی ہے، اس پر کوئی سبقت نہیں لیجا سکا ہے۔ زیادہ جدید معلومات کے لیے ہارٹ کی تصنیف عملی حکومت (Actual Government) دیکھنا چاہیئے۔

ہوتی تھیں، جہاں لوگ ایک دوسرے سے فرداً فرداً کم واقف ہوتے تھے۔

ابتدائی جلسہ کے تین فرائض تھے، وہ اس حلقہ کے لئے اپنے فریق کی مستقل کمیٹی کا تقرر کرتا تھا اُس کے حلقہ میں جو انتخابات ہونے والے ہوتے، ان کے لئے وہ اپنے فریق کے امیدواروں کو نامزد کرتا تھا اور سب سے زیادہ اہم کام یہ ہوتا تھا کہ جب حلقہ کا وہ خود ایک ضمنی فرد ہوتا تھا اس کے فریقانہ جلسہ میں وہ اپنے وکیل روانہ کرتا تھا۔ ان بڑے حلقوں میں جیسے کہ کانگرس یا جمعیت ریاست، ریاستی سینات کے حلقہ ہیں ان میں یہ ناممکن تھا کہ تمام رائے دہندے یکجا جمع کئے جا سکیں۔ اس لئے ان حلقوں میں فریقانہ جلسہ ایک ”اجتماع“ (Convention) کی صورت اختیار کر لیتا جس میں جلسۂ ابتدائی کے بھیجے ہوئے وکلا شامل ہوتے تھے۔ اس قسم کے ”اجتماع“ کے فرائض جلسۂ ابتدائی کے فرائض کے مانند ہوتے تھے۔

وہ اپنی ایک کمیٹی مقرر کرتا، حلقہ کے عہدہ کے لئے نامزدگی کرتا، اور بعض رقبات میں ریاست کے ”اجتماع“ کے لئے اپنی طرف سے وکیل بھی روانہ کرتا تھا، اسی طرح کل ریاست کا ”اجتماع“ عہدۂ گورنری وغیرہ کے لئے امیدواروں کی نامزدگی کرتا، اپنے فریق کیطرف سے کل ریاست کے لئے کمیٹی مقرر کرتا اور اس ”قومی اجتماع“ کے لئے وکلا روانہ کرتا تھا، جو چار سال میں ایک مرتبہ ہوا کرتا تھا[1]۔ یہ قومی ”اجتماع“ اس تمام نظام میں سب سے سربلند ہوتا ہے اس کا انعقاد ممالک متحدۂ امریکہ کی صدارت کے لئے اپنے فریق کے امیدواروں کی تجویز کی غرض سے منعقد ہوتا تھا۔ ریاست کو کانگرس میں جس قدر ارکان کے بھیجنے کا حق ہوتا تھا اس مجلس میں اس سے دو چند ارکان ہوتے تھے، کانگرس کے ہر ایک حلقہ سے دو وکیل بھیجے جاتے تھے،

---

[1] قومی اجتماع میں ریاست کے اجتماع یا کانگرس کے حلقہ کے اجتماع کی طرف سے وکلا روانہ کئے جاتے تھے، بہر نوع وہ چار وکلا جو سینات میں اس ریاست کی نمایندگی کا کام دیتے تھے وہ ریاستی ”اجتماع“ کی طرف سے بھیجے جاتے تھے۔

اور چار وکیل ہر ایک ریاست سے عام طور پر شامل ہوتے تھے، انھیں وکلا کے ساتھ ہر ایک ریاست کیطرف سے چھ اور نمایندے شامل کئے جاتے تھے اور انھیں سے مل کر مکمل قومی ”اجتماع“ مرتب ہوتا تھا کسی حادثہ وغیرہ کے پیش آجانے سے اگر قائم مقامی کی ضرورت پڑے تو اس کے لئے پہلے ہی سے ایک دوسرا گروہ ارکان کا منتخب کر لیا جاتا تھا، جنھیں ”ردیف“ (Alternate) کہتے تھے۔ اس طرح جو اجتماع مرتب ہوتا ہے وہ اپنے فریق کی طرف سے قومی ”مسائل خصوصیہ“ مرتب کرتا اور صدارت کے لئے نامزدگی عمل میں لاتا۔ نامزدگی خفیہ رائے دہی کے ذریعہ سے ہوتی تھی۔ ریپلیکین (جمہوریت پسند) فریق میں محض کثرت رائے کافی ہوتی تھی مگر ڈیمو کریٹک (عمومی) فریق میں دو ثلث کی کثرت رائے کا ہونا ضروری تھا جمہوری فریق میں ہر ایک ریاست کے وکلا اپنی اپنی طور پر مختلف اشخاص کے لئے رائے دے سکتے تھے، لیکن عمومی فریق میں ان کو ایک فرد واحد کی طرح سے ایک ہی شخص کے لئے رائے دینا پڑتی تھی، مگر ۱۹۱۲ء کے عمومی اجتماع نے باستثنائے ان صورتوں کے جہاں کسی ریاست کے قانون کے موافق ایسا کرنا ضروری ہو ایک شخص واحد کی طرح سے رائے دینے کے طریقہ کو ساقط کر دیا۔

اس طرح جو طریقہ اختیار کیا گیا ہے وہ اپنی تنظیم کی یکسانی میں بہت ہی خوشنما معلوم ہوتا تھا۔ اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا کہ فریقانہ امیدواروں کے انتخاب کا ایک نہایت ہی منصفانہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے، جس میں ہر شخص کو مساویانہ شرکت کا حق حاصل تھا، لیکن خرابی یہ ہوئی کہ عملی حیثیت سے اس نے شدید ترین سیاسی خرابیوں کا راستہ کھول دیا تھا، سب سے پہلی خرابی تو یہ تھی کہ اس میں رائے دہندوں کو بہت وقت ضائع کرنا اور دقت اٹھانا پڑتی تھی اور امریکی انتخابات کی کثرت تعداد کی وجہ سے اس میں اور بھی اضافہ ہو جاتا تھا۔ اس سے رائے دہندوں کا طبعی میلان یہی ہوتا تھا کہ وہ جلسۂ ابتدائی سے الگ ہی

اور جس امیدوار کو بھی وہ پسند کرے اُسے قبول کرلیں۔ پس جلسۂ ابتدائی اور اس کی وجہ سے وہ بالاتر "اجتماع" جن میں وہ اپنے نمایندے روانہ کرتا تھا، دونوں کی کارروائی پیشہ ور "مدبروں" اور ان کے طفیلیوں کے ہاتھ میں آجاتی تھی۔ اسی سے اب وہ مشہور عام جدت نکلی ہے جسے فریقانہ "دائرہ" (Ring) اور فریقانہ منتظم کار (Boss) کہتے ہیں جنکے لئے فریقانہ کل کا پیچیدہ نظام، سیاسی تسلط واقتدار حاصل کرلینے کے لئے ایک بنا بنایا زینہ ہے۔ جلسۂ ابتدائی جس قدر خفیہ "دائرہ" کے تحت اقتدار میں آتا جاتا تھا اسی قدر عام اہل ملک اس سے علیحدہ رہنے کی طرف زیادہ مائل ہوتے جاتے تھے، وہ اس کی خرابیوں پر ماتم کرتے مگر تن تنہا ان خرابیوں کا مقابلہ نہیں کرسکتے تھے۔ شہروں کے جلسہائے ابتدائی میں جن لوگوں کو رائے دہی کا حق حاصل ہوتا تھا ان میں سے جو لوگ فی الواقع رائے دیتے تھے ان کی تعداد ایک تہائی سے زیادہ نہیں ہوتی تھی، اور اکثر تو اقل قلیل حد کو پہنچ جاتی تھی۔ نہ صرف یہ بلکہ جلسہائے ابتدائی میں جن لوگوں کو رائے دہی کا حق ہوتا تھا ان کی تعداد بجائے خود اکثر اس فریق کے کل رائے دہندوں کی تعداد کا ایک قلیل جزو ہوتی تھی، کیونکہ جبتک یہ جلسہائے ابتدائی خود ساختہ جماعت بنے رہے اس وقت تک ان کے لئے یہ ممکن تھا جیسا کہ نیویارک میں ہوتا تھا کہ داخلہ کے ایسے سخت قواعد بنالیں کہ چند مخصوص افراد کے سوا اور سب کو خارج کردیں، جن لوگوں کو جلسۂ ابتدائی میں رائے دینے کا حق تھا اور جو اتفاقاً رائے دیتے بھی تھے وہ کسر کی کسر ہوتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام پیچ در پیچ فریقانہ کل خود اپنی ذاتی قوت سے نہیں چلتی بلکہ اندرونی حلقہ کے مدبروں کی اس خفیہ جماعت کے اشارے سے حرکت کرتی تھی، "جو کل کو چلاتے تھے" بجائے اس کے کہ فریقانہ "اجتماع" حقیقتاً تجزات کو عمل میں لاوے وہ ایک فرد، "Slate" یعنے ناموں کی ایک فہرست کو جو پہلے سے تیار کرلیجاتی تھی، قبول کرلیتا تھا، سب سے بدترین خصوصیت خود وہ لوگ اور ان کے خیالات تھے،

جو اس طرح امریکہ کے سیاسیات میں دخیل ہو گئے تھے فریقانہ طریق کار کی نوعیت ہی ایسی تھی کہ راستبازوں کو اس سے تنفض اور بیباکوں کو اس طرف میلان ہو جائے۔ ایسے بہت کم لوگ ہوتے تھے جن میں بہبود عامہ کا اتنا جوش موجود ہو کہ وہ ان مبتذل وسائط کے ذریعے سے محض حب الوطنی کا خیال کر کے عہدوں کی خواہش کریں۔ لامحالہ دوسرے پست درجہ کے متلون الرائے اور خود پسند حریصوں کے لئے راستہ کھل جاتا تھا، جن کے نزدیک اس تمام فریقانہ کارروائی کا مقصد صرف اتنا ہوتا تھا کہ انھیں گزر اوقات کا ایک آسان طریقہ ہاتھ آجائے اور فریب آمیز خود نمائی کا طمع بھی چڑھا رہے، لیکن باایں ہمہ امریکہ کی فریقانہ زندگی کے بدنما پہلو پر ضرورت سے زیادہ زور بھی نہ دینا چاہیئے ایک غیر ملکی مبصر اس سے یہی خیال کرے گا کہ امریکہ کی قوم بہ حیثیت مجموعی نہایت ناکارہ و ابتر ہو گئی ہے مگر فی الواقع یہ صحیح نہیں ہے۔ مشکل اوقات میں یا جب قوم پر کوئی بڑا نازک وقت آپڑتا ہے تو اس قسم کے طریقوں سے جو مصنوعی رکاوٹیں پیدا کی گئی تھیں، سب منہدم ہو جاتی تھیں اور صحیح المصرف اشخاص میدان سیاسیات میں بزور بازو اپنا راستہ نکال لیتے تھے، لیکن پرامن اوقات کی آسودگی اور عظیم الشان حرفتی تمدن کی سرمست مرفہ الحالی کے پرامن دوران میں یہ کل پھر انھیں لوگوں کے ہاتھوں آجاتی تھی جو اسی کا چلانا اپنا کام سمجھتے تھے۔

۵۔ اس طریق کی اصلاح :۔ فریقانہ کل کی ان خرابیوں کے تدارک کا مسئلہ مدت سے زیر بحث رہا ہے، حقیقی و مستقل علاج تو یہی ہو سکتا ہے کہ عام رائے دہندوں کو ان کی عادتی غفلت و استغراق سے بیدار اور انھیں اپنے کامل سیاسی حقوق کو پوری مستعدی کے ساتھ عمل میں لانے پر آمادہ کیا جائے، لیکن یہ مسئلہ قانونانہ اقتدار کے اثر سے بالکل باہر ہے اور اس کے وجود میں آنے کی صورت صرف یہی ہے کہ اہل ملک میں اپنے فرائض کے متعلق ایک پرزور عام احساس پیدا ہو جائے اور اس تباہ کاری سے جو عملی سبق حاصل ہوا ہے اس سے

اس احساس میں اور زور آجائے، لیکن ہر حال میں یہ امر مشکوک ہے کہ آیا عہدوں کی مختصر میعاد اور کثیر التعداد انتخابات کے موجودہ طریق کے ہوتے ہوئے عام اہل ملک کی زندگی عامہ میں اس پرزور احساس کا پیدا ہو جانا، بغیر اس کے ممکن بھی ہے یا نہیں کہ ان کے دوسرے معاشرتی مشاغل کو سخت نقصان پہنچ جائے۔ امریکہ کے سیاسی فریقوں کے طریق عمل کی اصلاح اس وقت زیادہ آسان ہو جائے گی جب اس کے ساتھ ہی یہ بھی کوشش کیجائے گی کہ انتخابی عہدوں کی میعاد بڑھادی جائے۔ اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ ایک منتخب شدہ عہدہ دار صرف ایک برس اپنے عہدہ پر قائم رہے، اور ممالک متحدۂ امریکہ کے بیشتر عہدہ دار ایسے ہی ہیں (جن میں ریاستوں کے گورنر بھی شامل ہیں) یا یہ کہ حسب دستور مجلس وضع قوانین کا رکن صرف دو برس اس کام کو انجام دے۔ بارہ مہینہ کی مدت میں عمومیت کی کوئی خاص شان نہیں نظر آتی، اگر تغیر و تبدل فی نفسہ ایک اچھی چیز ہے تو پھر ہر مہینہ انتخاب کیوں نہ ہوا کرے۔ انتخابات کی تعداد جب کم ہو جائے گی تو رائے دہندوں کو اس امر کا زیادہ موقع ملے گا کہ جو انتخابات ہوں ان میں وہ براہ راست زیادہ دخل دیسکیں اور اس صورت میں یہ ممکن نہ ہوگا کہ عملاً حصۂ کثیر کو میدان سیاست سے خارج کر دیا جائے۔

لیکن موجودہ صدی کے آغاز کے وقت سے پرزور کوششیں اس امر کی ہو رہی ہیں کہ ان خرابیوں کی اصلاح کی جائے جو فریقانہ تنظیم کی وجہ سے نشوونما پاگئی تھیں۔ اصلاح کی پہلی کارروائی جسے وسعت کے ساتھ قبول کرنا منظور تھا یہ تھی کہ سیاسی فریقوں کے جلسۂ ابتدائی کو ایک خود ساختہ جماعت بر بجائے از روئے قانون ایک منتظم جماعت بنا دیا جائے۔ گزشتہ بیس تیس برس کے اندر اکثر بڑی ریاستوں میں "قوانین

انتخاب ابتدائی" کے نام سے جو قانون بنے ہیں ان کا مقصد یہی ہے۔ ان قوانین کی رو سے یہ لازمی قرار دیا گیا ہے کہ ابتدائی انتخاب کے وقت و مقام کی عام اطلاع مناسب طریقہ سے شائع کیجائے، انتخاب قرعہ اندازی کے طریق سے ہو اور اخراجات ریاست کی طرف سے ادا کئے جائیں، یہ قوانین بالعموم شہروں میں لازمی اور دیہاتی حلقوں میں اختیاری ہیں، لیکن مذکورۂ بالا قواعد میں اب بھی یہ مسئلہ لاینحل رہجاتا ہے کہ ابتدائی جلسہ کے داخلہ کے قواعد بدستور خود فرقۂ سیاسیہ ہی کے ہاتھ میں رہتے ہیں، بعض ریاستوں میں قانون نے ایک قدم اور آگے بڑھایا ہے اور جلسۂ ابتدائی کے داخلہ کیلئے بھی اوصاف ضروریہ کا تعین کر دیا ہے۔ جلسۂ ابتدائی میں شریک ہو کر رائے دینے کے متعلق مختلف ریاستوں کے قوانین میں یکسانی نہیں ہے مگر دو خاص طریقوں کو ایک دوسرے سے ممیز کر کے سمجھ لینا چاہئے۔ بعض ریاستوں میں "کھلے ابتدائی جلسے" ہوتے ہیں، جن میں رائے دہندہ قرعہ اندازی کے خفیہ طریق سے بغیر اس امر کے اظہار کے کہ وہ کس فریق سے تعلق رکھتا ہے جسے چاہے اپنی رائے دیسکتا ہے۔ ان حالات میں اس امر کے روکنے کے لئے بھی قانون بنایا گیا ہے کہ رائے دہندہ ایک سے زائد فریق کے لئے رائے نہ دے سکے۔ برخلاف ازیں بعض دوسری ریاستوں میں "بند ابتدائی جلسے" قائم کئے گئے ہیں، بند ابتدائی جلسے میں رائے دہی کی شرکت کے لئے کسی قدر فریقانہ وفاشعاری کے جانچ کی ضرورت ہوتی ہے، چنانچہ کلیفورنیا اور مینسوٹا میں وفاشعاری کا ایک اقرار لیا جاتا ہے، اور لوئزیانا اور ٹکزاس میں حسب قانون یہ وعدہ کرنا پڑتا ہے کہ جو امیدوار اس طرح منتخب ہو گا اس کی تائید کیجائے گی۔ دوسری ریاستوں میں خود فرقہ کے ذی اقتدار اشخاص کو قانوناً یہ اجازت حاصل ہے کہ وہ اس ابتدائی جلسے کی رکنیت کے لئے کوئی جانچ مقرر کر لیں۔

اس وقت تک میں نے جلسۂ ابتدائی کا ذکر صرف اس حیثیت میں کیا ہے کہ وہ مقامی رقبہ کے لئے اپنے فریق کے امیدوار اور بالآخر "اجتماعات" کے لئے اپنے فریق کے وکلا کا انتخاب کرتا ہے، مگر اس جلسۂ ابتدائی کے طریقہ کی اصلاح سے نہ صرف اس رائے کو ایک "قانونی وقعت" حاصل ہو گئی ہے بلکہ خود جلسۂ ابتدائی کے فرض منصبی میں ایک مزید تغیر ہو گیا ہے۔ اس نئی خصوصیت کی تشکیل براہ راست جلسۂ ابتدائی یا براہ راست نامزدگی کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ اس تجویز کا عام مقصد یہ ہے کہ "اجتماع" کو مطلقاً ساقط کر دیا جائے اور تمام مسلمہ فریقانہ امیدواروں کا انتخاب قوم کی رائے سے ہو، جو جلسۂ ابتدائی کی صورتوں میں جمع ہو کر اظہار رائے کریں۔ اس تجویز کے موافق جو شخص کسی عہدے کے لئے امیدوار بننے کا ارادہ رکھتا ہو وہ جس طرح مناسب سمجھے اپنے نام کا اعلان کر دے یا اس کے تائید کنندوں کی کوئی جماعت غیر سرکاری طور پر اس کا نام عوام کے سامنے پیش کر دے۔ اس طرح کسی مسلمہ فریق میں جتنے شخصوں کو بھی امیدوار بننے کا شوق ہو ان سب کے ناموں کا غیر سرکاری طور پر اعلان ہو سکتا ہے، جب براہ راست جلسۂ ابتدائی یا براہ راست نامزدگی کا وقت آتا ہے تو ہر ایک باشندۂ ملک اپنے میں سے کسی ایک کے لئے رائے دیتا ہے یا وہ اپنے حسب خواہش اپنے پرچۂ رائے دہی پر کسی اور شخص کا نام لکھ دیتا ہے اور یہی اس کی طرف سے کسی نہ کسی سیاسی فریق کے امیدوار کے لئے اظہار پسندیدگی سمجھا جاتا ہے۔ ہر فریق میں جن اشخاص کو سب سے زیادہ رائیں حاصل ہوتی ہیں وہی اس کے مسلمہ امیدوار ہو جاتے ہیں اور جو نامزد شدہ اشخاص اس میں شکست کھا جاتے ہیں ان کے مویدین انتخاب کے روز باغلب وجوہ انھیں پسند شدہ امیدواروں کو اپنی رائے دے دیتے ہیں اس طرح یہ جلسے "اجتماعات" کی وساطت کے بغیر ریاست کے مختلف عہدوں کے لئے امیدوار نامزد کر سکتے ہیں۔ وہ ممالک متحدہ کے سینات کی رکنیت کے لئے امیدوار

نامزد کر سکتے ہیں اور مجلس وضع قوانین میں دو یا زائد فریق انھیں ناموں پر رائے دے سکتے ہیں۔ آخری امر یہ ہے کہ انتخاب صدارت کے فریقانہ امیدواروں کی نسبت بھی وہ یہ خیال ظاہر کر سکتے ہیں کہ ان میں سے وہ کسے مرجح سمجھتے ہیں اور عملاً وہ ایسا کرتے ہیں۔

براہ راست نامزدگی کے طریقے نے بے انتہا وسعت حاصل کر لی ہے اب اس کا بلند ترین استعمال صدارتی انتخابوں میں پایا جاتا ہے، جہاں ابتدائی جلسوں میں رائے دہندوں سے یہ خواہش کیجاتی ہے کہ وہ نہ صرف قومی مجلس عارضی کے ارکان کا انتخاب کر دیں بلکہ صدارت کے کسی خاص امیدوار کی نسبت اپنی "ترجیح" بھی درج کر دیں۔ اس طریقہ کے متعلق بے انتہا جوش پیدا ہو گیا ہے اور حد سے زیادہ اس کی ثنا و صفت ہو رہی ہے۔ اس کے حامیوں کا خیال یہ ہے کہ اسی ذریعہ سے خود ساختہ سیاسیات، مصنوعی اجتماع، فریقانہ منتظم کاروں اور مہتموں کی لقیہ جماعت، سب کا خاتمہ ہو جائے گا، لیکن بہت ممکن ہے کہ براہ راست نامزدگی کے فوائد پر ضرورت سے زیادہ زور دیا جا رہا ہے؛ سب کچھ کرنے کے بعد بھی یہ ہو سکتا ہے کہ سیاسی منتظمان کار نے اپنی جو تنظیم اور کل تیار کی ہے اسے وہ ایک قدم اور پیچھے ہٹا دیں، اور عام رائے دہندوں کی غفلت میں، خود براہ راست نامزدگی کو اپنے سابقہ مصنوعی انتخاب کا تابع بنالیں۔ جب تک کہ براہ راست نامزدگی کے ساتھ خدمت عامہ کا زیادہ جوش اور ملکی معاملات میں حصہ لینے کا زیادہ میلان نہ پیدا ہو جائے گا اُسوقت تک اس براہ راست نامزدگی کا حشر بھی وہی ہوتا ہے جو خارج کردہ کل کا ہوا ہے، اور جگہوں کی طرح یہاں بھی بغیر جوش و ارادہ کے حکومت کی ظاہری صورتوں کے تغیر و تبدل سے کچھ حاصل نہیں ہے۔ مزید برآں براہ راست نامزدگی کے سنجیدہ نقاد ابھی سے اس امر کی طرف توجہ دلانے لگے ہیں کہ اس کا اثر یہ پڑ رہا ہے کہ فریقانہ "اجتماع" سے غور و فکر اور بحث و مباحثہ کا جو موقع ملتا تھا وہ مفقود ہو گیا ہے۔ (عملاً ایسا نہ بھی ہوتا رہا ہو مگر

تخیلی حیثیت سے تو اسے تسلیم ہی کیا جائے گا کہ ان اجتماعات میں بحث ومباحثہ کا موقع تھا۔)

۶۔ برطانیہ عظمیٰ میں فریقانہ کام کا ذریعۂ کار: سلطنت متحدہ میں فریقانہ کل اس درجہ منتظم حالت میں نہیں پائی جاتی جو ممالک متحدہ امریکہ میں ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں اس کی اس قدر ضرورت نہیں سمجھی گئی جیسا کہ اوپر ظاہر ہو چکا ہے نظام کابینی کی وجہ سے اختیارات عاملانہ واختیارات قانون سازی دونوں ایک ہی شخصوں کے ہاتھ میں آجاتے ہیں۔ امریکہ میں فریقانہ تنظیم ہی وہ رابطہ ہے جس کے ذریعہ سے حکومت کی دو شاخوں میں جو قانوناً ایک دوسرے سے بالکل علحدہ ہیں، ہم آہنگی پیدا ہو جاتی ہے۔ انگلستان میں اس کام کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اس کے ساتھ اس امر کا بھی اضافہ کر لینا چاہیے کہ انگلستان کے پارلیمنٹی انتخابات، ممالک متحدہ کے متفقی وریاستی عہدوں کے کثیر التعداد انتخابات کے بہ نسبت بہت کم ہیں۔ بایں ہمہ باقاعدہ فریقانہ کل کا رواج برطانیہ عظمیٰ میں بڑھتا جاتا ہے۔ اگرچہ انگلستان کے اکثر لوگ اسے آمدہ امریکہ سمجھکر مدت تک ناپسند کرتے رہے مگر انتخابی اغراض کے لئے اس کی بدیہی کارگزاری نے اس کے اختیار کر لئے جانے کا یقین دلا دیا ہے[لہ]، انگلستان کی

[لہ] برطانوی حکومت کے متعلق چند ہی تصانیف ایسی ہونگی جنمیں فریقانہ تنظیم کا کچھ ذکر ہو۔ پریسیڈنٹ لوئل کی قادرانہ تصنیف "حکومت انگلستان" (The Government of England) (سنہ ۱۹۰۸ء) حصۂ دوم میں اس عنوان پر نہایت ہی خوبی سے بحث کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ آسٹروگورسکی کی تصنیف عمومیت وفرقہائے سیاسیہ کی تنظیم Democracies and the organization of political parties اور مسٹر ونسٹن چرچل کی تصنیف "لارڈ رینڈلف چرچل" (Lord Randolph Churchill) کا بالخصوص باب ہفتم دیکھنا چاہیے۔

فریقانہ ہیئت کے مرکز پر دو عظیم الشان سیاسی تنظیمات قائم ہیں، ایک تو "نیشنل" کنسرویٹو یونین (قومی مستحفظی اتحاد) اور دوسرا نیشنل لبرل فیڈریشن (قومی آزادانہ متفقیت) ہے۔ ان دونوں کا صدر مقام لندن ہے۔ پارلیمنٹی حلقۂ انتخاب کے ہر ایک حلقہ میں وہاں کے دونوں فریق کے مستعد کار اشخاص اپنی جماعت بنا کر صدر مقام سے الحاق قائم کر لیتے ہیں۔ فریقانہ ہیئت کا یہی ابتدائی تخم ہے جو امریکہ کے جلسۂ ابتدائی کے مثل ہے۔ یہ جماعت کل حلقۂ انتخاب کے فریقانہ کونسل (مجلس) کے لئے نمائندے منتخب کرتی ہے اور حلقوں کی کونسل کی طرف سے کل ضلع یا برو کے لئے ایک کونسل قائم کرنے کے واسطے نمائندے روانہ کئے جاتے ہیں، سب سے بعد میں یہ آخری کونسل لندن کی مرکزی جماعت کے لئے نمائندے منتخب کرتی ہے۔ پارلیمنٹ کے فریقانہ سرگروہوں کا اثر بالطبع حاوی و غالب ہوتا ہے، اس کی حالت تقریباً ویسی ہی ہے جیسے انیسویں صدی کے اوائل میں "کانگریسی بزنک" نے حاصل کرنا چاہی تھی۔ "یہ بزنک" اس وجہ سے شکست ہو گئی کہ امریکہ کے متفقی نظام میں صرف قومی کانگرس ہی قوم کی سیاسی زندگی کی واحد و اعلیٰ مرجع و ماوا نہیں ہے، لیکن برطانوی پارلیمنٹ کی حالت اس سے مختلف ہے اور اسی وجہ سے وہاں فریقانہ سرگروہوں کو بالطبع یہ منزلت حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ تمام حلقہائے انتخاب پر اپنا اثر ڈال سکیں۔ ان تنظیمات کی جن ملحقہ شاخوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ اسی اقتدار کو معینہ شکل میں لانے کا کام انجام دیتی ہیں فریقانہ "اجتماعوں" کے تدریجی ارتقا سے فریقیانہ "آرائے مخصوصہ" کا طریق بھی پیدا ہونے لگا ہے۔ بڑے بڑے فریقیانہ سرگروہوں کے باضابطہ "کھلے خطوط" یا خطبات اور کونسلوں اور حلقہائے انتخابی وغیرہ کی منظور کردہ قرار دادیں، اسی نوعیت کی ہوتی ہیں۔ امیدواروں کی نامزدگی کسی قدر بے ترتیبی کے ساتھ اور مختلف طریقوں سے ہوتی ہے اس امر سے بے ربطی اور بڑھ جاتی ہے کہ خود حلقوں کے اندر رہنا شرط لازمی نہیں

قرار دیا گیا ہے، ایک ہی شخص کے بار بار منتخب ہونے کے دستور کی وجہ سے بھی انتخاب کرنے کی ضرورت بہت کچھ گھٹ گئی ہے۔ اگر کسی نئے شخص کے نامزدگی کی ضرورت پیش آتی ہے تو یا تو خود حلقۂ انتخابی کی کونسل ایسا کرتی ہے یا اگر وہاں کسی شخص کے متعلق آپس میں اتفاق نہیں ہو سکتا تو اس کی درخواست پر مرکزی کونسل کوئی موزوں امیدوار تجویز کر دیتی یا دو تین شخصوں کے نام پیش کر دیتی ہے جن میں سے حلقۂ انتخابی کی کونسل خود کسی ایک شخص کو منتخب کر لیتی ہے۔

۷۔ براعظم یورپ کی فریقیانہ جماعتیں:۔ براعظم یورپ کے فریقیانہ طرز حکمرانی میں چند ایسے خصوصیات نظر آتے ہیں جو نمایاں طور پر اس حالت سے مغائر ہیں جو اس وقت تک امریکہ و انگلستان میں قائم ہیں، بجائے دو جلیل القدر سیاسی فریقوں کے جو تمام دوسرے فریقوں پر چھا گئے ہوں اور یکے بعد دیگرے اقتدار حکومت پر قابض ہوتے رہتے ہوں، فرانس، جرمنی و اطالیہ میں ہمیں کثیر التعداد فریقیانہ گروہ نظر آتے ہیں، جن میں سے کوئی ایک بھی اتنا قوی نہیں ہوتا ہے کہ وہ دوسروں کو مغلوب کر دے۔ فرانس و اطالیہ میں یہ طریقہ سیاسی زندگی کے لئے خصوصیت کے ساتھ ایک پریشان کن عنصر بن گیا ہے کیونکہ ان ملکوں میں نظم و نسق کی بنیاد کابینی نظام پر ہے جس کے لئے ضروری ہے کہ حکومت عاملانہ کو مجلس وضع قوانین کے ایوان ادنیٰ میں کثرت رائے کی تائید حاصل ہو، فریقیانہ زندگی کی اس گروہ بندی کے طریقہ میں کوئی ایک فریق بھی اس قابل نہیں ہوتا کہ وہ تن تنہا اس قسم کی تائید بہم پہنچا سکے پس لامحالہ مختلف فریقوں کے اتفاق باہمی سے یہ تائید حاصل کیجاتی ہے لیکن اس تائید باہمی میں ہر ایک کی نظر اپنے نفع پر رہتی ہے اور جب کسی فریق کو کسی زیادہ سود مند اتحاد کا موقع مل جاتا ہے تو وہ اس تائید سے الگ ہو جاتا ہے، چنانچہ فرانس کی تیسری جمہوریہ کے دور میں فرانسیسی وزارت اپنے عدم استقامت کی وجہ سے جس قدر بدنام

ہوئی اس کی وجہ بھی یہی ہے۔ فرانس میں چار خاص فریقانہ جماعتیں قائم ہیں لیکن متعدد زیرتقسیمیں بھی ہیں اور انھیں سے مل کر بکثرت اتحادات بنتے رہتے ہیں۔ سیاسی تفریق کے خاص حدود کنسرویٹو (مستحفظ) ریپبلکین (جمہوریت پسند) ریڈیکل (استیصالی) اور سوشلسٹ (اشتراکی) کے مصطلحات سے ظاہر ہوتے ہیں۔ کنسرویٹو فریق میں قدیم شاہی فریق کے باقیات شامل ہیں جو کسی زمانے میں "حامیان شہنشاہی"، "حامیان خاندان آرلینز" اور "حامیان حق وراثت" کے ناموں سے منقسم تھے مگر اب انھیں شاہی کے دوبارہ قائم ہو جانے کی کچھ امید باقی نہیں رہی ہے اور اب سب کے سب زیادہ بڑھی ہوئی عمومیت کی مخالفت پر متحد ہو گئے ہیں۔ حال میں جو جماعت نیشنلسٹ (قوم پرستوں) کی قائم ہوئی ہے وہ انھیں مستحفظ عناصر کی ترتیب جدید ہے۔ ریپبلکین گروہ نے اپنا نصب العین یہ قرار دے لیا ہے کہ تیسری جمہوریہ جس حالت سے قائم ہے اس کے برقرار رکھنے کے لئے سینہ سپر رہیں گے مگر اسکے ساتھ ہی ان حد سے بڑھے ہوئے معاشرتی اصلاحات کے درپئے نہ ہوں گے جن کے لئے استیصالی گروہ زور دے رہا ہے۔ اشتراکی موخرالذکر سے اس امر میں مختلف ہیں کہ ان کی خواہش یہ ہے کہ انفرادیت کا کلیتہً قلع قمع کر دیا جائے اور امداد باہمی کے اصول پر ایک دولت عامہ قائم کیجائے۔ فرانس کے اشتراکی رقیب سرگروہوں کی پیروی اور مخالف یکدگر اصول کے اظہار، دونوں اعتبار سے بہت منقسم رہے ہیں، مثلاً مرکزی حکومت کے مقابلہ میں بلدیت، لاالتسویت (No compromise) کے مقابلہ میں ابن الوقتی (Opportunism) وغیرہ کے ایسے بہت سے مسائل ایک دوسرے کے نقیض موجود ہیں۔ ان میں سے کسی فریق کو بھی کبھی اتنی قوت نہیں حاصل ہوئی کہ وہ خود اپنے زور پر کوئی وزارت قائم کر لیتا۔ اس وجہ سے پریسیڈنٹ گریوی کے تحت میں صحیح معنوں میں جمہوریت کے قائم ہونے کے وقت سے ۱۹۰۵ء تک ایک وزارت کے سوا جس قدر

وزارتیں قائم ہوئی ہیں، سب کی اصل بنیاد جمہوریت پسند فریق پر تھی اور انھیں کے ساتھ وقتی طور پر اور فریق شریک ہو جاتے تھے۔ سنہ ۱۸۹۵-۹۶ء کی موسیو بورژوا (Bourgeois) کی وزارت میں استیصالی عنصر غالب تھا اور سنہ ۱۹۰۵ء سے جنگ عظیم کے وقت تک کی وزارتیں استیصالیوں اور اشتراکیوں کے اتحاد پر مبنی رہی تھیں۔ یہ ایک طبعی امر تھا کہ زمانۂ جنگ میں فرانس کی حکومت حب الوطنی عناصر کے عام اتحاد کی نمائندگی کر رہی تھی، تیسری جمہوریت کے دوران قیام کے بیشتر حصہ میں وزارتوں میں جو عدم استقامت کی خصوصیت پائی جاتی تھی اس میں فرانس کے طریق وضع قوانین سے اور بھی زیادتی ہو گئی تھی۔ وہاں یہ دستور ہو گیا ہے کہ وزارت کو اگر معمولی معاملات میں یا دارالنائبین میں کسی "استفسار"[لہ] کے ضمن میں بھی شکست ہو جائے تو وہ مستعفی ہو جاتی ہے، خود ارکان کابینہ کو بھی کسی خاص وزارت کے برقرار رکھنے میں اس قدر دلچسپی نہیں ہوتی جس قدر انگلستان میں ہوتی ہے کیونکہ بہت ممکن ہے کہ ایک وزارت کی برطرفی کے بعد دوسری وزارت کی نئی ترتیب میں انھیں جگہ ملجائے۔ پس فرانس میں کابینی حکومت کے ساتھ سیاسی جماعتوں کا تعلق اس سے بالکل ہی مختلف حالت میں ہے جو انگلستان میں پایا جاتا ہے۔ درحقیقت موخر الذکر ملک میں یہ طریق جس درجہ مدح و ستائش کا سزاوار ہو گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں پر سمجھ لیا گیا ہے کہ حسب رموز قدرت دو بڑی سیاسی جماعتیں قائم ہیں اور ان کا اسی حال پر قائم رہنا اغلب ہے۔ اسی کے فقدان نے فرانس میں تمام کام بگاڑ رکھا ہے سابق شہنشاہی جرمنی میں بھی فریقانہ جماعتوں کی یہی تقسیم در تقسیم موجود تھی جنگ عظیم کے قبل

[لہ] استفسار (Interpellation) اور پارلیمنٹ برطانیہ کے "سوال" میں فرق یہ ہے کہ مقدم الذکر میں مسئلہ زیر بحث کے استفسار کے بعد مباحثہ کی اجازت ہے اور موخر الذکر میں ایسا نہیں ہے۔

جرمانی ریشٹاگ کے انتخاب میں کم سے کم ایک درجن مختلف فریقوں کی موجودگی معلوم ہوتی تھی، ریشٹاگ میں ۳۹۷، ارکان تھے، مگر ان میں بھی سب سے زیادہ کثیر التعداد گروہ یعنی اشتراکیوں کو صرف ایک سو دس جگہیں حاصل تھیں (”مخالفان یہود“ ”حامیان پوپ“ وغیرہ کے مانند) متعدد فریق ایسے تھے، جن کے ارکان ایک درجن سے بھی کم تھے۔ لیکن فرقوں کی اس تقسیم در تقسیم کا جرمنی میں وہ اثر نہیں ہوتا تھا جو فرانس میں پڑتا ہے کیونکہ وہاں پارلیمنٹی حکومت نہیں تھی۔

فریقانہ حکومت کے نظم پر جب عام نظر ڈالی جاتی ہے تو اس میں دو میں سے ایک خطرہ کا احتمال معلوم ہوتا ہے۔ اگر کسی اہم مسئلہ کی وجہ سے تقسیم آرا کا وجود نہیں رہتا تو کسی سیاسی فریق کا اتحاد و استحکام محض ایک مصنوعی کام رہجاتا ہے، پہلے تو اتحاد باہمی کے لئے ایک فطری رابطہ موجود تھا اور اب اتفاق باہمی کے لئے صرف مصنوعی فریقانہ روابط کی ایک مذموم صورت باقی رہجاتی ہے۔ دوسری طرف جہاں اس قسم کا مصنوعی یا طبیعی رابطۂ اتحاد نہیں ہوتا وہاں سیاسی فرقے ایسی شاخ در شاخ و ناقابل انتظام صورت اختیار کر لیتے ہیں جو براعظم یورپ میں نظر آتی ہے۔ برطانیہ اعظمی میں جہاں نظام سلطنت کا اس کی موجودہ صورت میں چلنا فریقانہ حکومت پر منحصر ہے، وہاں بیسویں صدی کی ابتدائی دہائیوں میں معاملات عامہ کی حالت بہت ہی دلچسپ و نازک حد پر پہنچ گئی ہے۔ قدیم شجر تفریق میں نئی شاخیں پھوٹ نکلی ہیں، اور اب نئے طور پر تقسیمیں ہو رہی ہیں ۱۸۸۶ء میں گلیڈسٹن کے حکومت خود اختیاری کی حکمت عملی اختیار کرنے سے لبرل (ترقی پسند) فریق یونینسٹ (اتحادی) اور ہوم رولر (حامیان حکومت خود اختیاری) میں تقسیم ہو گیا۔ اول الذکر کے کنسرویٹو (محتفظ) فریق کے ساتھ شریک ہو جانے سے یہ درز کسی قدر بند ہو گئی لیکن صدی کے ختم ہوتے ہوتے امپیریلیسٹ (توسیع پسند) و اینٹی امپیریلیسٹ

(مخالف توسع سلطنت) پروٹکشنسٹ (محافظ تجارت) و فری ٹریڈر (حامی تجارت آزاد) اور دوسری چھوٹی چھوٹی تفریقوں کے قائم ہو جانے سے فرقوں کی ہئیت کذائی میں بہت سخت تزلزل واقع ہو گیا ہے۔ بیسویں صدی میں پارلیمنٹ کے اندر حزب العمال کے ایک زبردست عنصر کے طور پر نمودار ہونے نے حالت میں اور بھی ابتری پیدا کر دی۔ قدیم لبرل فریق نے جنگ کے قبل ایک استیصالی بازو پیدا کر لیا تھا جو بزور معاشری اصلاح اور دار الامرا کے اختیار کی تحدید کا اقرار کر چکا تھا، اس فریق نے کسی حد تک مزدور گروہوں اور حامیان حکومت خود اختیاری کے ساتھ متحد ہونے کی وجہ سے انگلستان میں غلبہ پیدا کر لیا ہے۔ جنگ نے اس کی مستعدیوں میں خلل ڈال دیا اور جنگ ہی ایک قومی متفقہ حکومت کے بن جانے کا باعث ہو گئی۔ اب تشکیل جدید کے آئندہ دور میں سیاسی فریقوں اور فریقانہ گروہوں کی نئی ترتیب کس طرح ہو گی اس کے متعلق کچھ کہنا غیر ممکن ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا برطانیہ کی جماعتہائے سیاسیہ مختلف گروہوں میں منتشر ہو کر وعدوں اور خاص رایوں کی بنا پر اتحاد کا وہی باضابطہ طریقہ اختیار کرتی ہیں جو امریکہ میں مروج ہے، یا وہ کوئی ایسا ذریعہ پیدا کرتی ہیں کہ کسی اصولی مسئلہ کی بنا پر وہ سابقہ "طبعی" حالت مخالفت پر عود کر آئیں۔

قابل مطالعہ کتابیں

ایم۔ آسٹروگرسکی۔ عمومیت، و تنظیم فرقہائے سیاسیہ (سنہ ۱۹۰۲ء)
(Democracy and the Organization of Political Parties)
جلد اول باب ہشتم جلد دوم (بالتخصیص) حصۂ دوم۔
لارڈ برائس کا دیباچہ بھی دیکھنا چاہیے۔
جے، باڈلی۔ فرانس (France) جلد دوم کتاب دوم باب پنجم۔

ای ۔ ال ۔ گاڈکن ۔ عمومیت کے غیر متوقع رجحانات (سنہ ۱۸۹۸ء) (Unforeseen tendencies of Democracy) خطبہ شمارہ ۳۔

"طریق نامزدگی"

اے ۔ ڈی ۔ ٹاکویل ۔ اصول عمومیت در امریکہ (سنہ ۱۸۳۵ء) Democracy in America) باب دہم (ممالک متحدہ امریکہ میں فرقہائے سیاسیہ)

اے، ال، لوئل ۔ حکومت انگلستان (The Government of England) حصۂ دوم ۔

اسناد مزید

جے ۔ ایچ ۔ ہاپکنس، (ممالک متحدہ امریکہ کے فرقہائے سیاسیہ کی تاریخ (سنہ ۱۹۰۰ء) (History of Political Parties in the United States)

جے ۔ میسی ۔ (ممالک متحدہ امریکہ کے فرقہائے سیاسیہ (سنہ ۱۸۴۶ - ۶۱ء) (Political Parties in the United States) (سنہ ۱۹۰۰ء)

ئی ۔ ایچ ۔ میک کی ۔ قومی اجتماع و فریقانہ آرائے خاص، (National Convention and Platforms) طبع چہارم سنہ ۱۹۰۱ء ۔

اے ۔ ایچ، لوئل، براعظم یورپ کی حکومتیں اور فرقہائے سیاسیہ (سنہ ۱۸۹۷ء) (Government and Parties in Continental Europe)

ایچ ۔ جے ۔ فورڈ ۔ سیاسیات امریکہ کا آغاز و نشو و نما (سنہ ۱۸۹۸ء) (Rise and Growth of American Politics)

جے ۔ برائس ۔ دولت عامہ امریکیہ (سنہ ۱۸۸۹ء) (American Common Wealth)

میکڈونا ۔ کتاب پارلیمنٹ (سنہ ۱۸۹۷ء) (The Book of Parliament)

الیف ۔ سی ۔ کارکوم ۔ کتابچہ نظم و نسق برطانیہ (Hand-book of the Administrations of Great Britain) نظر ثانی شدہ سنہ ۱۹۰۱ء ۔

ہینزل - کتاب وقائع سالانہ - (سال بہ سال)

ڈبلیو - ای - ایچ - لیکی - عمومیت و آزادی (سنہ ۱۸۹۶ء) (Democracy and Liberty)

سر ہنری - مین (حکومت عوامیہ سنہ ۱۸۸۶ء) (Popular Government)

ایف - بی، گڈنو - (سیاسیات و نظم ونسق (سنہ ۱۹۰۰ء) (Politics and Administration)

سر ٹی - ای - مے (بیرن فارنبرو) انگلستان کی تاریخ دستوری - (Constitutional History of England) جلد دوم (بالتخصیص باب ہشتم -

ایف، ای، اوگ: حکومتہائے یورپ (The Governments of Europe) سنہ ۱۹۰۳ء -

ڈبلیو، ایچ، میلک: حدود عمومیت (Maliock: The Limits of pure Democracy) سنہ ۱۹۱۸ء -

ڈے وٹ: ترقی کی تحریک (Pe With: The Progressive Movement)

ڈبلیو، ال، بلیز: انگلستان کے فریق حامی ترقی کی تاریخ (Bleese: Short History of English liberalism) سنہ ۱۹۰۴ء -

حصّۂ سُوّم

حدود و اختیار حکومت

حصّۂ سوم

باب اوّل

انفرادیت

۱۔ فرائض حکومت کا نظریہ انفرادیہ۔ ۲۔ انفرادیت بر بنائے نظریہ عدل۔ ۳۔ بر بنائے نظریہ انتفاع، اصول عدم مداخلت۔ ۴۔ بر بنائے مشابہت علم الحیوان۔ بقائے اصلح۔ ۵۔ قوتہائے متضاد۔

۱۔ **فرائض حکومت کا نظریہ انفرادیہ**:۔ اس جلد کے پہلے اور دوسرے حصے میں ہم نے سلطنت کی عام ہیئت وکیفیت اور حکمراں جماعتوں کے نظام وترکیب پر نظر ڈالی ہے۔ حکومت کی ہیئت کذائی کی بحث ضرورتاً اس کے مناسب حدود عمل کی بحث سے پہلے رکھی گئی ہے۔ تاہم ہمارے زمانہ میں بھی عملاً یہی ہوتا ہے کہ موخرالذکر مبحث کو بہت وسیع اہمیت دیجاتی ہے۔ مہذب ممالک کی عام رائے، جمہور کے اقتدار اعلیٰ اور عمومی حکومت کے اصولوں کو صحیح تسلیم کرتی ہے۔ خواہ اس کا اظہار شاہی محدود کے ذریعہ سے ہو یا جمہوری شکل میں ہو[1]۔ یہ بھی

---

[1] اس قول سے کہ رایوں کا عام اجتماع حکومت عمومیہ کے طرف ہے، یہ انکار لازم نہیں آتا کہ بڑے نام ونمود کے مصنفوں میں سے بہتوں نے وقتاً فوقتاً حکومت عامہ کے خلاف رائیں ظاہر کی ہیں۔ سرہنری مین نے اپنی کتاب "حکومت عوام الناس" ۱۸۸۶ء (Popular Government) میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ حکومت "نہایت ہی کمزور ہوتی ہے۔" ان معتدل قوتوں کے موافق نہیں ہوتی جو فطرت انسانی پر حکمراں ہوتی ہیں" اور اس لئے "اس میں یہ اندیشہ لگا رہتا ہے کہ اس سے بے انتہا ستمگارانہ مایوسی یا شدید تباہی پیدا ہو جائے

عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ عامۃ الناس کی حکومت فی نفسہٖ ہمارے تمام سیاسی و اقتصادی مسائل کے حل کر دینے کی اہلیت نہیں رکھتی، جیسا کہ سو برس قبل اس نظریئے کے موقر حامیوں کو توقع تھی۔ اگر اس امر کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حکومت پر عام قوم کا اقتدار ہوگا اور وہ تمام قوم کے ہی مفاد کے لئے ہوگی تو بھی یہ سوال باقی رہتا ہے کہ عام مفاد کو عمل میں لانے کے لئے اس کے حدود مناسب کیا ہیں۔ معمولی گفتگو میں ہم مسئلۂ زیر بحث کے متعلق جو فقرے استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً سلطنت کا حیطۂ اختیار، سلطنت کا اقتدار، حکومت کے فرائض، سلطنت کے حدود و اختیارات وغیرہ، ان فقروں میں ہم صحت کا کچھ زیادہ خیال نہیں کرتے، اس مسئلہ کی زیادہ مختص صورتیں ان تعلقات میں نظر آتی ہیں جو حکومت کے ریلوں کے مالک ہونے، ٹرسٹ پر نگرانی رکھنے اور مفاد عامہ کے سر انجام دینے سے پیدا ہوتی ہیں۔ لیکن اس مسئلہ پر خواہ عام نظریئے کی حیثیت سے نظر کیجائے یا کسی خاص صورت میں اسے دیکھا جائے، دونوں حالتوں میں اس بیسویں صدی کے آغاز میں اس سوال نے نہایت ہی پر زور اہمیت حاصل کر لی ہے، آئندہ کے تین بابوں میں ہم اس پر ایک منضبط طریق سے بحث کرنے کی کوشش کریں گے یعنے اقتدار حکومت کے بحث طلب مسئلہ کو نظری و عملی حیثیتوں سے جس طرح حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے، ان پر یکے بعد دیگرے غور کریں گے۔ انفرادیت کے اعتبار (یعنے نظام آزادی فطری) کی رو سے یہ مسئلہ جس طرح حل کیا گیا ہے اولاً ہم اسی پر بحث کریں گے اس کا کچھ ذکر سابق کے ایک باب میں بھی ایک دوسرے طریق سے آچکا ہے، اس کے بعد ہم

بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ:۔ ڈبلیو۔ ایچ میلک کی تصنیف "خالص عمومیت کے حدود" سنہ ۱۹۱۸ء کو بالمقابل دیکھنا چاہیئے۔ (The Limits of pure Democracy)

اجماعیت کے مفروضات اور ان مسائل سے بحث کریں گے جو ان مفروضات کو ایک حد تک عمل میں لانے کے متعلق کی گئی ہیں۔ آخر میں بطور نتیجہ زمانۂ موجودہ کی سلطنتوں کے عملی اقتصادی کارروائیوں پر بحث ہوگی جس کی نسبت یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ ان کی بنا انفرادیت پر ہے مگر ایک بڑی حد تک افادیاتی اور موقع شناسی کے خیالات نے ان میں ترمیم کردی ہے۔

فرائض حکومت کے مسئلہ انفرادیت کی بحث کو بالاستحقاق تقدم حاصل ہے، کیونکہ عصر جدیدہ کے ایک بڑے حصہ میں اس مسئلہ کو یہ حیثیت حاصل رہ چکی ہے کہ اسی کو روشن خیال حکومتوں کا سرکاری اعتقاد کہہ سکتے ہیں۔ خود ہمارے زمانہ تک دور جدید کے نہایت اعلیٰ پایہ کے اہل نظریات اس کی حمایت کرتے ہیں اور اگرچہ انتہائی صورتوں میں اب اس کی وقعت باقی نہیں رہی ہے مگر امریکی و برطانوی دونوں حکومتوں کی اقتصادی کارروائی کی بنائے کار اب بھی اسی اصول پر ہے، نظریۂ انفرادیت کو مختصراً یوں بیان کرسکتے ہیں کہ حکومت کا فرض صرف اتنا ہے کہ وہ افراد کو ظلم و فریب سے محفوظ رکھے۔ پس اس نظریہ کے مطابق افراد کے معاملات میں سلطنت کا ایجابی حیثیت سے دخل دینا خواہ یہ دخل خود اس فرد کے مفاد ہی کے لئے کیوں نہ ہو، جائز نہیں سمجھا جاسکتا۔ نہ سلطنت کے لئے یہ روا ہو سکتا کہ اقتصادی نوعیت کے کاموں کو اختیار کرے یا اہل ملک کی اقتصادی جدوجہد میں (ان کو ظلم و فریب سے محفوظ رکھنے کے سوا اور کسی طرح پر) کوئی قید عائد کرے۔ اگر خالصتہً انفرادی طریق پر حکومت کے فرائض کا ایک خاکہ تیار کیا جائے تو اس میں بری و بحری افواج کا رکھنا، عدالتوں کا قائم کرنا، پولیس کا مقرر کرنا، تعزیری قانون، حفظ صحت، غذا میں آمیزش، کشتیوں اور جہازوں کے معائنہ کے بارے میں قوانین کا نافذ کرنا اور ان کے مثل اور دوسرے کام اس کے حد اقتدار میں

آسکتے ہیں۔ کیونکہ یہ سب کام بالواسطہ حفاظتی نوعیت کے ہیں، مگر ڈاکخانوں کا اجرا، شفاخانوں اور محتاج خانہ کا قیام، ریلوں کا کاروبار یہ سب اس کے حد اختیار میں شامل نہیں ہوسکتے۔ مملکت کے لئے صرف وہی کام قانوناً جائز سمجھے جائیں گے جو اہل ملک کے ایک دوسرے کے کاموں میں مداخلت کے روکنے کے لئے اختیار کئے جائیں۔

۲۔ انفرادیت بر بنائے نظریۂ عدل:۔ مداخلت حکومت کے مقابلہ میں آزادی انفرادی کے اس طریق کی حمایت مختلف بناؤں پر کی گئی ہے۔ از روئے انصاف یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ فرداً فرداً ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ اقتصادی بناؤں پر بھی یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ انسان کو اس کے حال پر چھوڑ دینے میں زیادہ نفع ہے۔ سب سے آخر میں خالص علمی بناؤں پر بھی یہ حجت قائم کیجاتی ہے کہ ترقی انسانی کے ارتقائی نوعیت کے لحاظ سے بھی یہی مناسب ہے کہ ہر فرد اپنی بقا کے لئے اپنی قابلیت کے موافق جد وجہد کرے، اس میں خواہ وہ غالب رہے یا مغلوب ہوجائے۔

ان دلائل میں سے پہلی دلیل یعنے حکومت کے حد عمل کا صرف افراد کے حقوق کی حفاظت تک محدود رہنا، بالتخصیص اواخر اٹھارھویں صدی اور اوائل انیسویں صدی کے سیاسی فلسفیوں کی تحریروں میں پائی جاتی ہے[لہ]۔ کانٹ اور فشٹے نے جس نظریہ سلطنت کو ترقی دی ہے اس میں یہ بحث پائی جاتی ہے اور معاہدہ معاشری کے متعلق انھوں نے جو رائے قائم کی ہے اس سے بطور خود یہی نتیجہ حاصل ہوتا ہے۔ کانٹ

[لہ] اٹھارھویں صدی کی انفرادیت اور اس کے انیسویں صدی کی طرف منتقل ہونے کی نسبت ایک نہایت ہی اعلیٰ تنقید مشل (Michel) کی کتاب "تخیل سلطنت" (L' Idee de I' Etat) کی تمہید اور حصۂ سوم میں پائی جاتی ہے۔

اپنے زمانہ کی برِ اعظمی سلطنتوں کی جربیانہ مداخلت اور اہل ملک کی خانگی زندگی میں ان کی دخل دہی سے مشتعل تھا، پس اس نے فرائض حکومت کے متعلق اپنی رایوں کی بنا آزادی کے خیال پر رکھی اور سلطنت کا مناسب کام صرف یہ قرار دیا کہ وہ "آزادی کی روک ٹوک کو روکے"[1] لیکن جرمانی محقق فون ہمبولٹ نے اپنی تصنیف حدود و فرائض حکومت (Sphere and Duties of Government)[2] میں اس زمانہ کی وسیع الاثر سیاسی انفرادیت کی نوعیت و کیفیت کا نہایت ہی مکمل اظہار کیا ہے، اس نے اپنے خیال کی بنا انسان منفرد اور اس کی ہستی کے انتہائی اغراض" پر رکھی ہے اور اس لئے اس کے نزدیک اس اصول کے موافق انفرادی تنوعات اور ارتقاء ذاتی پر سب سے پہلے نظر کرنا چاہئے۔ اگر حکومت کی طرف سے پرزور مداخلت کیجائے تو اس کا نتیجہ سوائے مضرت کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ اس وجہ سے سلطنت کو چاہئے کہ ہر قسم کے ایجابی مفاد کی تمنا سے دست کش رہے اور باہمی تحفظ اور غیر ملکی دشمنوں سے حفاظت کے لئے جس قدر کام ضروری ہوں ان سے ایک قدم بھی آگے نہ بڑھے"۔ قومی تعلیم اور سلطنت کے غریبوں کی امداد بھی ان مثالوں میں شامل ہیں جن پر لعنت بھیجنا چاہئے۔ عدم مداخلت کے اس سیاسی نظریے کو عامۃ الناس کے اقتدار اعلیٰ کے اصول کی غلط مشابہت سے ایک طرح کا قطعی زور حاصل ہو گیا۔ درحقیقت یہ ایک طبعی امر تھا کہ دور جدید کی عمومی حکومت کے آغاز میں قوم کا خود اپنے اوپر حکمرانی کرنے کا تخیل اس گونہ مماثل دعوی سے خلط ملط ہو گیا کہ افراد کو بھی اپنے معاملات میں آزاد چھوڑ دینا چاہئے۔ سیاسی آزادی اور عدم مداخلت مرادف الفاظ معلوم ہوتے تھے۔ امریکہ میں

---

[1] دیکھئے حصۂ اول باب پنجم۔

[2] مصنفہ سنہ ۱۷۹۱ء، شائع شدہ سنہ ۱۸۵۳ء۔

جمہوریت کے قیام و بنا کے زمانہ میں انفرادی حلقوں کا خیال سب پر غالب ہو گیا تھا۔ مستعمرین کی ابتدائی حالت یعنے ان کا اس امر پر مجبور ہونا کہ ایک ویران سرزمین سے بدشواری تمام اپنی زیست کا سامان مہیا کریں، محصول اراضی اور معاوضہ خدمات جسمانی کی وجہ سے حکومت کا عام طور پر بدنام ہو جانا، احکام شاہی کے بموجب جابر محصول لگایا جانا، یہ سب ایسی باتیں تھیں جن سے اہل امریکہ کے دلوں میں خود اعتمادی اور حقوق انفرادی کے خیالات بہت سختی کیساتھ راسخ ہو گئے تھے۔ یہی خیال ٹامس جفرسن اور اس زمانہ کے دیگر مصنفین کے[1] فلسفہ سیاسیہ کا محور و مرکز بن گیا اور ممالک متحدہ امریکہ کے لوگوں کا بہت بڑا حصہ آج تک اسی خیال پر قائم ہے۔

نظریہ انفرادی کی بنا پر حکومت کی طرف سے عدم مداخلت کے مسئلہ کا حقوق انفرادی کے اصول پر مبنی ہونا بظاہر نہایت ہی دلپذیر اور قطعاً دل خوش کن معلوم ہوتا ہے لیکن اس کا کمزور پہلو یہ ہے کہ جب زیادہ قرب نظر سے اس کی جانچ کیجاتی ہے تو اس میں نہایت ہی اہم تخالف و تضاد پائے جاتے ہیں۔ اس پر تمام و کمال عمل کرنے سے ایک ایسی صورت پیش آجاتی ہے جو عقل و فہم کے بالکل خلاف ہے اور اس وقت تک کسی حکومت کے لئے یہ ممکن نہیں ہوا ہے کہ عملی طور پر اسے تمام و کمال قبول کر لے۔ مل نے یہ ظاہر کیا ہے کہ حکومت کے حد اختیار کو صرف جبر و زیادتی اور مکر و فریب کے روکنے تک محدود کر دینے سے "بعض ایسے امور خارج ہو جاتے ہیں جو نہایت ہی لازمی و لابدی ہیں اور باتفاق تمام حکومت کے فرائض میں داخل قرار دئے جاتے ہیں[2]"۔ ہر ایک حکومت ملک شخصی کے حق کو تسلیم کرتی اور

---

[1] سی۔ای میریم، تاریخ "نظریات سیاسیہ امریکہ" History of American Political Theories

[2] جان اسٹورٹ مل، اصول اقتصادیات (Principles of Political Economy) کتاب پنجم باب اول و نہم

اسے نافذ کرتی ہے لیکن اس پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ ایسا کرنا کم از کم ملک ارضی کے متعلق بہت کچھ مداخلت ایجابی کے مماثل معلوم ہوتا ہے کیونکہ ایک شخص کے دعوی کا قائم رکھنا اس کے برابر ہے کہ دوسرے تمام لوگوں کے دعاوی خارج کر دئے جائیں۔ حق وصیت کے قانون کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ اس میں مداخلت کا پہلو اور بھی صاف عیاں ہے اگرچہ اس کو عام طور پر پسند کیا جاتا ہے۔ سکوں کا مضروب کرنا، ڈاک کا انصرام اور دوسرے اس قسم کے بہت سے کام ہیں جنھیں حکومت کا ایجابی حیثیت سے عمل میں لانا اس وجہ سے آسائش و مفاد عامّہ کا موجب ہے کہ اس میں انفرادی آزادی کی مخالفت بالکلیہ جائز ہے۔ بعض ایسی صورتیں ہیں کہ اگر کامل علیحدگی اختیار کیجائے تو اخلاق عامّہ کی صریحی مخالفت لازم آتی ہے۔ پروفیسر سجک نے تفصیل کے ساتھ ان مثالوں کا ذکر کیا ہے[1]، چنانچہ کوئی حکومت اگر لاوارث بچوں کو مرنے کے لئے چھوڑ دے اور اپاہج غریبوں کے معاملہ میں "عدم مداخلت" کے اصول سے کام لے تو ساری دنیا اسے نفرین کرے گی۔ قومی تعلیم کے متعلق بھی حکومت کے ایجابی فرائض عام طور پر تسلیم کئے جاتے ہیں اگرچہ خالص انفرادی طریق پر اس قسم کے فرض کی حمایت کرنا دشوار ہے۔

۳۔ انفرادیت بر بنائے نظریۂ انتفاع۔ اصول عدم مداخلت

اس لئے اب یہ خیال کہ عدل معاشری کا اقتضا یہ ہے کہ ہر فرد کو اس کے "حقوق فطری" کے معاملہ میں آزاد چھوڑ دیا جائے قابل لحاظ نہیں رہا، لیکن اقتصادی حیثیت سے انفرادیت کی حمایت میں اور زیادہ اہمیت پیدا کی گئی ہے، دعویٰ یہ کیا جاتا ہے کہ صنعت و حرفت اور تجارت کے

---

[1] ہنری سجک، اصول اقتصادیات Principles of Political Economy کتاب سوم باب دوم۔

حق میں یہ زیادہ مفید ہے کہ ہر شخص کو بحال خود چھوڑ دیا جائے کہ وہ جس کام میں اپنا نفع سمجھے اسے اختیار کرے ۔ زمانۂ جدید کے حرفتی دور کے آغاز میں یہی اصول انگلستان میں غالب تھا اور ایک بڑی حد تک امریکہ اور دوسرے مقامات پر بھی اسی کا پرتو پڑا ۔ اقتصادی روش کی رہبری میں انفرادیت کا خصوصیت کے ساتھ نمایاں ہونا کچھ تو اس زمانہ کے حرفتی حالات کے اعتبار سے تھا اور کچھ اس اثر کی وجہ سے تھا جو سیاسی علمائے اقتصادیات کی تحریروں کا رائے عامہ پر پڑ رہا تھا، سنہ ۱۷۵۰ء و سنہ ۱۸۵۰ء کے درمیانی زمانہ میں انگلستان اور اس کی وجہ سے تمام حرفتی عالم میں مسلسل اصولی اہمیت رکھنے والے ایسے اقتصادی تغیرات رونما ہوئے کہ یہ دور ''حرفتی انقلاب'' کے نام سے موسوم ہو گیا[1] ۔ بافندگی کے کاروبار کے لئے خاص خاص کلوں کے ایجاد ہونے اور اس کے ساتھ ہی قوت متحرکہ کے لئے بھاپ کے استعمال نے پیداوار کے طریق کی سابقہ حالت کو بدل دیا ۔ کام کی محدود نوعیت اور گھروں کے اندر اس کے انجام پانے کے بجائے اب کارخانوں کا طریقہ رائج ہو گیا ۔ اسی زمانہ میں لوہے کے پگھلانے کے کام میں بھی ترقی ہوئی (اور ایندھن کے لئے پتھر کے کوئلے کا استعمال ہونے لگا) سڑکوں اور نہروں کی درستی سے مال تجارت کی آمدورفت کے ذرائع ترقی کر گئے اور کچھ دنوں بعد (سنہ ۱۸۰۷ء میں) دخانی کشتی کے اجرا اور (سنہ ۱۸۳۰ء میں) ریل کی سڑکوں کے

---

[1] اس سلسلہ میں طالبعلم اگر کتب ذیل کی طرف رجوع کرے تو خالی از نفع نہیں ہے،

(۱) ٹوائنبی ''حرفتی انقلاب'' (Industrial Revolution)

(۲) کنھگم کی ''انگریزی حرفت و تجارت کی ترقی'' (Growth of English Industry and Commerce)

(۳) ہابس کی ''ازمنۂ جدید کی سرمایہ داری کا ارتقا'' (Evolution of Modern Capitalism)

بن جانے سے پیداوار کی قوت بے انتہا بڑھ گئی اور بین الاقوامی مبادلۂ اموال میں بہت زور آگیا، اس کے ساتھ ہی قانون صنعت وحرفت کے متعلق حکومت کا رائج الوقت طریق (یعنے جنگی محصول درآمد، امتناعات، قوانین مزدوری وغیرہ) اس زمانہ کی حرفتی حالت اور سرمایہ ومزدوری کے اجتماع اور غیر ملکی تجارت کے جدوجہد سے بالکل بے ربط اور بے جوڑ ہوگئے۔ سلطنت کی مداخلت کے قدیم طریقہ کی ناموزونیت، اور ایک بڑی حد تک اس کی عملی رکاوٹ، صاف عیاں ہوگئی اور جدید اقتصادیات کی ترقی میں اس سے براہ راست مدد ملی۔ ایڈم اسمتھ نے اپنی تصنیف "دولت اقوام" (Wealth of Nations) (۱۷۷۶ء) میں شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا ہے کہ آئندہ قانون سازی کی رہبری انفرادی آزادی کے اقتصادی طریق پر مبنی ہوگی، رکارڈو، مالتھس، فریڈرک بستیا، اور دوسروں نے اس کی پیروی کی ہے۔ ان کے طریقہ کی بنیادی دلیل یہ ہے کہ "ہر شخص اپنے اقتصادی تعلقات میں زیادہ تر اپنے ذاتی نفع کے درپے ہوتا ہے، اگر افراد کو آزاد چھوڑ دیا جائے کہ وہ جس طرح چاہیں اپنے سرمایہ کو استعمال کریں، اپنی محنت کو فروخت کریں، اپنی ملک کو لگان وکرایہ پر دیں، تو ہر شخص کی آزادی سب کے لئے عام نفع کا باعث ہوگی کیونکہ اس ذریعہ سے سرمایہ اور محنت ایسے کاموں میں لگائے جائیں گے جن سے سب سے زیادہ نفع حاصل ہوسکے اور جن میں نتیجتہً ان کا معاوضہ بیش از بیش حاصل ہو۔ اسی قسم کی دلیل قیمتوں کے متعلق بھی قائم کی گئی ہے، کیونکہ اگر اشیاء کا مبادلہ آزادانہ طور پر ہوگا تو جس شئے کی مانگ بڑھے گی اس کی قیمت بھی چڑھ جائے گی اور اس سے مزید پیداوار کی ضرورت لاحق ہوگی یہانتک کہ ان متوازن قوتوں کے عمل سے توازن قائم ہوجائے گا۔ مال تجارت کا بین الاقوامی مبادلہ اگر بے روک ٹوک رہے گا تو مبادلہ کرنے والوں کے لئے مقدار اور نوعیت دونوں لحاظ سے اس کا اثر نہایت ہی عمدہ ہوگا، ہر ملک

اپنی محنت اس شئے کے پیدا کرنے کی طرف مبذول کردے گا جس کے لئے وہ بہترین طور پر موزوں ہوگا اور جن اشیاء کی پیداوار اسے نسبتًا دشوار معلوم ہوگی ان کے مہیا کرنے کے لئے وہ اپنی تجارت میں دوسری قوموں پر بھروسہ کرے گا۔ اس طرح ایک عام اقتصادی ہم آہنگی پیدا ہو جائے گی جس میں ہر ایک فرد اپنے لئے بیش از بیش نفع حاصل کرتا جائے گا اور اس کے ساتھ ہی سب کا عام نفع بھی مدنظر ہوگا۔ اس صورت حالات میں حکومت کی مداخلت بے ضرورت اور لامحالہ تکلیف دہ ہو جاتی ہے۔ قانونی احکام کی رو سے قیمتوں اور مزدوریوں کا تعین، سود کے لئے قانونی شرح کا تقرر اور کرایہ و لگان کے لئے قانونی معیار تشخیص، درآمد کا روکنا، مزدوروں کے ایک تجارت سے دوسری تجارت میں یا ایک جگہ سے دوسری جگہ میں جانے کی بابت مزاحمت کرنا، یہ سب اس قانون فطرت کے مخالف ہیں جس کو اگر بحال خود چھوڑ دیا جائے تو وہ ہر شئے کے بہترین مصرف میں اس کا معاون و مددگار ہو جائیگا۔

اس تعلیم کا اثر تمام دنیا میں اور بالخصوص برطانیہ میں بہت ہی نمایاں طور پر ظاہر ہوا، قواعد مزدوری کے متعلق الیزبیتھ کے وقت کا قدیم الایام قانون اسی کی وجہ سے سنہ ۱۸۱۳-۱۴ء میں منسوخ ہوا، سنہ ۱۸۲۴-۲۵ء میں اسی کی بنا پر کام کرنے والوں کے آزادانہ اتحاد کے مخالف قوانین خارج ہوئے اور اقامت کے وہ قوانین بھی باطل ہوئے جن سے مزدوروں کی نقل و حرکت میں دقت لاحق ہوتی تھی۔ سنہ ۱۸۲۹ء میں ضابطہ جہازرانی بھی منسوخ ہوا، جس کی رو سے چارلس دوم کے وقت سے یہ کوشش ہو رہی تھی کہ نوآبادیوں کی تجارت صرف برطانوی جہازوں کے ذریعہ سے ہو۔ "ایسٹ انڈیا کمپنی" کا اجارہ بھی اس زمانہ میں برطرف ہوا۔ اس کی سب سے بڑی فتح و کامیابی یہ ہوئی کہ درآمد کے تحفظی محاصل تقریبًا بالکل منسوخ ہوگئے، سنہ ۱۸۴۶ء میں قوانین غلہ بھی ساقط ہوئے اور سلطنت متحدہ برطانیہ میں آزاد تجارت کا طریقہ قائم ہوگیا۔[1]

---

[1] اے۔ انگریڈین "تاریخ تحریک تجارت آزادانہ" (History of the Free Trade movement)

امریکہ میں چونکہ پہلے ہی سے عملی مداخلت مفقود تھی، اس لئے اس قسم کے تنسیخی قوانین کی ضرورت ہی نہیں پیش آئی لیکن ان خیالات نے وہاں بھی بہت وسیع اثر ڈالا۔ قدیم علمائے اقتصادیات کی تحریروں میں انگریزی روش کے خیالات کا اثر اس قدر نمایاں ہے کہ جنرل واکر اسے چینیوں کی سی وفاداری کے نام سے موسوم کرتا ہے، جنگ کے قبل محاصل درآمد و برآمد کے گھٹانے کی جو تحریک شائع تھی اس کی بنا بھی آزادانہ تجارت کے اسی اصول پر تھی۔ آئندہ کے کسی باب میں موقع آئیگا کہ اس فطری آزادی کے متعلق زمانۂ مابعد میں جو تنقیدیں ہوی ہیں اُن کا ذکر کیا جا سکے۔

۴۔ بربنائے مشابہت علم الحیوان۔ بقائے اصلح:۔

فرائض حکومت کے نظریہ انفرادی کی ارتقائی بنا کو وہ نمود نہیں حاصل ہوی جو اس کے اقتصادی اصول کو حاصل ہوی۔ اس کی بحث بالتخصیص ہربرٹ اسپنسر کے فلسفہ میں ملتی ہے جیسا کہ ہم نظم معاشرت کے نظریہ عضوی کے سلسلہ میں اس کے قبل ظاہر کر چکے ہیں، اسپنسر نے کوشش یہ کی ہے کہ معاشرتی و حرفتی ترقی کی تشریح کرنے میں وہ علم الحیوان کے نظریہ ارتقا سے کام لے۔ حکومت کو نظم معاشرت کے اعضا میں سے ایک عضو قرار دیا گیا ہے، اس کو وہی کام سپرد ہونا چاہیئے جس کے لئے وہ خاص طور پر موزوں ہے اور معاشرتی پیچیدگیوں کی ترقی کے ساتھ ساتھ اس کی قطعیت میں جس قدر ترقی ہوتی جائیگی اسی اعتبار سے اس کی وسعت عمل میں کمی آتی جائیگی۔ اسپنسر کا قول ہے کہ "ہر کام کے لئے ایک عضو، ہر عضو کے لئے اس کا مخصوص کام یہی تمام تنظیمات کا قانون ہے" پھیپھڑے ہضم کا کام نہیں کر سکتے، دل سانس نہیں لے سکتا، معدہ خون کو منتقل نہیں کر سکتا۔ پس کیا ہمیں حکومت سے بھی یہی توقع نہ کرنا چاہیئے۔ اس کے ایک غرض کے لئے موزوں ہونے سے یہ لازم آتا ہے کہ وہ دوسرے اغراض کے لئے

ناموزوں ہے۔" اسپنسر کم از کم اپنی سابقہ تحریروں میں اس امر پر آمادہ تھا کہ اس نظریہ کو اس کے انتہائی حد تک پہنچا دے اور "بقائے اصلح" کے عقیدے پر اخلاقی قانون کی ایک عمارت کھڑی کردے۔ سلطنت کا اپنی کارروائی سے کسی امر میں مداخلت کرنا فطری انتظام ترقی کو درہم وبرہم کرنا ہے، سلطنت اگر غریبوں، مریضوں اور بڈھوں کی مدد کرے تو اس طرح وہ ان ہستیوں کے قائم رکھنے میں مدد دیتی ہے جن کو باقی رہنے کا کوئی حق نہیں ہے اور جن کا وجود عام زندگی میں نقصان کا باعث ہے۔ وہ کہتا ہے کہ "یہ امر بہت گراں معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی مزدور بیماری کی وجہ سے اس قابل نہ ہے کہ اپنے سے قوی تر مزدوروں کا مقابلہ کرسکے تو اُسے فاقہ کرنے کے لئے چھوڑ دیا جائے، یہ بھی بہت گراں معلوم ہوتا ہے کہ بیواؤں اور یتیموں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے کہ وہ جس طرح چاہیں زندگی و موت کی کشمکش کا مقابلہ کریں، با ایں ہمہ ان حالات کو جب علیحدہ کرکے نہ دیکھا جائے بلکہ تمام عالم انسانی کے مفاد کے سلسلہ میں ان پر نظر ڈالی جائے تو یہ سخت حوادث سراسر پر از منفعت معلوم ہوتے ہیں۔" اس نظریہ کا اس طرح سے پیش کیا جانا اس اعتبار سے دلچسپ ہے کہ اس سے وہ انتہائی صورت واضح ہو جاتی ہے جو انفرادیت اپنے دور عروج میں اختیار کیا چاہتی تھی لیکن اسے مفصلاً رد کرنے کی کچھ ایسی ضرورت نہیں محسوس ہوتی۔ اس قسم کی دلیل جس طرح حکومت کی امداد کے متعلق پیش کیجا سکتی ہے اسی خوبی کے ساتھ شخصی خیرات، بیماروں کی شخصی مدد اور شخصی طور پر غریبوں کی پرورش کے روکنے کے متعلق بھی استعمال کیجا سکتی ہے۔ اگر دنیا میں باقی رہنے کی موزونیت کا ایک ہی معیار صرف یہ قرار دیا جائے کہ کون شخص خود اپنی ہستی کو قائم رکھ سکتا ہے تو ایک مرفہ الحال بدمعاش تعریف و توصیف کا مستحق قرار پائیگا اور ایک فاقہ کش کاریگر ہدف ملامت بنے گا۔ اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ حکومت بیواؤں کی مدد نہ کرے گی تو وہ ہلاک ہو جائیں گی اور

حکومت سود خواروں کو نہیں روکے گی تو وہ دولتمند ہو جائیں گے تو یہ ایک بہت کمزور دلیل اس امر کی ہے کہ بیواؤں کو مر جانا چاہیے اور سود خواروں کو دولتمند ہو جانا چاہیئے، ارتقائی دلیل کو اگر خود اسی کے اصول پر دیکھا جائے تو بجا طور پر یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ جس وقت حکومت ''مداخلت'' کرتی ہے اسی وقت یہ مداخلت خود صورت حالات کا ایک جزو ہو جاتی ہے یعنے وہ خود ایک قوت عامل بن جاتی ہے جس کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حیوانیات کے اصول ارتقا کو فرائض حکومت کے نظریہ پر اس طرح استعمال کرنا اس کی صحیح علمی حیثیت کو برباد کرنا ہے۔[1]

۵۔ متصادم طاقتیں:۔ انیسویں صدی کے نصف اول میں جبکہ علمی و عملی دونوں حیثیتوں سے حکومت کے متعلق اصول انفرادیت کا خیال مناسب تھا، اس وقت بھی یہ اصول مخالفت سے کلیۃً محفوظ نہیں تھے ''فطری آزادی'' کے دور حکومت میں کارخانوں کے طریق پر جو ترقی پیداوار میں جو حیرت انگیز ترقی ہوی وہ اس اصول کے حق میں تمام و کمال ممکن دلائل میں سب سے قوی دلیل بن گئی، برخلاف ازیں اس زمانہ میں مزدوری پیشہ طبقات جیسی درد انگیز مصیبت میں مبتلا ہو گئے تھے اس کا صاف اقتضا یہ تھا کہ سلطنت محض عدم مداخلت کی حد سے گزر کر زیادہ عملی روش اختیار کرتی۔ معاہدہ آزادانہ کے پردہ میں کارخانہ داری کے طریق کا بظاہر یہ نتیجہ لازمی تھا کہ کام کے اوقات تکلیف دہ مقرر ہو جائیں، کام کے حالات مضر صحت اور آلام جسمانی کا باعث بن جائیں، اور پوری عمر کے مزدوروں کے بجائے کمسن لڑکوں سے کام لیا جائے۔[2]

---

[1] اس سلسلہ میں جی نیسمتھ کی تصنیف ترقی معاشری و نظریہ ڈاروِن Social Progress and the Darwinian Theory (سنہ ۱۹۱۶ء) دیکھنا چاہیئے۔

[2] کارخانہ داری کے طریق سے جو مصیبتیں پیش آئیں ان کے حالات اسپنسر و الیوٹ کی تاریخ

"فطری آزادی" سے لطف اٹھانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ مزدوروں کی حالت اس درجہ پست اور ان کا معاوضہ اس درجہ ناکافی ہو گیا کہ عدم مداخلت کی روش کے خلاف زبردست خیالات پیدا ہو گئے۔ ٹامس کارلائل نے اپنی تصنیف ماضی وحال (Past and Present) سنہ ۱۸۴۳ء اور رسائل زمانۂ مابعد[لہ] (Latter-Day pamphlets) سنہ ۱۸۵۶ء میں علمائے اقتصادیات کے "مصیبت انگیز علم" پر لعنت بھیجی اور "عدم مداخلت" کے اصول کا مضحکہ اڑایا ہے۔ ہمدردی انسانی کی اس تحریک کا عملی اثر برطانیہ عظمیٰ کے کارخانوں کے متعلق ان قوانین میں نظر آتا ہے جنھیں پارلیمنٹ نے سنہ ۱۸۳۳ء۔ سنہ ۱۸۴۴ء، سنہ ۱۸۴۷ء اور سنہ ۱۸۵۰ء میں اور اس کے بعد نافذ کئے ہیں۔ یہ قواعد جو عورتوں اور بچوں سے کام لینے کے اوقات کو محدود کرتے ہیں، صاف طور پر اصول انفرادیت کے مخالف ہیں، لیکن کچھ زمانہ بعد دوسری بڑی بڑی حرفتی سلطنتوں نے بھی جن میں ممالک متحدہ امریکہ کی صنعتی ریاستیں بھی شامل ہیں اسی کے اتباع میں اصول بنائے۔ عدم مداخلت کے اصول کی مزید قطع وبرید کا حال تیسرے باب میں بیان ہوگا، لیکن جو کچھ کہا جا چکا ہے اس سے اچھی طرح یہ نتیجہ اخذ ہو سکتا ہے کہ حکومت کے چلانے میں خالص انفرادیت ناممکن ہے۔ اگر اسے مکمل صورت میں اختیار کیا جائے تو وہ بنی نوع انسان کے فہم وادراک کے قطعاً خلاف واقع ہوتی ہے اور حکومت کے نہایت ہی

بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ :۔ تاریخ انگلستان (History of England) جلد سوم باب سیزدہم میں مل سکتے ہیں۔

[لہ] "ہمیں یہ توقع رکھنا چاہئے کہ یہ "ترک بحال خود" کا اصول اب عالم بالا پر پہنچ چکا ہے۔ آہ اس ہولناک علم کے معزز پروفیسرو، آپ کا یہ چھوٹا سا "قانون خداوندی" آپ کے تختۂ ضرب کے ساتھ آویزاں کر دیا گیا ہے، . . . . آپ کے پالھنگ کی رسی بہت دراز ہو چکی ہے" "رسائل زمانۂ مابعد" نمبر (۱)۔

اہم فرائض میں اس سے خرابیاں پیش آجائیں گی عدل سیاسی کی حیثیت سے اس کی بنا اس مصنوعی کوشش پر ہے کہ فرد واحد اور حقوق معاشری کے درمیان کلی مغائرت پیدا کر دی جائے۔ معاشی بنا پر وہ اتحاد باہمی اور سعی منضبط کے صریحی فوائد کو قطعاً نظر انداز کر دیتی ہے۔ ایک علمی قانون کی حیثیت سے وہ امتحان میں پوری نہیں اُتر سکتی۔

کتب قابلِ مطالعہ

جان اسٹوارٹ مل ''اصول علم اقتصادیات'' (Principles of Political Economy) کتاب پنجم باب یازدہم۔

ڈی، جی، رچی ''مطالع اخلاقیات سیاسی و معاشری'' (سنہ ۱۹۰۲ء Studies in Political and Social Ethics) باب سوم۔

ڈبلیو، اس، میک کیکنی ''سلطنت و افراد'' سنہ ۱۸۹۶ء (The State and the Individual) حصۂ دوم ابواب ۱۴-۱۵-۱۶-۱۷-

اسناد مزید

ایف سی مانٹیگو ''حدود آزادی شخصی'' سنہ ۱۸۸۵ء (Limits of Individual Liberty)

د، ڈونس تھورپ ''انفرادیت'' سنہ ۱۸۹۴ء (Individualism)

ای، کیلی ''حکومت یا ارتقائے انسانی'' (سنہ ۱۹۰۱ء) (Government or Human Evolution)

ایچ، مشل ''تخیل سلطنت'' (سنہ ۱۹۹۵ء) (L' Idee de l' Etat)

ہنری سجک ''مبادی سیاسیات'' (Elements of Politics) طبع دوم سنہ ۱۸۹۷ء۔

ولہلم فون ہمبولٹ ''حدود و فرائض حکومت'' (سنہ ۱۷۹۱ء) (Sphere and Duties of Government)

سر فریڈرک پولک ”تاریخ علم سیاسیات“ (سنہ ۱۹۰۰ء) (History of Science of Politics)

ڈبلیو، گاڈون ”عدل سیاسی“ (سنہ ۱۷۹۸ء) (Political Justice)

جے۔ کے، بلنچلی ”تاریخ سیاسیات جدیدہ“ (Geschichte der Neueren Staatswissenschaft) اشاعت سوم سنہ ۱۸۸۱ء۔

ڈبلیو۔ کننگھم۔ ”ترقی حرفت وتجارت انگلشیہ“ (سنہ ۱۹۰۳ء) (Growth of English Industry and Commerce) جلد دوم وسوم۔

ایچ۔ اسپنسر ”انسان بمقابلہ مملکت“ (سنہ ۱۸۸۴ء) (The Man versus the State)

ڈبلیو، جھترو براؤن، ”جدید توضیع قانون کے زیر سطح اصول“ (The Underlying Principles of modern Legislation) (سنہ ۱۹۱۲ء)

سی، ژیڈ وسی رسٹ، ”تاریخ مسلمات اقتصادیہ“ (History of Economic Doctrines) (مترجمہ سنہ ۱۹۱۳ء)

جی، نیسمتھ۔ ”ارتقائے معاشری ونظریہ ڈاروِن“ (Social Progress and the Darwinian Theory) (سنہ ۱۹۱۶ء)

باب دوم

اشتراکیت

۱- نظریہ اشتراکیت - اس کی برباد کن نکتہ چینی - ۲- اشتراکیت کی تعمیری تجویز - ۳- جرمنی کے معاشری عمومیت پسند - ۴- انگلستان و امریکہ میں اشتراکیت -

۱- نظریہ اشتراکیت، اس کی برباد کن نکتہ چینی:-

حکومت کی نسبت انفرادیت کے تخیل سے بالکل مختلف وہ اصول ہیں جو اشتراکیت (Communism) اجتماعیت (Socialism) اور تعمیمیت (Collectivism) کے ناموں سے موسوم ہیں، اور اگر زمانہ مابعد کی تفریقوں کا خیال نہ کیا جائے تو ان سب کو مجموعی طور پر "مملکت کا نظریہ اشتراکیہ" کہہ سکتے ہیں۔ واقعی بات یہ ہے کہ کوئی اشتراکی سلطنت کبھی قائم نہیں ہوی ہے اور اگر ہوی ہے تو نہایت ہی مختصر زمانہ تک رہی ہے اور وہ بھی تجربہ کی حد سے آگے نہیں بڑھی ہے، اس لئے اجتماعیت کوئی حقیقت نفس الامری ہونے کے بجائے زیادہ تر ایک خیالی شئے ہے، لیکن جن اصولوں پر وہ محتوی ہے انھوں نے اتنے کثیر التعداد لوگوں کے دلوں میں اتنا قوی احساس پیدا کر دیا ہے، حقیقی قانون سازی اور عملی سیاسیات پر اتنا اہم اثر ڈالا ہے، اور باوجود اپنی مغالطہ آمیز نوعیت کے اس میں اس قدر کارآمد و ولولہ انگیز باتیں موجود ہیں کہ اس پر خاص طور پر بحث کرنے کی ضرورت ہے۔

اشتراکی نظریات میں برباد کن و تعمیر کن دونوں پہلو موجود ہیں۔ یہ نظریات سب سے پہلے موجودہ حرفتی طریقہ کی (جو انفرادیت پر مبنی ہے) حرف گیری کرتے ہیں تاکہ اس کی باطنی کمزوری اور اس کی لابدی

تباہی کو ظاہر کردیں۔ اس کے بعد دوسری منزل میں وہ موجودہ سلطنت کے بجائے اتحاد باہمی سے ایک ایسی دولت عامہ قائم کرنا چاہتے ہیں جو متفقہ مساعی اور مشترکہ اقتدار پر مبنی ہو۔ اصول اشتراکیت کے تنقیدی حصہ کا مقصود یہ ظاہر کرتا ہے کہ حرفت کا انفرادی طریقہ اقتصادی حیثیت سے باعث تضییع وغیر موثر ہے، اور اس اعتبار سے نامنصفانہ بھی ہے کہ کام کرنے والوں کے مختلف طبقات کے حصہ میں جو معاوضہ آتا ہے وہ ان کی تناسبی قابلیت کے اعتبار سے نہیں ہوتا۔ اس طریقہ کے زیادہ ممتاز مصنفین نے موجودہ سلطنتوں پر تاریخی حیثیت سے شرح وبسط کے ساتھ تنقید کی ہے۔ ان میں جرمنی کے بہت بڑے حامی اشتراکیت کارل مارکس کی مثال پیش کیجاسکتی ہے جس نے ایک کتاب "سرمایہ" Capital لکھی ہے جسے صحیفۂ اشتراکیت کی کتاب آسمانی کہا جاتا ہے۔ مارکس کا دعویٰ یہ ہے کہ انفرادی وشخصی ملک کے دستور کی جو بنا بتائی جاتی ہے وہ نتیجہ ہے اس امر کا کہ ابتداءً میں زبردست نے کمزور سے بجبر کچھ چھین لیا تھا، اور اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قوی تر طبقہ نے ذرائع معاش کو اپنے قابو میں کر لیا اور بعد ازاں وہ تمام مزدوروں کو اپنے کام میں لگانے لگے اور مزدور ان کے دست نگر بنے رہے جسے ترقیت مزدی کہنا چاہئے۔ چیزوں کے بنانے کے ذرائع و آلات میں جس قدر ترقی ہوتی جاتی ہے اسی قدر مزدور کام لینے والوں کے زیادہ دست نگر ہوتے جاتے ہیں۔ کچھ لوگوں کا زمین کو اپنے قبضہ میں کرکے اس کے مالک بنجانے سے یہ امر ناممکن ہو گیا ہے کہ کوئی فرد واحد اپنی محنت کو براہ راست زمین کے خلقی وسائل پر لگا سکے (یہ حالت قدیم ملکوں میں عملی طور پر زیادہ مکمل صورت میں پائی جاتی ہے) کلوں کے استعمال کے یوماً فیوماً بڑھتے جانے سے اگرچہ دستی کاموں کے بہ نسبت بہت بہتر کام انجام پاتا ہے مگر اس کے ساتھ ہی کسی چیز کے تیار کرنے کی تمام کارروائیوں کا انحصار سرمایہ کے مہیا ہونے،

کلوں اور مکانوں وغیرہ کے خریدنے کی استطاعت رکھنے اور حاضر الوقت نفع کو چھوڑ کر آئندہ کی توقع پر بیٹھ رہنے پر ہوتا جاتا ہے اس صورت حالات میں کسی منفرد مزدور کے لئے اوقات بسر کرنے کا اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ وہ اپنے دست و بازو پر بھروسہ کرے اور جہانتک ہو سکے زیادہ سے زیادہ قیمت دینے والے کے ہاتھ اسے فروخت کردے۔ اس حالت میں اس سے کم اجرت تو اسے نہیں ملیگی جس میں وہ محض اپنی گزر کرلے مگر اس سے زیادہ کا ملنا اس پر منحصر ہے کہ وہ اپنے کام لینے والے سے معاملت کرنے میں کس حد تک کامیاب ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ معاملت اگرچہ رسماً آزادانہ تجارت کے اصول پر عمل میں آتی ہے مگر معنیً ایک جبریہ معاملت ہے۔ کام کرنے والا مجبور ہے کہ وہ اپنی محنت کو فروخت کرے (یعنے مزدوری کرے) یا فاقوں مرے، لیکن جیساکہ مالتھس اور دوسرے اشخاص نے ظاہر کیا ہے آبادی برابر بڑھتی رہے گی یہاں تک وہ اس حد تک پہنچ جائے کہ ذرائع زندگانی کی کمی کی وجہ سے اس کی زیادتی عملاً بند ہوجائے، پس اس صورت میں بازار اجرت مزدوروں سے ہمیشہ اس قدر بھرا رہیگا کہ اجرتیں عملاً اس سطح پر آجائیں گی جو محض مایحتاج کے لئے کافی ہو سکیں۔ مزدوری اگر اس سے اوپر بڑھے گی تو اسی اعتبار سے آبادی میں ترقی ہوگی اور وہ پھر گھٹ جائے گی۔ یہی وہ مشہور "آہنی قانون اجرت" ہے جسے لاسال نے رکارڈو کے اقتصادیات کی بنا پر مرتب کیا تھا۔

اس حرفتی معاملت کا دوسرا پہلو وہ ہے جس میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ کام لینے والے کو مزدور سے کیا ملتا ہے۔ اسے ہر روز ایک خاص مقدار قوت محنت کی حاصل ہوتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس روز کی محنت سے جو مقدار کار آمد چیزوں کی تیار ہوتی ہے اس میں اس کا جزو بھی شامل ہوتا ہے۔ معاملت کی نوعیت سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ کام کرنے والے کی محنت سے جو چیزیں اس طرح تیار ہوتی ہیں

وہ بالضرور ان اشیا کے برابر ہوں جو اجرت کی صورت میں کام لینے والا، مزدور کو دیتا ہے اور درحقیقت اشتراکی مصنفین ہمیں یہ یقین دلاتے ہیں کہ یہ دونوں چیزیں ہرگز برابر نہیں ہوتیں۔ کام کرنے والا ایک دن میں جس قدر خرچ کرتا ہے اس سے زیادہ وہ پیدا کرتا ہے۔ (اگر ایسا نہ ہوتا تو کام لینے والے کو کوئی وجہ اس شئے کے تیار کرنے کی محرک نہ ہوتی) اور اس طرح جو بچت ہوتی ہے وہ خوش قسمت کام لینے والے کے حصہ میں آتی ہے۔ جو مزدور بدرجۂ ناچاری اپنی محنت فروخت کرتا ہے وہ اس فریب آمیز طریقہ پر کاربند ہونے پر مجبور ہے۔ یہی "مقدار فاضل" کا وہ اصول ہے جو بالتحقیق کارل مارکس کی طرف منسوب ہے اور جو اشتراکیت کے نظریۂ تنقیدی کی بنیاد ہے۔ اس میں اعتراض کی گنجائش یہ ہے کہ جو کچھ بھی تیار ہوتا ہے ان سب کو کام کرنے والے کی محنت کا نتیجہ قرار دیا جاتا ہے اور سرمایہ دار کی مملوکہ مشین جو مزدور کے ساتھ ساتھ کام کر رہی اس کا کوئی حصہ نہیں رکھا جاتا۔

اس مسئلہ سے جو اقتصادی سوالات پیدا ہوتے ہیں ان پر بحث کرنا اس موقع پر ناممکن ہے، صرف یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ کن بناؤں پر اشتراکیت کی طرف سے موجودہ طریق پر حقیقتاً غیر مساویانہ ہونے کے الزام لگانے کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔ مارکس اور جن مصنفوں نے اس کی پیروی کی ہے وہ آزادانہ معاہدہ اور آزادانہ مقابلہ کے طریقوں کی صرف موجودہ نامنصفانہ حالت کے دعوے کرنے پر قانع نہیں ہیں بلکہ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ کلوں کے مسلسل استعمال، پیداوار کی ترقی فطری ذرائع و وسائل پر برابر قبضہ ہوتے جانے اور آبادی کے بڑھتے جانے سے اس طریق کی نامساوات اور بھی سخت و شدید ہو جائے گی، سرمایہ داروں اور مزدوروں، امیروں اور غریبوں کے درمیان خلیج اور بھی وسیع ہوتی جائے گی۔ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ جو قوتیں اس طرح عمل کر رہی ہیں وہ جلد یا بدیر ایک وسیع معاشری مصیبت نازل کر دیں گی جس سے مفر کی صرف یہی صورت ہے کہ ہم

اپنے معاشری طریق کی حرفتی بنیاد کو بدل دیں اور آزادانہ مقابلہ کی اقتصادی ہماہمی کے بجائے متفقہ مساعی کی صورت اختیار کریں۔ اس طرح ان کا نظریہ ایک معاشری پیشین گوئی کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔

اہل اشتراکیت اس سے بھی زیادہ وسیع بنیادوں پر انفرادی اصول کے مطابق پیداوار و تقسیم کے ضائع و تلف ہونے کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ اس اصول کے تحت میں ایک بڑی مقدار کاموں کی ایسی ہوتی ہے جس کا کوئی معاشری فائدہ نہیں ہے، بہت سے کام دوبارہ بلکہ اس سے زائد مرتبہ کرنا پڑتے ہیں اور ان کا کوئی عام فائدہ نہیں ہوتا۔ اشتہاری مقابلہ بازی میں جو محنت صرف ہوتی ہے اور اسی قسم کی اور کوششیں جن کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ کام ایک شخص کے ہاتھ سے نکل کر دوسرے شخص کے ہاتھ میں چلا جائے، یہ سب قسم اول کے معاشری نقصانات کی نہایت نمایاں مثالیں ہیں۔ جو کام بے ضرورت مکرر کئے جاتے ہیں ان کی مثال وہ مقابلہ کرنے والی ریلوے لائنیں ہیں جن پر برابر برابر گاڑیاں چلتی ہیں، اور خوردہ فروشی کی وہ دکانیں ہیں جو ایسے موقعوں پر بہت زیادہ تعداد میں موجود ہوتی ہیں جہاں اس قسم کے صرف ایک عام انتظام سے کام چل سکتا ہے۔ غالباً مسئلۂ زیر بحث کی آسان ترین و بہترین توضیح خطوں کی تقسیم سے ہوتی ہے، ایک ڈاکیہ (جو یکجائی انتظام کا ملازم ہو) متصل کے مکانوں اور قریب کی سڑکوں پر خطوط تقسیم کر دیتا ہے۔ برخلاف ازیں انفرادی انتظامات کے تحت میں ملازمین ایک وسیع حلقہ کے اندر جس بے ترتیبی سے گھروں میں دودھ اور دوسری اشیائے خوردنی تقسیم کرتے ہیں اس میں جس قدر وقت و محنت کا صرف ہوتا ہے وہ ظاہر ہے۔ اسی قسم کے اقتصادی پس انداز کا اثر ہے کہ بڑی بڑی مجالس تجارتی جب کسی حرفت کو متحد کرلیتی ہیں تو ان کی پیداوار و تقسیم چھوٹے چھوٹے کاروبار کے مقابلہ میں اقتصادی حیثیت سے بہت فائق ہوجاتی ہے۔ اس زمانہ کی بڑی بڑی حرفتی کمپنیاں اور جماعتیں

اور ایسے ذخائر جو مختلف شعبوں میں تقسیم ہوں اس واقعہ کے مستقل ثبوت ہیں۔ اہل اشتراکیت ان سے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ انفرادیت کے قدیم طریقہ کے ختم ہونے کے لازمی نشانات ہیں، بڑی بڑی کمپنیوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے بعد دوسرا قدم یہ اٹھے گا کہ سلطنت عام حرفتی انتظامات کو اپنے ہاتھ میں لیلے۔

۲۔ اشتراکیت کی تعمیری تجویز :۔ اوپر جو کچھ کہا گیا ہے اس سے آسانی کے ساتھ یہ امر ذہن میں آسکتا ہے کہ نظریہ اشتراکیہ کے تنقیدی یا برباد کن پہلو میں بہت سی ایسی باتیں موجود ہیں جو فی نفسہ صحیح اور معاشرتی اصلاح کی کارروائیوں کے لئے رفتار مناسب کے ظاہر کرنے میں نہایت ہی سودمند ہیں، لیکن اشتراکیت کا دوسرا پہلو یعنے کسی تعاملی دولت عامہ کی تعمیری تجویز بہت زیادہ کمزور ہے اور اس کی جزئیات پر بغیر اس کے عمل نہیں ہوسکتا کہ خود اہل اشتراکیت کی طرف سے اس پر مخالفانہ اعتراضات ہوں، عام الفاظ میں اشتراکیت کی تجویز یہ ہے کہ شخصی انتظام کے بجائے حکومت کی طرف سے انتظام قائم کیا جائے، ایسی تمام حرفتیں جن سے کوئی چیز پیدا کیجاتی ہے سلطنت کے زیر انتظام آجائیں، اس طرح صرف سلطنت ہی ایک فرد رہجائے گی جو لوگوں کو کام پر لگائے گی، اور تمام کام کرنے والے سلطنت کے تحت میں آجائیں گے۔ اس طریق کے مطابق حکومت کے فرائض اقتصادی کارروائیوں کے تمام عرض و طول پر وسیع ہوجائیں گے۔ وہی تمام ریلوں، تمام کارخانوں، تمام معادن اور تمام کاشت کا انتظام کرے گی۔ خردہ فروشی کی دکانوں کے باہم مقابلہ کرنے کے بجائے حکومت کی طرف سے تقسیم اشیا کے مقامات قائم ہوجائیں گے جو ہر ایک باشندہ کو قومی پیداوار میں سے اس کا حصہ پہنچادیں گے۔ انفرادی طور پر لوگوں کو اب بھی ایسی چیزوں پر مالکانہ اختیار رہے گا جنھیں وہ واقعاً استعمال کرنا چاہتے ہیں مثلاً مکان، غذا، کپڑے وغیرہ مگر پیداوار کے تمام ذرائع قومی ہوجائیں گے۔

اس طریقہ کا حقیقتاً غیر عملی ہونا اس وقت صاف ظاہر ہو جاتا ہے جب پیداوار کی عام تجویز سے گزر کر تقسیم پر غور کیا جاتا ہے یعنے اس اشتراکی سلطنت میں کام کرنے والوں کی اجرتوں کا کس طریق پر انتظام ہوگا۔ اس معاملہ میں بہت زیادہ اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ اس میں وہ مصنفین انتہائی خیال پر پہنچے ہوئے ہیں جو یہ چاہتے ہیں کہ جو شئے بھی تیار کیجائے وہ مِلک عام ہو اور ہر شخص اس عام ذخیرہ سے اپنی ضرورت کے موافق لے لے۔

لامحالہ اس قسم کے طریقہ میں شخصی اجرت کا کوئی ذکر باقی نہیں رہے گا، ہر کام کرنے والے کا معاوضہ اس کی ضرورت کے موافق ہوگا نہ کہ اس کی قابلیت عمل کے موافق۔ کم و بیش اسی کے مثل یہ تجویز بھی ہے کہ سب کی مزدوریاں برابر ہوں، تمام لوگوں کو مساوی اوقات کے لیے کام کرنے پر مجبور کیا جائے (یا یہ کہ گھنٹوں کی تعداد کام کی دلچسپی و ناگواری کا لحاظ کر کے مساوی کردی جائے) اور سب کو ایک ہی معاوضہ دیا جائے۔ یہ یاد ہوگا کہ اڈورڈ بیلامی نے اپنی کتاب "نظر بازپسیں" ("Looking backward") میں اجرتوں کے مسئلہ کا بھی حل پیش کیا ہے۔ اس کتاب میں سلطنت اشتراکیہ ایک خیالی قصہ کی صورت میں پیش کیا گیا ہے، بروقت اشاعت (۱۸۸۸ء) اس کتاب نے حیرت انگیز طور پر لوگوں کی توجہ اپنی طرف مائل کرلی تھی، بنہایت خیالی و وہمی لوگوں کے سوا کوئی شخص بھی ایسا نہ ہوگا جو اس اشتراکیت کی تجویز کو ناقابل عمل نہ سمجھتا ہو کہ تمام اجرتیں مساوی کردی جائیں۔ یہ صاف ظاہر ہے کہ اس قسم کے انتظام میں کام کرنے کا شخصی جوش بالکل مفقود ہو جائے گا اور کاہلی کی وجہ سے تیار کی ہوئی چیزوں کی خوبی و نفاست اس درجہ غارت ہو جائے گی کہ اس کی درستی کی کوئی امید باقی نہ رہے گی۔ بیلامی اور دوسرے اشخاص حجتاً یہ کہتے ہیں کہ اشتراکیت کی وجہ سے حالات میں جو ترقی ہو جائے گی اس کی وجہ سے عام اخلاقی معیار اس درجہ

بلند ہو جائے گا کہ کام سے جی چرانے پر لوگ سختی سے نفریں کریں گے اور چونکہ متحدہ طور پر کام کرنے کی وجہ سے محنت کے اوقات گھٹ جائیں گے اس لیے کسی شخص کو بھی محنت سے گریز نہ ہوگا۔ اس قسم کی دلیل محض خیالی دلیل ہے، اور اس سے یہ پایا جاتا ہے کہ طبائع انسانی میں نہایت محیر العقول و فوری تغیر از خود عمل میں آجائے گا جو اس قدر وسیع ہوگا کہ اصلاح معاشری کے متعلق کسی بحث ہی کی ضرورت نہ رہے گی۔ یہ دلیل اس طریقہ کے بھی خلاف ہے جو بیلامی نے تجویز کیا ہے کہ خاص محل و موقع کے لحاظ سے خاص خاص کاموں کے اوقات میں بھی کمی بیشی ہوتی رہے گی تاکہ لوگوں کی توجہ ایک طرف سے ہٹکر دوسری طرف مائل ہو جائے اس تجویز کی بنا خود اس امر پر ہے کہ لوگ کام سے متنفر ہوں گے۔

آخر میں ہم حرفتی انتظام کی اس تجویز پر پہنچے ہیں جسے تعمیمت و اجتماعیت کے مقابلہ میں اشتراکیت صحیحہ کہہ سکتے ہیں۔ اس صورت میں ہر کام کرنے والے کو اس کی قابلیت کے مطابق معاوضہ ملنا چاہیے۔ اس تجویز میں یہ فرض کیا گیا ہے کہ عہدہ داروں کی ایک حکمراں جماعت ہے (جو انتخابی اصول پر مقرر ہوئی ہے) اور وہی پیداوار کے طریقوں کی نگراں ہے، کام کرنے والوں کو حسب ضرورت ایک کام سے دوسرے کام کی طرف منتقل کرتی اور حرفتی قابلیت کے لحاظ سے اُن کو تنخواہیں دیتی اور ان کی ترقیاں وغیرہ کرتی ہے۔ ایک اچھے کام کرنے والے کی تنخواہ زیادہ ہوگی، کم لیاقت اور سست اشخاص کی تنخواہیں کم ہونگی۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ جن عہدہ داروں کے اختیار میں جگہوں، تنخواہوں اور ترقیوں کا دینا ہوگا ان کا علم لامحدود اور وہ خود ہر طرح پر محفوظ عن الخطا ہونگے تو پھر یہ تجویز تقریبًا بالکل بے عیب ہو جائے گی۔ لیکن اخلاق عامہ کی موجودہ حالت کے اعتبار سے اس تجویز کے تحت میں رشوت، اغراض ذاتی، سازشیں، عناد شخصی اور دوسری ہر طرح کی ناجائز کارروائیاں ایسی شدت سے برپا ہونگی کہ اس قسم کی کسی کارروائی کے عملی صورت اختیار کرنے کا خیال

بالکلیہ ترک کردینا پڑتا ہے۔ اگر حکومت جبراً تمام حرفتوں کو اپنے ہاتھ میں لیلے اور شخصی کاروبار کو ممنوع قرار دیدے تو جو لوگ ان ”سیاسی کارکنوں“ اور ”سازشیوں“ کے پنجہ میں پھنسیں گے جن کے ہاتھ میں حکومت کا ہونا بہت ہی اغلب ہے تو وہ یہی سمجھیں گے کہ وہ ایک مطلق العنان حکومت کے تحت میں آگئے جس سے نکلنے کی اس مجوزہ تنظیم میں کوئی صورت نہیں ہے۔

جس قسم کی عام مرکزی اشتراکیت کا بیان اوپر ہوا ہے اس کے مخالف دلائل صراحتاً اس قدر وزندار ہیں کہ اس میں کوئی محل تعجب نہیں کہ ادھر کے برسوں میں مرکزی تجویز کی مشکلات سے بچنے کی غرض سے اشتراکیت کی بہت سی مختلف قسمیں پیش کی گئی ہیں، چنانچہ مختلف قسم کی انجمنی اشتراکیت اسی قبیل سے ہیں۔ ان سب کا اصول خاص مساعی باہمی کا وہی خیال ہے جس پر تمام اشتراکیت کی بنیاد قائم ہے اور جس سے انفرادی مقابلہ کی جگہ پر کام لینا مقصود تھا مگر متعلقہ تعداد کے لیے رقبہ کے محدود کردینے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اتحاد کو پیشہ وغرض کی یکسانی کے اوپر مبنی کرنے سے یہ توقع کی گئی ہے کہ لوہے کی سی سخت مرکزیت کی شدت وصلابت سے نجات ملجائے گی۔ اس سے بھی زیادہ نمایاں خود وہ تجاویز ہیں جو اتحادیت (Syndicalism) کے نام سے شائع ہو رہی ہیں، جن میں حرفت ہی معاشری انتظام کی بنا قرار دی جاتی ہے۔ کانکن کان کا کام کریں، ریل والے ریل کا کام کریں، کاریگر کارخانوں میں جائیں، وقس علیٰ ہذا غرض یہ کہ اقتصادی نظم معاشرت کام کرنے والوں کے وسیع متفقہ گروہوں سے مرکب ہو جائے جن میں سے ہر گروہ اپنی پیدا کردہ اشیا سے مبادلہ کرے۔ اتحادیت کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے غایت المرام کو ترغیب کے دشوار طریقوں، طلب آراء اور سیاسی جدوجہد سے حاصل نہیں کرنا چاہتی بلکہ وہ دنیا کی کل کے پہیوں کو روکدینے کے ”راست طریق“ سے اپنا مقصد پورا کرنا چاہتی ہے۔ اس سے توقع یہ ہے کہ وہ عام ہڑتال کے ذریعہ سے آبرسانی و برقی روشنی وغیرہ کو

بند کر کے اپنے دشمنوں کو اطاعت پر مجبور کر دے گی، مگر وہ اسے بھول جاتی ہے کہ سرمایہ داروں سے غصہ میں آکر اگر وہ روشنی بند کر دے گی تو حامیان تجارت بھی تاریکی میں پڑ جائیں گے[1]

۳۔ جرمنی کے عمومیت پسند اشتراکی:— لیکن اشتراکیت محض نظری حیثیت سے کچھ زیادہ حقیقت رکھتی ہے، براعظم یورپ میں اس نے خود کو عملی سیاسیات میں ایک انتہا درجہ کی اہم قوت بنا لیا ہے اور کچھ زمانہ سے انگلستان اور ممالک متحدۂ امریکہ میں بھی اشتراکیت پسند سیاسی جماعتوں میں کسی قدر اہمیت حاصل کر لی ہے، لیکن ان اشتراکی منصوبوں کو جہاں خاص کامیابی ہوئی ہے وہ جرمنی ہے اور وہاں کی حکومت کی توضیع قانون کی روش پر اس کا زبردست اثر پڑا ہے۔ جرمنی میں اشتراکیت کا یہ نشو و نما صرف اپنی ہی جگہ پر دلچسپ نہیں ہے بلکہ خصوصیت کے ساتھ اس سے یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ اشتراکیت پسند سیاسی فریق کے آیندہ کیا کچھ کرنے کا ظن غالب موجود ہے، ان کو کس حد تک موجودہ حکومتوں کی روش کے تبدیل کرنے میں، کامیاب ہونے کی توقع ہو سکتی ہے۔ انیسویں صدی کے اوائل میں فرانس میں اسے عروج حاصل ہوا، اور اولاً اس نے محض خیالی اور دنیا کو بہشت بنا دینے والی تجاویز کی صورت اختیار کی[2]۔ ابتدائی اشتراکیت پسندوں یا تعمیموں نے دکہ اس

---

[1] اس کتاب کے مصنف نے اپنی ایک دوسری تصنیف "عدل معاشری کے عقدۂ لاینحل" ۱۹۱۹؁ (The Unsolved Ridle of Social Justice) میں اشتراکیت کے مختلف اقسام کے حقیقی مغالطات کو ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے مگر اس کے ساتھ یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ جس عہد میں ہم ہیں اس کے خلاف اشتراکیوں نے جو فرد جرم تیار کی ہے وہ بھی لاجواب ہے۔

[2] جرمنی میں اشتراکیت جدیدہ کے ابتدائی دور کے لیے وائٹ لنگ کی تصنیف "دنیا کی موجودہ حالت اور اس کا مستقبل" (wie sie ist and Sein Soll

نام سے وہ پہلے موسوم تھے) ان اہم مشکلات کو بہت خفیف سمجھا جو معاشری اصلاح کے راستہ میں حائل ہیں۔ انھوں نے تمام موجودہ خرابیوں کو سرمایہ داری کے طریق رائج ہونے پر محمول کر دیا اور اس لیے یہ فرض کر لیا کہ اگر اسے فوراً برطرف کر کے اس کے بجائے سلطنت کی نگرانی قائم کر دی جائے گی تو فوراً ہی بنی نوع انسان کی ایک بالکل ہی نئی زندگی کا دور شروع ہو جائے گا۔ اشتراکیت نے جب سیاسی میدان میں قدم رکھا تو اس کی تجویز کا اولین خاکہ یہ تھا کہ بلا رو رعایت سرمایہ داری کے کاروبار کو تباہ کر دیا جائے۔ فرانس کے انقلاب کوشوں میں اہل اشتراکیت کا یہی رویہ تھا جس نے ۱۸۴۸ء میں بروقت فرانس کے شاہی طریق حکومت کو الٹ دیا اور اسی سال جرمنی میں بھی ایسے ہی ہیجان و اختلال کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ اس تحریک عظیم کے از خود شکست ہو جانے کے بعد جرمنی کے اہل اشتراکیت متخاصم گروہوں میں منقسم ہو گئے۔ بعض ان میں سے اب بھی اس فکر میں تھے کہ ہر طرف ایک عالمگیر انقلاب برپا ہو جائے اور وہ اس ہمہ گیر بنیاد پر اپنے انتظامات کو مرتب کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ دوسرا فریق اپنی موجودہ قومی سلطنت کو بنائے کار قرار دے کر اس خیال کے درپے ہوا کہ اپنے مقاصد کو آئینی اصلاح کے ذریعہ سے حاصل کرے۔ اس دوسری تجویز کے مطابق اشتراکیت نے لڑ کر قوت حاصل کرنے کے بجائے رضامندی عام سے قوت حاصل کرنا چاہی اس دور میں سب سے زیادہ اثر فرڈینینڈ لاسال کا تھا جس نے جرمنی کے کام کرنے والوں کی ایک انجمن مرتب کی اور فوری کارروائی کے لیے یہ صورت پیش کی کہ تمام مال تیار کرنے والی جماعات مزدوران کو سرکاری طور پر مدد دی جائے اور یہی امداد اشتراکی سلطنت کی بنا و آغاز کا کام دے۔ انقلابی لاحکمیوں کی

بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ:۔ Die Welt دیکھنا چاہیے) اور فرانس کے متعلق سنٹ سیمون اور فوری اے کی تحریروں سے بہت کچھ واضح ہوتا ہے۔

علیحدگی اور اس تحریک کی بین الاقوامی ہیئت کے مٹ جانے سے[1] جرمنی کی اشتراکیت میں یہ میلان بڑھتا گیا کہ اپنی خیالی سلطنت کو تمام وکمال عملی جامہ پہنانے کے بجائے ایک قومی و آئینی صورت اختیار کرنا چاہیے جس کا اولین مقصد یہ ہو کہ عملی کارروائیوں کا نفاذ ہو جائے ۱۸۷۵ء میں گوتھا کی ایک کانگریس میں رواداری باہمی کی بنا پر اشتراکی فریقوں میں ایک عام اتحاد ہو گیا۔ آیندہ کے کام کی جو تجویز وہاں منظور ہوئی اس میں اشتراکیت کا منتہائے خیال یہ قرار پایا کہ "اجرت پر کام کرنے کا طریقہ منسوخ کر دیا جائے"، لیکن "معاشری مسئلہ کے حل کے لیے راستہ تیار کرنے کی غرض سے" بعض فوری کارروائیاں عمل میں آنا تجویز ہوئیں۔

اس کے بعد (۱۸۷۸ء سے ۱۸۹۰ء تک) کے دور میں اس فرقہ کو جرمنی کی شہنشاہی حکومت کے ہاتھوں بہت سخت تکلیفیں برداشت کرنا پڑیں، تاہم یہ سختیاں اس حد تک نہیں پہنچیں کہ یہ فرقہ انقلابی کارروائیوں پر مائل ہو جاتا۔ ۱۸۹۱ء میں ارفرٹ کی ایک کانگریس میں ایک مرحمہ طریق کار تجویز ہوا جو جرمنی کے عمومیت پسند اشتراکی فریق کا باضابطہ پیش نامہ بن گیا، اس میں یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ حق انتخاب عام، مساویانہ، براہ راست اور گولیوں کے ذریعہ سے ہونا چاہیے (اور عورتوں کو بھی یہ حق ملنا چاہیے)، تناسبی نمایندگی، براہ راست وضع قانون، مستقل فوج کے بجائے عام محافظ ملک فوج، مطابع و مجالس کی آزادی، آزادانہ انصاف، تدریجی محصول آمدنی، ترقی دادہ قوانین کارخانہ، کام کے اوقات کا قانونی تعین، یہ سب امور اس پیش نامے میں داخل تھے،

---

[1] کارل مارکس نے ۱۸۶۴ء میں جب وہ لندن میں پناہ گزیں کی حیثیت سے رہتا تھا ایک بین الاقوامی انجمن مزدوران کی بنیاد ڈالی جس کا مقصد یہ تھا کہ موجودہ حکومتوں کی مدد کے بغیر معاشری انقلاب ہو جائے۔ لیکن فرانس و پرشیا کی جنگ کے بعد اس تحریک کا خاتمہ ہو گیا۔

ان فوری مطالبات کے ساتھ سرمایہ داری کے طریق کاروبار پر بھی صاف صاف لعنت ملامت کی گئی، لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی عیاں کر دیا گیا کہ "سرمایہ داروں کی زیادتیوں کے مقابلہ میں کام کرنے والوں کے طبقات کی جدوجہد لازماً ایک سیاسی جدوجہد ہوگی"[لہ] اور یہ معلوم ہے کہ اس فریق کے موجودہ مطالبات میں کوئی امر اس سے زیادہ نہیں شامل ہے جو اینگلوسیکسن ممالک کی مختلف انتہا پسند جماعتیں طلب نہ کر رہی ہوں، اگر کچھ ہے تو بس اتنا کہ وہ قانونی طور پر کام کا وقت معین کرنا چاہتے ہیں۔ اس بنیاد پر عمومیت پسند اشتراکیوں کی تعداد میں بہت ہی تیزی کے ساتھ ترقی وقوع میں آئی ہے۔ جرمانی شہنشاہی کے قیام کے وقت انھوں نے رائشٹاگ کے لیے صرف دو رکن منتخب کیے تھے، سنہ ۱۸۹۳ء میں انھوں نے چوالیس ارکان کا انتخاب کیا جو ۱۸،۷۶،۷۲۸، رائے دہندوں کی نمایندگی کرتے تھے اور آخری انتخاب یعنے جنگ عظیم سے قبل کے سنہ ۱۹۱۲ء والے انتخاب میں وہ ایکسو دس ارکان کے منتخب کرنے میں کامیاب ہوئے جو ۴۲،۳۸،۹۱۹، رائے دہندوں کے نمایندے تھے جنگ کے بعد جرمنی میں جو کچھ رہگیا تھا اس میں فریقوں، گروہوں اور جماعت بندیوں نے ایک ہماہمی برپا کردی اور اس رستخیز میں یہ امتیاز کرنا ممکن نہ رہا کہ اشتراکیت کہاں ختم ہوتی اور کہاں شروع ہوتی ہے۔ لیکن جنگ کے قبل عام طور پر یہ تسلیم کیا جاتا تھا کہ اشتراکی عمومی فریق (جس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو اشتراکی امیدواروں کو رائے دیتے ہیں) تمام و کمال اشتراکیت ہی پر مشتمل نہیں ہے بلکہ ایک بڑی حد تک یہ ایک ایسا فریق ہے جو بددل اشخاص اور شہنشاہی حکومت کے مستقل مخالفوں پر شامل ہے اور اس کی نسبت یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ اس میں تمامتر وہی لوگ

[لہ] ارفرٹ کے پیش نامے کی اصل عبارت کا ترجمہ ایلی کی کتاب اشتراکیت و اصلاح معاشری (Socialism and Social Reform) ضمیمۂ اے میں ملے گا۔

شامل تھے جو تعاملی سلطنت کے قابل عمل ہونے پر یقین رکھتے ہوں۔

براعظم (یورپ) کے تمام ممالک میں موجودہ اشتراکیت کے پریشان کن مسائل میں ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ نظریۂ اشتراکیت کے قدیم مسلمات میں کن مسلمات کو باقی رکھا جائے۔ اہل اشتراکیت میں بعض بہت سختی کے ساتھ کارل مارکس کے ابتدائی عقائد پر قائم اور معاشری تباہی کے روز روشن کی طرح عیاں ہونے کے مقر ہیں، لیکن انیسویں صدی میں کام کرنے والے طبقوں کی حالت کے بہتر ہو جانے سے اور ہوشیار کاریگروں کی مزدوری کے واقعی دوچند ہو جانے سے یہ اندیشہ باطل معلوم ہوتا ہے۔ موجودہ حالت کے ترقی کی طرف گامزن ہونے سے اہل اشتراکیت کی ایک بہت بڑی تعداد اس یقین کی طرف مائل ہے کہ جس حد تک بھی ممکن ہو معاشری، بہبودی کی لازمی کارروائی عمل میں لانا چاہیے۔ یہ لوگ جو اب “اہل اصلاح” (Reiusionist) کہلاتے ہیں وہ ہر جگہ قدیم الخیال اور مارکس کے طرز کے اشتراکیوں سے برسر مقابلہ رہتے ہیں، درحقیقت اب یہ دعوے سے کہا جا سکتا ہے کہ اس زمانہ کے اشتراکیوں کا بیشتر حصہ موجودہ صورت حالات کو بالکل تہ و بالا کر دینے کے بجائے اس کی اصلاح و درستی کی جانب میلان رکھتا ہے۔ اہل اشتراکیت کی تعداد اگرچہ فرانس و اطالیہ میں بیشمار ہے مگر ان لوگوں میں جیسا اتفاق باہمی اور اتحاد عمل جنگ کے قبل جرمنی کے اندر پایا جاتا تھا ویسا کہیں اور نظر نہیں آتا۔ فرانس میں تو وہ خاص طور پر متخاصم جماعتوں میں منقسم ہو گئے ہیں بعض ان میں سے جو اجتماعیوں کے نام سے موسوم ہیں اور کارل مارکس کی روش پر چلتے ہیں ان کا میلان اس جانب ہے کہ مرکزی حکومت کو اقتصادی اختیار کامل طور پر اپنے ہاتھ میں لے لینا چاہیے، دوسرے فریق کی رائے یہ ہے کہ بلدی انتظامات کو ترقی دے کر تجاویز اشتراکیت کی تکمیل کرنا چاہیے۔ ایک تیسرا گروہ “اہل امکان” کا ہے ان کا میلان یہ ہے کہ اصلاح حالت کی جو تجویز بھی قابل حصول ہو اسے قبول کر لینا چاہیے

اور جو موجودالوقت حکومت ان کے خیالات کو پورا کرے اس سے متفق ہو کر کام کرنا چاہیے۔ لیکن یہ عیاں ہے کہ جنگ عظیم کے واقع ہو جانے سے اشتراکیت کی بین الاقوامی ہیئت پر ایک سخت ضرب لگ گئی ہے۔ ۱۹۱۴ء کے پہلے بہت سے اشتراکی اس امید باطل سے سرمست تھے کہ دنیا کی اشتراکیت کے کارکن اس حد تک متحد ہو گئے ہیں کہ وہ قومی سلطنتوں کے درمیان جنگ و جدل کو روک دیں گے۔ مشترک اقتصادی قسمت اور مشترک اقتصادی مقاصد کے رشتۂ ارتباط کو، نسل، زبان اور قومی سیاسی اتحاد کے رشتوں سے زیادہ مضبوط خیال کیا جاتا تھا۔ یہ خواب شیشہ کی طرح چکنا چور ہو گیا۔ اشتراکی یہ بھول گئے تھے کہ منضبط اقتدار و قوت ایک نہایت ہی اہم جزو ہے موجودہ حکومت اور موجودہ فوج جن لوگوں کے زیر فرمان تھی وہ بہت آگے نکل جا چکے تھے، لیکن اس سے علیحدہ بھی یہ امر صاف ظاہر ہے کہ تاریخ عالم کی اس موجودہ حالت میں خون، زبان اور ہمسائگی کے رشتے بین الاقوامی گروہوں کے ارتباط محض سے ہنوز بہت زیادہ قوی ہیں۔

۴۔ **انگلستان و امریکہ میں اشتراکیت**:۔ انگلستان میں مختلف اشتراکی انجمنیں قائم ہو چکی ہیں، ۱۸۸۱ء میں سوشل ڈماکریٹک فڈریشن (اشتراکی عمومی تنفقیت) ۱۸۸۴ء میں سوشلسٹ لیگ (اشتراکی معاقدہ جو اب معدوم ہو چکا ہے) اور پھر فبین سوسائٹی قائم ہوئی۔ موخرالذکر انجمن کے ارکان میں ہر دو وب[۱] اور مسز اینی بسنٹ وغیرہ کے ایسے بہت سے ممتاز قابلیت کے اشخاص بھی شامل تھے جو مجموعۂ مضامین "فبین ایسیز آن سوشلزم" (فبینی مقالات دربارۂ اشتراکیت) کے نام سے شائع کیا گیا اس کی فروخت بہت ہی کثرت سے ہوئی۔ اس انجمن کے پیش نظر یہ ہے کہ اشتراکیت کو

---

[۱] سڈنی اور بیٹرائیس وب، جو "تاریخ اتحاد تجارتی" (History of Trade Unionism) اور دوسری کتابوں کے مشترک مصنف ہیں۔

تدریجی طور پر شائع کرنا چاہیے اور وہ اس امر کو تسلیم کرتی ہے کہ سرمایہ داری کے طریق کاروبار سے نکل کر اشتراکی انتظام کی صورت اختیار کرنے میں ایک ارتقائی دور پیش آئے گا۔ ممالک متحدۂ امریکہ میں متعدد بار یہ کوششیں ہوئی ہیں کہ اشتراکی انتظام کو عملی صورت میں لایا جائے اور اس کے لیئے مشترکہ محنت و مجتمع ملکیت کے اصول کو قبول کر کے متعدد گروہ قائم ہوئے ہیں[1] ان میں سے نیو ہارمنی والے ریپائٹ (پیروان ریپ) اور زورا، امانا، اور اونیڈا کے تعمیموں کی مثالوں سے ہر شخص مانوس ہے، یہ تجربے ہمیشہ ناکام رہے، بجز ان حالتوں کے جہاں ان کا مقصد اقتصادی نہیں بلکہ مذہبی تھا اور مشترکہ املاک کی صورت اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لیے محض ضمنی طور پر نکل آئی تھی۔ ادھر کے چند برسوں کے اندر ممالک متحدۂ امریکہ میں اشتراکیت سیاسی فرقوں کے رنگ میں ظاہر ہونا شروع ہوئی ہے اور یہ فرقے انتخاب میں بہت معقول قوت حاصل کرتے جاتے ہیں۔ ان میں سوشلسٹ لیبر پارٹی (فرقۂ مزدوران اشتراکی) اور سوشلسٹ ڈماکریٹیک پارٹی (فرقۂ عمومیت پسندان اشتراکی) سب سے زیادہ اہم ہیں۔ ۱۹۱۲ء کے صدارت کے انتخاب میں تقریباً ۹۰۰،۰۰۰ رائیں اشتراکیت پسند امیدوار کو دی گئی تھیں۔ اور ۲۹۰۰۰، رائیں اشتراکی حزب العمال کے امیدوار کو ملیں۔ ۱۹۱۶ء کے انتخاب میں اشتراکی حزب العمال کے امیدوار کو ۱۴۰۰۰، رائیں ملیں اور اشتراکی امیدوار کو ۵۹۰،۰۰۰ سے زائد رائیں حاصل ہوئیں۔ لیکن یہ دونوں فریق اگرچہ اپنے دعاوی کی تمہید میں پیداوار کے قومی بنانے کی عام الفاظ میں تائید کرتے ہیں مگر وہ خاص زور اس فوری مطالبہ پر دیتے ہیں کہ

---

[1] اس سلسلہ میں چارلس نارڈوف کی تصنیف ”ممالک متحدۂ امریکہ کی جماعتہائے اجتماعیہ“ (The Comministic Societies of the United States) بھی دیکھنا چاہیے۔

ریلیں سرکاری ہو جائیں، روشنی اور عام آمد و رفت کی گاڑیوں کا انتظام مجلس بلدیہ کی نگرانی میں کر دیا جائے۔ محصول آمدنی تدریجی ہو جائے، اس قسم کے اور امور بھی ہیں جن کے فوری عمل در آمد پر وہ زور دیتے ہیں۔ اس طرح وہ اپنی عملی تجاویز میں بہت کچھ ان سیاسی جماعتوں سے مشابہت پیدا کر لیتے ہیں جو اشتراکیت کی بنیاد پر مبنی نہیں ہیں۔ امریکہ و یورپ دونوں جگہوں میں اشتراکی جماعتوں کے موجودہ مطالبات ان مطالبات سے بہت ہی گہرے طور پر متفق ہیں جو استیصالی طرز کے وہ مختلف فریق (مثلاً عوامی، آزاد حزب العمال، فرانسیسی استیصالی وغیرہ) پیش کرتے ہیں جو مسلمہ طور پر ہر گز اجتماعی نہیں ہیں۔ استیصالیت کی بنیاد اصلی، انفرادیت پر قائم ہے اور اس طرح وہ لفظاً اشتراکیت کے تخیل سلطنت سے انتہائی حد تک مخالف ہے مگر موجودہ زمانہ کی اشتراکیت کا استدراجی ارتقا، اس کے ابتدائی تخیل سے اسے برابر بعید اور بعید تر کرتا جا رہا ہے، بہت اہل اشتراکیت اس ابتدائی تخیل کو بہشت کا خواب دیکھنا اور ایک ناقابل حصول امر تسلیم کرتے ہیں اور بہت سے لوگ جو اہل اشتراکیت سے نہیں ہیں وہ یہ قبول کرنے پر آمادہ ہوں گے کہ تعاملی دولت عامہ کے تخیل کا وضع قانون کی حقیقی رفتار پر کارسازانہ اثر پڑتا ہے۔ حکومت بلدیہ کے متعلق اہل اشتراکیت کے نصب العین پر ہم دوسرے باب میں بحث کریں گے۔

قابل مطالعہ کتابیں

ٹی۔ کرکپ۔ تاریخ اشتراکیت سنہ ۱۸۹۲ء (History of Socialism)
باب ۱۔ ۱۔ ۷۔ ۱۲۔

او، اسکلٹن، اشتراکیت کا تجزیۂ تنقیدی (Socialism, a Critical Analysis) سنہ ۱۹۱۱ء، باب دوم۔

اے ۔ شیفلے ۔ لب لباب اشتراکیت (Quintessance of Socialism)
(آٹھویں جرمانی اڈیشن مطبوعہ سنہ ۱۸۸۹ء کا ترجمہ)

اسناد مزید

ڈبلیو ۔ ڈی ۔ پی، بلس ۔ کتابچۂ اشتراکیت (Handbook of Socialism)

ای ۔ بیلامی نظر بازپسیں سنہ ۱۸۰۹ء (Locking Backward)

کے، مارکس ”سرمایہ“ سنہ ۱۸۶۷ء (Capital)

سی و بی و ب: تاریخ اتحادیت تجارتی (History of Trade Unionism)

سی ۔ نارڈوف جماعت ہائے اجتماعیہ ممالک متحدۂ امریکہ سنہ ۱۸۷۵ء (Communistic Societies in the United States)

اے ۔ شیفلے ۔ عمومیت اشتراکیہ کا عدم امکان (Impossiblity of Social Democracy) مصدقۂ انگریزی اڈیشن سنہ ۱۸۹۲ء ۔

ای ۔ وی ۔ زنکر ”لاحکمیت“ سنہ ۱۸۹۷ء (Anorchism)

اسٹیون لیکاک ”عدل معاشری کا عقدۂ لاینحل“ (The Unsolued Riddle of Social Justice) سنہ ۱۹۱۹ء ۔

جے، ڈبلیو، ہیوز: ، زمانۂ موجودہ کی امریکی اشتراکیت (American Socialism of the Present Day) سنہ ۱۹۱۲ء ۔

ڈبلیو، والنگ، ”اشتراکیت امروزہ“ (The Socialism of To-day) سنہ ۱۹۱۶ء ۔

جے ۔ ایس، بارکر، ”برطانوی اشتراکیت“ (British Socialism) (سنہ ۱۹۰۸ء)

باب سوم

سلطنت جدیدہ

۱۔ ماحول جدید ۔ ۲۔ نظریۂ تحفظ حرفت ۔ ۳۔ جدید تحفظی محصول درآمد۔ ۴۔ مقابلتی قیمتوں میں مداخلت ۔ ٹرسٹ اور ریلوں کے متعلق توضیع قوانین۔ ۵۔ مزدور طبقہ کی طرف سے حکومت کی مداخلت ۔ قوانین کارخانہ ۔ سرکاری بیمہ و وظائف ۶۔ بلدی نگرانی۔

۱۔ ماحول جدیدہ :۔ اب آخر میں ہم ان واقعی فرائض کے متعلق بحث کریں گے جن پر حکومتہائے جدیدہ عمل کر رہی ہیں اور یہ بتائینگے کہ سلطنت کے اقتصادی فرائض کے متعلق کیا رائیں ہیں ۔ ایک معنی کر کے زمانۂ جدیدہ کی تمام مہذب حکومتوں کی عملی کارروائی انفرادیت ہی کی بنیاد پر قائم ہے ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی سلطنت ایسی نہیں ہے جس میں ذرائع پیداوار کی مشترکہ ملکیت کا اصول، یا اجرتوں کی مساوات، یا بلا استثنا صرف حکومت ہی کے کام لینے کا استحقاق، رائج ہو گیا ہو۔ اب بھی ہر فرد آزاد ہے کہ بطور خود جس طرح چاہے اپنی کوششوں سے اپنی معاش پیدا کرے اور اصل میں اجرت کی مقدار کا تعین کام لینے والے اور کام کرنے والے کے آزادانہ معاہدہ ہی پر بدستور مبنی ہے، لیکن اس عام شرط استثنا کو چھوڑ کر بہت آسانی سے یہ عیاں ہو سکتا ہے کہ جدید حکومتوں کا عمل یوماً فیوماً کامل انفرادیت سے برابر دور دور ہوتا جاتا ہے اور یہ کہ سلطنت کی طرف سے صنعت و حرفت میں مداخلت کرنے کا میلان ہر جگہ بڑھتا جاتا ہے ۔ ہم اگر اپنے زمانہ کی صرف ریلوں، اجاروں، درآمد و برآمد کے محصولوں کے قواعد و ضوابط کی سرکاری روش پر غور کریں تو بادنی تامل یہ واضح ہو جاتا ہے کہ غیر مشروط مقابلہ

اور انفرادی نفع ذاتی کے اصول سابقہ پر جو اعتماد تھا وہ بالکل زائل ہو گیا ہے۔ سرکاری روش کے اس بدیہی تغیر کے ساتھ ہی ساتھ رائے عامہ میں بھی نمایاں تغیر واقع ہو گیا ہے۔ موجودہ زمانہ کے علمائے اقتصادیات اور سیاسی فلسفی اس امر کے لیئے تیار ہیں کہ اپنے پیشروں کے مسلمات کے برخلاف ایک حد تک سرکاری مداخلت کی حمایت کریں۔ علمی و عملی دونوں جہتوں سے اس نمایاں تغیر کی وجہ ہمارے زمانہ کے حرفتی احول کے تغیر حالات میں پائی جاتی ہے۔ کسی سابق باب میں ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ نو ایجاد کلوں کے زور و قوت سے صنعت میں جب انقلاب پیدا ہوا تو اس کا اقتضا یہ تھا کہ حکومت کی طرف سے تمام قیود اُٹھا لیئے جائیں اور سرمایہ و مزدوری کی آزادانہ نقل و حرکت میں جو رکاوٹیں در پیش تھیں جب وہ اس خیال کے موافق برطرف کردی گئیں تو پیداوار کی مجموعی مقدار میں بالضرور نہایت ہی نمایاں اضافہ ہو گیا لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ آزادانہ مقابلہ کے دستور میں مزدوری پیشہ جماعت اور ان میں بھی خاص کر عورتوں اور بچوں کی سود و بہبود کی حالت ہر طرح قابل اعتراض ہو گئی۔ جدید صنعت و حرفت کی مزید ترقی نے اور بھی پر زور طور پر یہ عیاں کر دیا کہ اس غیر مشروط مقابلہ میں کس قدر خرابیاں مضمر ہیں۔ ان میں سے زیادہ اہم خرابیوں پر مختصر طور پر علمی نظر سے بحث کیجا سکتی ہے، اس کے بعد آگے چل کر ہم اس حقیقی قانونی طرز عمل پر بحث کریں گے جو ان حالات میں اختیار کی گئی ہے۔

فرائض حکومت کا جو نظریہ اسمتھ، رکارڈو اور دوسرے قدیم علمائے اقتصادیات نے قائم کیا تھا وہ درحقیقت ایک عالمگیر نظریہ تھا۔ اس سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ اگر اجرت، قیمت اور تجارت انفرادی معاملت کے لیئے آزاد چھوڑ دی جائے تو ہر شخص کے مفاد ذاتی سے مجموعی مفاد عام کو نفع پہنچے گا۔ ہر شخص کو موقع ملے گا کہ حرفت کی جس شاخ میں اسے زیادہ سے زیادہ معاوضہ ملنے کی توقع ہو سکے اس میں وہ

اپنی محنت اور اپنا سرمایہ صرف کرے۔ اس طرح پر ہر قوم کو یہ موقع ملے گا کہ جس تجارت کے لیے اسے بہترین طبعی مفاد حاصل ہوں اسی کے پیدا کرنے میں وہ اپنی تمام توجہ کو مرکوز کردے، دوسری قوموں کے ساتھ بے روک ٹوک تجارت جاری رہے اور جو چیزیں وہ خود اپنے ملک میں پیدا نہیں کر سکتی دوسری قومیں وہ چیزیں اس کے لیے مہیا کریں۔ رکارڈو کے زمانے میں انگلستان میں جو حالات شائع و ذائع تھے، ان کے لحاظ سے بین الاقوامی تعلقات کا نظریہ عام طور پر صحیح تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس زمانہ میں صنعت و حرفت کی تقریباً تمام ہی شاخوں میں انگلستان کو نمایاں فوقیت حاصل تھی؛ لیکن آزادانہ تجارت کے نظریہ کو دوسری قوموں اور دوسرے زمانہ پر عائد کرنے کی کوشش کسی طرح بھی عام طور پر مقبول نہیں ہوئی۔ سب سے پہلا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ آزادانہ تجارت کی حکمت عملی اختیار کرنے سے ملک کے اندر خود اپنی ضروریات کے مہیا کرنے میں اور قوم کی آزادی میں کمی آجاتی ہے۔ رکارڈو کے اصول مسلمہ پر اگر حرف بہ حرف عمل کیا جائے تو اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کسی قوم کو اگر زراعت میں خاص آسانیاں حاصل ہوں اور صنعت و حرفت میں وہ نسبتاً کمزور ہو اور اس کی "طبعی" رفتار میں حکومت کی طرف سے کوئی مداخلت نہ ہو تو وہ مصنوعی اشیا کے لیے اپنے ہمسایوں پر اعتماد کرے گی اور خود اپنی طاقت کو زیادہ تر زراعت میں مصروف کردے گی۔ برعکس ازیں جس قوم کو صنعت و حرفت میں خاص آسانیاں حاصل ہوں اور اس کے زرعی وسائل کمزور ہوں تو اس کا میلان یہ ہوگا کہ زمین کو غیر مزروعہ چھوڑ دے اور اپنی تیار کی ہوئی چیزوں کو زرعی پیداوار سے بدل کر اپنی غذا کی ضروریات کا انصرام کرے۔ یہ ظاہر ہے کہ ان صورتوں میں ہر ایک قوم کی بہبود قطعاً اس امر پر منحصر ہوگی کہ وہ اپنے خاص ضروریات کے مہیا کرنے کے لیے بے روک ٹوک تجارت جاری رکھ سکے۔ لیکن اگر رسل و رسائل میں جنگ کی وجہ سے خلل پڑ جائے

خواہ یہ جنگ خود انھیں دونوں قوموں میں ہو جن میں تجارتی تعلقات ہیں یا کسی دوسرے ملک کے ساتھ ہو جائے دونوں صورتوں میں اقتصادی ہستی معرض خطر میں پڑ جائے گی تو اس طرح امن کے زمانہ میں اس کی تجارت سے اسے جو اقتصادی نفع حاصل تھا وہ حالت جنگ میں اس کی تجارتی کمزوری سے زائل ہو جائے گا۔ یہ بھی خاص طور پر مد نظر رہنا چاہیے کہ اسے صرف اسی جنگ کا خطرہ نہیں ہے جسے وہ خود برپا کرے بلکہ کسی بیرونی قوم سے جس پر کسی حد تک بھی اس کا اقتصادی انحصار ہو جنگ چھڑ جائے تو یہی صورت پیش آجائے گی۔ اس بنا پر یہ دلیل پیش کیجاتی ہے کہ ایک مناسب حد تک اقتصادی آزادی کے قائم رکھنے کے لیے سلطنت کی طرف سے مصنوعات یا زراعت کے لیے جس قسم کی حفاظت کی ضرورت ہو وہ بجا و درست ہے۔ ایڈم اسمتھ تک نے قوانین جہازرانی پر اپنی پسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے[1] اس قسم کے حالات کو مد نظر رکھنے کے جواز کو تسلیم کیا ہے اور زمانۂ موجودہ کے علمائے اقتصادیات نے اس دلیل کو عام طور پر وزنی قرار دیا ہے۔ اس امر میں البتہ بہت کچھ اختلاف رائے ہے کہ کس حد تک اقتصادی آزادی کے لیے کوشش کرنا چاہیے۔ لیکن یہ امر تو بلا استثنا عام طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے کہ سامان حرب کی تیاری کے لیے کسی سلطنت کو اپنے سے باہر کی دنیا پر ہرگز اعتماد نہ کرنا چاہیے۔

۲۔ **نظریۂ تحفظ حرفت:۔** منجملہ متعدد دلائل کے جن کے بموجب تحفظی محاصل کے لگانے پر زور دیا گیا ہے، مذکورۂ بالا دلیل صرف ایک دلیل ہے۔ امریکہ میں خصوصیت کے ساتھ مقبول دلیل وہ ہے جو "صنعت نوزائیدہ" (**Infant Industry**) کی دلیل کے نام سے مشہور ہے۔ دعویٰ یہ کیا جاتا ہے کہ ممکن ہے کہ کسی ملک کے وسائل و حالات ایسے ہوں کہ غیر ملکی مقابلہ سے دو بدو ہو کر کسی صنعتی سلسلے کے قائم کرنے کے ابتدائی اخراجات

---

[1] "دولت اقوام" (**Wealth of Nations**) کتاب چہارم۔

حرفتی کام کرنے والے کے لئے ناقابل برداشت مشکلات پیدا کر دیں لیکن جب اس قسم کا سلسلہ ایک مرتبہ مناسب طور پر قائم ہو جائے گا تو پھر اس سے اتنا کافی نفع ہونے لگے گا کہ وہ برابری کے ساتھ غیر ملکی مصنوعات کے درآمد کا مقابلہ کر سکے ۔ اس صورت میں اس امر پر زور دیا جاتا ہے کہ حکومت درآمد پر ایک عارضی محصول لگا دے تاکہ اندرون ملک کے مصنوعات کے مستحکم ہو جانے کا امکان پیدا ہو جائے اور پھر بعد چندے اس محصول کو برطرف کر دے ۔ اس طرح سلطنت کی مداخلت سے جو عارضی مدد ملجائے گی، اس سے قوم کو یہ موقع ملجائے گا کہ وہ حرفتی مقابلہ میں بلند تر درجہ پر پہنچ جائے اور اپنے ملک کے طبعی وسائل سے کام لینے کے زیادہ قابل ہو جائے ۔ امریکہ کے علمائے معاشیات نے اس دلیل کی خاص طور پر تائید کی ہے ۔ اس حرفت "نوزائیدہ" کی دلیل میں کمزور پہلو یہ ہے کہ جن ملکوں میں اس قسم کے محاصل لگائے گئے ہیں وہاں کی زیر بحث حرفتیں اس تحفظی محصول کی جہت سے کبھی بھی طفلانہ حالت سے آگے نہیں بڑھی ہیں اور عملاً یہ ہوا ہے کہ نہ صرف یہ محصول برطرف نہیں کئے گئے بلکہ اور بڑھا دئے گئے ہیں ۔

تحفظی مداخلت کی تائید میں ایک مزید دلیل تجارت آزادانہ کے اصول کی عالمگیر نوعیت کی بنا پر پیدا ہوتی ہے ۔ اگر تجارت آزادانہ کی ایک بین الاقوامی دینا تسلیم کر لی جائے تو اس طریقہ کا اثر یہ پڑے گا کہ جن قوموں کو اچھے مواقع نہیں حاصل ہیں وہ ان قوموں کے مقابلہ میں پست و مفلس ہو جائیں گی جن کو اعلیٰ سے اعلیٰ وسائل اور صنعت و حرفت کے بہترین مواقع حاصل ہیں ۔ رکارڈو کے نظریہ میں پہلے ہی یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ جب قوم کے حالات جن مشاغل کے لئے سب سے زیادہ موزوں

---

[1] جان اسٹوارٹ مل کی تصنیف اصول اقتصادیات Principles of Political Economy) کتاب سوم باب ۱۷ و ۱۸ ۔ دیکھا جائے ۔

ہیں وہ انھیں کاموں کو اختیار کرے گی، اس امکان کو قبول کیا جاتا ہے کہ ایک قوم ہر اعتبار سے دوسری قوم کے مقابلہ میں بدتر حالت میں ہو اور پھر بھی وہ اس کے ساتھ تجارت کو جاری رکھے کیونکہ بہترین حالات والی قوم اس امر کو ترجیح دے گی کہ وہ انھیں مشاغل میں لگی رہے جو اس کے بہترین مفاد کا باعث ہوں، پس فرض کیا جائے کہ پرتگال شراب وغلہ دونوں چیزیں مراکو کی بہ نسبت کم محنت میں پیدا کر سکتا ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی فرض کیا جائے کہ غلہ کے پیدا کرنے کی سہولت فائقہ بہت ہی خفیف ہے اور شراب کے تیار کرنے میں بہت آسانی ہے تو اس صورت میں پرتگال کے لوگ اسی امر کو ترجیح دیں گے کہ اپنے لئے غلہ مراکو سے حاصل کریں اگرچہ وہاں اس کے پیدا کرنے میں پرتگال کی بہ نسبت زیادہ محنت وتکلیف برداشت کرنا پڑے گی، یہ محض اس وجہ سے کہ اس غلہ کے عوض میں جو مقدار شراب کی انھیں دینا پڑے گی وہ اور بھی کم محنت میں تیار ہو جائیگی۔ اس بنا پر قدیم علمائے اقتصادیات نے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ جس حالت میں ایک قوم کے وسائل دوسری قوم سے ہر اعتبار سے فائق ہوں، اس حالت میں بھی دونوں قوموں میں باہمی انفع کے ساتھ تجارت قائم رہ سکتی ہے، لیکن اس دلیل میں یہ امر مسلمہ طور پر فرض کر لیا جاتا ہے کہ ہر ملک کا سرمایہ و محنت اس ملک کے حدود کے اندر ہی محدود رہے گا اور زیادہ موزوں ملک کی طرف منتقل نہ ہو جائے گا، لیکن یہ کیوں نہ فرض کیا جائے کہ آزادانہ آمد ورفت اور کھلے بازاروں کے ہوتے ہوئے کم مفاد والی قوموں کا سرمایہ اور اس سے زیادہ اہم یہ ہے کہ اُن کے مزدور، ان مقامات کو منتقل ہو جائیں گے، جو صنعتی کاموں کے لئے زیادہ موزوں ہوں گے۔ یہ بھی ملحوظ رہنا چاہئے کہ غریب تر ملکوں کا مفروضہ انجراد خود تجارت آزادانہ کے اصول کے مخالف نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ آدمیوں اور سرمایہ کے اس طرح منتقل ہونے سے دنیا کی پیداوار کی مجموعی میزان بڑھ جائے گی اور بنی نوع انسان کی عام قوت پیداوار میں کسی قدر اضافہ بھی ہو جائیگا

مگر اس کے ساتھ یہ بھی یقینی ہے کہ جس ملک سے سرمایہ اور آدمی نکل جائیں گے اس کی مجموعی پیداوار میں اضافہ نہیں ہوگا۔ پس اب سوال یہ ہے کہ آیا اندرون ملک کی صنعت کے لئے تحفظی محصول قائم کرنے سے غریب تر ملکوں سے لوگوں کا نکل کر زیادہ دولتمند ملکوں میں جانا رک جائے گا یا نہیں۔ یہ بحث کیجا سکتی ہے کہ اس قسم کے محصول عائد کرنے کے بعد بھی سرمایہ داروں اور مزدوروں کو انفرادی طور پر اس میں زیادہ نفع نظر آئے گا کہ وہ اپنے سرمایہ اور اپنی محنت سے زیادہ موزوں ملک میں کام لیں اور ان دونوں اشیا (سرمایہ و مزدوری) کے انتقال مکانی کا میلان تحفظی مداخلت سے بالکل آزادانہ حیثیت رکھتا ہے۔ بایں ہمہ ہر ملک میں بہت سے ایسے لوگ محض دلچسپی و حب وطن کے خیالی وجوہ سے رہجائیں گے، بہت سے لوگ اس طرح سے رہجائیں گے کہ ان کے مادّی وسائل پہلے ہی سے بہت کافی ہیں تحفظی طریق کے دوران میں یہ لوگ جس قدر تیار کی ہوئی چیزیں استعمال کریں گے وہ لامحالہ اندرون ملک ہی میں تیار ہونگی اور اس کے نتیجہ یہ لازمی ہوگا کہ خود سلطنت کے اندر اہل صنعت کی کافی تعداد موجود رہے۔ ان کلیات کے بموجب اس قسم کے صنعتی کام اقتصادی نقصان کے ساتھ جاری رہیں گے۔ صاحب ثروت اشخاص جو ملک میں رہیں گے ان کو اپنے صرف کی چیزوں کی قیمت اس صورت میں اس سے زیادہ دینا پڑے گی کہ وہ بیرون ملک کی درآمد پر قناعت کرتے اور اپنے وہاں کی کاروباری آبادی کو ملک سے باہر چلے جانے دیتے مگر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سلطنت کے اندر اس سے زیادہ اشخاص رہجائیں گے جو اس صورت میں رہتے کہ سلطنت کی طرف سے تحفظی محصول لگا کر مداخلت نہ کیجاتی، بہر نوع یہ ظاہر ہے کہ ایسی دلیل کی موزونیت کا انحصار کسی خاص ملک کی خاص وقت کی حالت سے تعلق رکھتا ہے۔ برطانیہ عظمیٰ کی اس وقت کی صورت حال سے بالطبع یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اس باب میں اس کے حالات کو جانچنا چاہئے۔ یہ امر بعید از قیاس نہیں ہے کہ فی الحال برطانیہ عظمیٰ کی زرعی و صنعتی

دونوں سہولتیں ممالک متحدہ امریکہ سے کمتر درجہ پر ہیں۔ قوت متحرکہ کے لئے آبی و برقی طاقت سے کام لینے کے رواج کے یوماً فیوماً ترقی کرتے جانے سے آئندہ اس فوقیت کے اور بڑھجانے کا خیال ہوسکتا ہے۔ پس رکارڈو کے اصول مسلمہ کے موافق (اگر ہر شخص اپنے ہی نفع کا خیال کرے تو) ان حالات میں انگلستان کے مزدوری پیشہ جماعت کے لوگوں کو چاہیئے کہ وہ ممالک متحدہ میں آکر بود و باش اختیار کرلیں۔ انگلستان میں صاحب ثروت اشخاص باقی رہجائیں گے اور وہ اپنا سرمایہ امریکہ کے صنعتی کاروبار میں لگادیں گے اور اپنی ضروریات کی مختلف چیزیں اسی برّاعظم سے حاصل کریں گے۔ یہ صورت محض ایک فرضی صورت ہے اور ممکن ہے کہ موجودہ حالات سے بالکل ہی مختلف و مغائر واقع ہو لیکن خالص علمی نقطۂ نظر سے اتنا تو ظاہر ہوجاتا ہے کہ آزادانہ تجارت کے طریقہ کے لئے یہ لابد نہیں کہ وہ قومی عظمت و رفعت سے بھی تطابق رکھتا ہو۔ مذکورۂ بالا امر کو تسلیم کرنا اور اس کے ساتھ ہی اس دعویٰ پر بھی قائم رہنا کہ یہ طریقہ دنیا کی بہبود عام کے لئے ہمیشہ موافق ہی ہوتا ہے خواہ ایک خاص قوم کے لئے مضر کیوں نہ ہو، ایک ایسی دلیل ہے جسے بہت سے لوگ بالکل ناکافی خیال کریں گے۔

۳۔ جدید تحفظی محصول:۔ ان عام امور پر لحاظ کرکے جو اوپر بیان ہوئے ہیں، زمانۂ حال کے تقریباً تمام صنعتی ممالک نے اپنے ملکی مصنوعات کو ترقی دینے کے لئے تحفظی محصولوں کے طریقہ کا جاری کرنا مناسب خیال کیا ہے۔ درحقیقت ممالک متحدہ امریکہ میں تو موجودہ نظام سلطنت کے دور کے شروع ہوتے ہی اسے ایک معقول شکل میں اختیار کرلیا گیا تھا۔[1] انیسویں صدی کے نصف اول میں تجارت آزادانہ و تجارتِ حفاظتی کے

---

[1] شولر کی تاریخ ممالک متحدہ امریکہ (History of the United States) جلد اول اور ٹاسگ کی "ممالک متحدہ امریکہ کے محاصل درآمد و برآمد کی تاریخ"۔

حریف یکدیگر نظریات ایک دوسرے پر غالب آنے کے لئے جدّ و جہد کرتے رہے ہیں۔ ۱۸۲۸ء میں سخت محصول درآمد کے بعد (جسے "قابل نفرت محصول" کہا گیا ہے) ۱۸۴۶ء میں بہت تخفیف شدہ محصول جاری ہوا، یہ کارروائی بڑی حد تک اس زمانہ میں انگلستان کے اندر آزادانہ تجارت کے زور شور کے اثر کا نتیجہ تھی۔ اس کے بعد ۱۸۵۴ء میں کناڈا سے مراعات باہمی کا معاہدہ ہو جانے سے بھی محصول میں مزید تخفیف عمل میں آئی، لیکن خانہ جنگی کے بعد سے قومی حرفتوں کی حفاظت کے طریق کو تقویت حاصل ہو گئی ہے اور عملاً ہر قسم کی صنعت و حرفت پر اس کا اثر وسیع ہو گیا ہے۔ ۱۸۹۷ء میں ڈنگلی کے جاری کردہ محاصل درآمد میں صنعتی ضروریات کے لئے خام پیداوار کی بہت سی چیزیں اگرچہ محصول سے بری کر دی گئی ہیں مگر تیار شدہ اشیا پر جو محصول لگایا گیا وہ بعض صورتوں میں پچاس فیصدی سے متجاوز ہو گیا۔ درحقیقت ۱۸۹۰ء اور ۱۹۰۰ء کے درمیانی زمانہ کی نسبت یہ سمجھنا چاہیئے کہ اس دور میں افادۂ عملی کی نظر سے نہیں بلکہ اصول کی نظر سے ممالک متحدہ کے اندر تحفظی طریقہ مقبول ہو گیا تھا۔ محصول درآمد و برآمد کی بعد کی ترمیمات میں اگرچہ مختلف محاصل میں کمی ہوئی اور کچھ محصول ساقط کئے گئے مگر اس اصول پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ کناڈا اگرچہ برطانیہ عظمیٰ کے لئے خاص طور پر محصول درآمد میں ایک تہائی کی تخفیف کر دیتا ہے مگر محصول درآمد کے لحاظ سے وہ اس وقت بہت بلند معیار پر پہنچا ہوا ہے۔ اس تحفظی حکمت عملی کو ۱۸۷۵ء میں کنسرویٹو (مستحفظ) فریق نے قطعی طور پر اختیار کیا اور ۱۸۹۶ء میں اپنے مخالفوں کے برسر حکومت ہونے پر انھیں وراثت میں دیتے گئے۔ شہنشاہی جرمنی نے بھی ۱۸۷۹ء کے محصول درآمد کے وقت سے تحفظی حکمت عملی اختیار کر لی اور بالخصوص[1] ۱۹۰۲ء کی شرح محصول نے موجود الوقت محصولوں کو بہت زیادہ بڑھا دیا جس میں زرعی پیداوار بھی

---

[1] دیکھو۔ ایچ ڈاسن کی تصنیف جرمنی میں طریق تحفظی (Protection in Germany)

شامل ہیں۔ فرانس، اطالیہ اور براعظم کی دوسری سلطنتوں نے بھی تحفظی محصول کا طریقہ اختیار کر لیا ہے۔ دنیا کے صنعتی ملکوں میں صرف برطانیہ عظمیٰ ہی ایک ملک ہے جو آزادانہ تجارت کے اصول پر قائم ہے لیکن وہاں بھی اس طریق کے آئندہ قائم رہنے کے متعلق سخت اختلاف رائے پیدا ہو گیا ہے۔

۴۔ مقابلتی قیمتوں میں مداخلت، ٹرسٹ اور ریلوں کے متعلق توضیع قوانین:۔ زمانۂ سابق کی فطری آزادی کے حاوی و غالب نظریہ کے علی الرغم درآمد مال کی آزادی میں مداخلت کرنا، اس زمانہ کی قانون سازی کے میلان کی صرف ایک مثال ہے۔ ہم ابھی ابھی دیکھ چکے ہیں کہ اس طریق (فطری آزادی) کے موافق یہ امر مناسب سمجھا گیا تھا کہ قیمتوں کے تعین کے معاملہ کو بائع و مشتری کے باہم طے کرنے کے لئے آزاد چھوڑ دینا چاہیئے۔ یہ فرض کر لیا گیا تھا کہ اس غیر مشروط مقابلہ کے تحت اقتدار میں ہر شئے کی قیمت اس کے تیار کرنے کے مصارف کے اندازے سے قائم ہو جائے گی۔ زیادہ سے زیادہ اقتصادی خوبی کے حاصل کرنے اور عدل معاشری کے اقتضا کو پورا کرنے کے لئے یہ ضروری معلوم ہوا کہ خرید و فروخت میں لوگوں کو بالکل بحال خود چھوڑ دیا جائے تاکہ جس طرح ان کے دل میں آئے آپس میں قیمتوں کا تصفیہ کریں، مگر اس کا اصل راز یہ تھا کہ اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرض کر لیا گیا تھا کہ متعدد اشخاص جو ایک ہی شئے تیار کرتے ہیں ان میں سخت مقابلہ رہیگا، لیکن اگر ہم یہ فرض کریں کہ کسی شئے کا تمام ذخیرہ ایک ہی فروخت کنندہ کے ہاتھ میں آ گیا ہے، بالفاظ دیگر اسی کو یوں کہ سکتے ہیں کہ فروخت کرنے والوں کی ایک جماعت کے ہاتھ میں آ گیا ہے جو بالاتفاق کام کرتی ہے تو یہ صورت بالکل بدل جاتی ہے۔ جس صورت میں تمام قابل حصول ذخیرے پر ایک ہی شخص واحد کا قبضہ ہو وہاں فی نفسہٖ اس خیال کی کوئی وجہ نہیں کہ کیوں وہ اس شئے کو اس قیمت پر فروخت کرے

جو اس کے تیار کرنے کے مصارف کے قریب قریب ہو اور کیوں کسی اور قیمت پر نہ فروخت کرے۔ وہ بالکل آزاد ہے کہ جو قیمت چاہے طلب کرے، اسے صرف اتنا خیال کرنا ہے کہ اتنی زیادہ قیمت نہ مانگے کہ اس قیمت پر کوئی شخص اس شئے کے خرید کرنے پر آمادہ نہ ہو۔ جب ہم اس تحققات کی حد پر پہنچتے ہیں کہ اس صورت میں قیمتوں کا تعین کس طرح ہونا چاہئے تو ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ اجارے کی قیمتوں کا قانون اس سے بالکل مختلف ہے جو آزادانہ مقابلہ کی قیمتوں پر عائد ہوتا ہے[۱]۔ اجاراتی قیمت کس طرح مشخص ہوتی ہے، اس کی تشریح بطریق ذیل ہو سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ بائع تیاری کے مصارف سے کم قیمت میں فروخت نہیں کر سکتا کیونکہ اس کو قطعی نقصان ہوتا ہے، اس لئے اسے کسی ایسی قیمت پر فروخت کرنا پڑے گا جو تیاری کے مصارف سے کچھ زیادہ ہو لیکن یہ ظاہر ہے کہ جس قدر قیمت کم ہوگی اسی قدر فروخت شدہ اشیا کی تعداد زیادہ ہوگی، پس اس کے نفع کی مجموعی مقدار دو امور پر مبنی ہوگی، فروخت کی مجموعی تعداد اور ہر فروخت شدہ شئے کے نفع کی مقدار قیمت جس قدر بڑھتی جائے گی اسی قدر خریداروں کی تعداد گھٹتی جائے گی لیکن بظن غالب ان دونوں میں بندھا ہوا تناسب نہیں ہوگا بلکہ ایک غیر منتظم و بے اندازہ طور پر کمی بیشی ہوتی رہے گی۔ زیادتی قیمت کے نرخ میں ایک حد زیادہ سے زیادہ نفع کی آجائے گی جہاں پہنچ کر تعداد فروخت کا ماحصل فروخت شدہ اشیا کے نفع سے ضرب کھا کر اس حد کو پہنچ جائے گا کہ اس سے زیادہ بڑھنا ممکن نہ ہوگا۔ یہ حد بعض صورتوں میں مصارف پیداوار سے بہت ہی زیادہ ہو جائیگی مثلاً روئی، شکر، تیل وغیرہ کی سی ضروریات زندگی کی چیزوں کے تمام قابل حصول ذخیرے کا کسی ایک شخص کو کامل اجارہ ملجائے تو وہ اصلی

---

[۱] اجارے کی قیمتوں کے متعلق آر۔ ٹی۔ ایلی کی تصنیف اجارات اور ٹرسٹ (Monopolies and Trusts) دیکھنا چاہئے۔

مصارف پیداوار سے بہت ہی زیادہ قیمت وصول کر سکتا ہے۔

انیسویں صدی کے اوائل کے اقتصادی حالات کے دور میں ان چیزوں کا جو معمولی طور پر تیار ہوتی تھیں زیادہ وسعت کے ساتھ اجارے کے طور پر کسی ایک ہی شخص کے ہاتھ میں آجانا مستبعد تھا، ان حالات میں قیمت کا جو قانون عائد ہوتا ہے اس کی نسبت اگرچہ اس زمانہ کے علمائے اقتصادیات کو اندیشہ پیدا ہو گیا تھا مگر اس وقت تک اس نے کوئی خاص اہمیت نہیں حاصل کی تھی اور نہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ سرکاری طرز عمل پر اس کا کوئی فوری اثر پڑنے والا ہے، لیکن اب ہمارے زمانہ میں پیداوار کی معمولی چیزوں کے بھی اجارتی صورت میں آجانے کا امکان حرفتی صورت معاملات کا ایک اہم جزو بن گیا ہے۔ اس صورت کے پیدا ہونے میں مختلف اسباب نے عمل کیا ہے۔ کلوں سے کام لینے کی روز افزوں ترقی حرفتی کاموں کے ابتدائی اجزا کے اخراجات کو برابر بڑھاتی جاتی ہے، مشترک ذخیرہ (Joint Stock) کے ساتھ کام کرنے کے اصول کے ارتقا نے اس امر کو ممکن کر دیا ہے کہ بہت ہی بڑے پیمانہ پر پیداوار کا کام انجام دیا جائے اور اس کا نتیجہ یہ ہو کہ ہر تیار شدہ شئے کا خرچ بہت بڑی حد تک گھٹ جائے، اس سے چھوٹے چھوٹے کام کرنے والوں کے لئے بہت ہی دشوار ہو گیا ہے کہ وہ بڑی بڑی حرفتی انجمنوں کا مقابلہ کر سکیں اور اسی سے حرفتی دنیا میں یہ میلان پیدا ہو گیا ہے کہ ایک ہی قسم کے تمام کاروبار کو عام انتظام کے تحت میں مجتمع و متفق کر لیا جائے۔ جب یہ انضمام اس حد کو پہنچ جائے کہ کسی خاص قسم کی چیزوں کی تمام پیداوار پر حاوی ہو جائے یا کم از کم اس پر غالب آجائے تو پھر قیمتوں کا مقابلہ سے قائم ہونے کا اصول عائد نہیں ہوتا اور اجاراتی قیمت کا قانون اپنا عمل کرنے لگتا ہے۔ اس صورت حال کو روکنے کے لئے ازمنۂ جدیدہ کی حکومتوں نے اسے مناسب سمجھا ہے کہ بعض صورتوں میں وہ اپنے قانونی اختیار سے کام لیں۔ یہ صورت

خصوصیت کے ساتھ ممالک متحدہ امریکہ میں پیش آئی ہے جہاں حرفتی انضمام و اتفاق کا عملدرآمد نہایت تیزی کے ساتھ ہوا ہے اور نہایت ہی سخت اندیشہ عام پیدا ہو گیا ہے۔ سنہ ۱۸۹۰ع کی متفقی حکومت نے ٹرسٹ کے خلاف ایک قانون نافذ کیا ہے (جو قانون شرمین کے نام سے مشہور ہے) اس میں متفقیت کے مختلف ممالک کے درمیان تجارت کے کسی طرح روکنے کے لئے کوئی معاہدہ یا اتفاق قائم کرنے کو ناجائز قرار دیا ہے اور ان مختلف ریاستوں کے درمیان تجارت کے کسی جزو پر اجارتی قبضہ کرنے کو بھی ممنوع ٹھیرایا ہے۔ عدالتوں نے اس قانون کی جو تاویل کی ہے اس سے اس قانون میں اور تقویت مزید پیدا ہو گئی ہے۔ سنہ ۱۸۹۷ع میں ریاستوں کی باہمی تجارت کے معاملہ میں ریلوں کے آپس کے معاہدات کے متعلق اس کا اطلاق ہوا۔ سنہ ۱۹۰۴ع میں (دستاویزات شمالی کے مقدمہ میں) انضمام شخصیہ کی بعض شکلوں کے امتناع کے متعلق اور سنہ ۱۹۰۰ع میں اتحاد مزدوراں کے حکم دادہ مقاطعہ کے بابت اس کا عملدرآمد ہوا[۱]۔ ممالک متحدہ کی ریاستوں میں سے اکثر ریاستوں نے ٹرسٹ کے خلاف قانون نافذ کر دیا ہے۔ کہیں یہ قوانین نظام سلطنت میں داخل ہو گئے ہیں کہیں عام ضابطہ کی صورت میں ہیں، لیکن اس قسم کے قوانین کا ایک بڑا حصہ عدالتوں میں ناجائز قرار دیا گیا ہے، یا مختلف قسم کے لطائف الحیل سے اسے بیکار بنا دیا ہے[۲]۔

قیمتوں کے متعلق جدید سلطنتوں کی مداخلت کی ایک خاص صورت ریلوں کے شرح کرایہ سے متعلقہ قوانین میں نظر آتی ہے۔ یہ کرائے درحقیقت قیمت ہی ہیں جو آدمیوں اور اسباب کے پہنچانے کے لئے وصول کئے جاتے ہیں۔

---

[۱] ایوریٹ کمبل کی تصنیف ”ممالک متحدہ امریکہ کی قومی حکومت“ (The National Government of the United States) صفحات ۵۰۵-۵۱۰ دیکھنا چاہیئے۔

[۲] ٹرسٹ کے خلاف قوانین کے لئے ممالک متحدہ امریکہ کی حرفتی کمیشن کی رپورٹ جلد دوم Report of the U. S, Industrial Commission دیکھنا چاہیئے۔

لیکن بادنیٰ تامل یہ واضح ہو جائے گا کہ ریلوں کی شرح اور بہت سی قیمتوں سے ایک نہایت ہی خاص طریق پر مختلف ہے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ معمولی چیزوں کی تیاری اگر آزادانہ مقابلہ کے تحت میں ہو تو ان کی فروخت کی قیمت بالاوسط ان کے مصارف تیاری کے قریب ہی قریب ہوگی، یہاں تک کہ اگر ایک ہی فروخت کنندہ کو اجارہ بھی ملجائے تو بھی اسے مصارف تیاری سے کم قیمت پر فروخت کرنے سے کچھ حاصل نہیں۔ لیکن مسافروں کے اور اسباب کے کسی خاص مقام تک پہنچانے میں ریلیں جو خدمت انجام دیتی ہیں وہ ”مصارف پیداوار“ کے لحاظ سے ایک بالکل ہی جداگانہ نوعیت رکھتی ہے اور اس کے لئے جو قیمت طلب کیجاتی ہے ان دونوں میں بہت ہی مختلف نسبت ہے۔ سب سے پہلے تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کسی ایک شئے کے کسی جگہ پر منتقل کرنے کے لئے بہت ہی کم بلکہ تقریباً کچھ بھی خرچ نہیں کرنا پڑتا۔ فرض کیجئے کہ ایک ریل دو اسٹیشنوں کے درمیان جن کا فاصلہ دس میل ہے آتی جاتی ہے تو اس پر آٹے کے ایک بورے کے بھیج دینے کا خرچ (یعنے وہ زائد خرچ جو حقیقۃً اس خاص بار کی وجہ سے عائد ہوگا) صرف اس کے اٹھانے اور رکھنے کی دو تین منٹ کی مزدوری ہے اور اس زائد وزن کی وجہ سے گاڑی چلانے میں جو مزید کوئلہ خرچ ہوگا وہ اتنی خفیف مقدار میں ہوگا کہ اس کا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے۔ دوسرے یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ دس میل اور سو میل کے فاصلہ کا خرچ عملی طور پر ایک ہوگا کیونکہ چیز کے اٹھانے رکھنے کا خرچ تو ایک ہی ہوگا، رہے دوسرے اخراجات سو وہ بے انتہا خفیف ہیں، لیکن ایک خرچ خود گاڑی کے چلانے کا ہے (جس میں کوئلہ، مزدوری وغیرہ داخل ہیں) یہ امر صاف ظاہر ہے کہ مسافروں اور اسباب کے پہنچانے کے لئے جو قیمت لیجاتی ہے، اس سے اس خرچ کو پورا ہونا چاہئے ورنہ گاڑی کے چلانے میں نقصان ہوگا۔ مگر (خواہش طبعی، معدلت وغیرہ خیالات سے علٰحدہ ہوکر محض اقتصادی حیثیت سے) کوئی وجہ

اس کی نہیں ہے کہ یہ محصول مختلف اسباب پر ایک ہی تناسب سے کیوں لگایا جائے، مثلاً فرض کیجیے کہ روئی کی تجارت ایسی حالت میں ہے کہ ریلیں اگر زیادہ محصول بھی لگائیں جب بھی روئی کی روانگی ضرور ہوگی، اور آٹے کا بازار ایسا ہے کہ نہایت ہی کم شرح اگر نہ رکھی جائے تو اس کی روانگی بالکل رک جائے گی، تو صاف ظاہر ہے کہ ریلوں کے لئے یہی مفید ہے کہ وہ ایک شئے پر زیادہ محصول لگائیں اور دوسری پر کم، بالفاظ دیگر یہ کہ ان شرحوں میں سے ہر ایک، ایک طور پر اجارتی قیمت ہوگی، قیمت کا حصر صرف اس پر ہوگا کہ کس حد پر پہنچ کر روانگی مال کی تعداد گھٹنے لگتی ہے، اس خاص گاڑی کے چلانے کے اخراجات کے علاوہ اور مستقل ودائمی اخراجات بھی برداشت کرنا ہیں یعنی ابتداً ریلوں کے بنانے میں جو صرف ہوا اس کا سود اور ریل کی سڑک اور اسٹیشن کے درست رکھنے کے مصارف وغیرہ۔ لیکن اس کی کوئی وجہ نہیں کہ یہ اخراجات تمام چلنے والی گاڑیوں اور تمام کاموں پر ایک ہی تناسب سے اور مساوی طور پر عائد کئے جائیں، بیشک ہر ایک گاڑی اور ہر ایک مال کو وہ خرچ دینا چاہیے جو اس کی وجہ سے براہ راست عائد ہوتا ہے، لیکن اس طرح کی بہت ہی پست شرح کے بعد ہر حال میں مناسب یہی ہے کہ جہاں زیادہ نہ مل سکے تو تھوڑے معاوضہ پر کام کو جاری رکھا جائے۔ اس لئے ریلوں کی شرح کے عملی طور پر متعین کرنے میں یہ امر بالکل خارج از بحث ہے کہ مجموعی مصارف کو تناسب کے ساتھ سب پر عائد کیا جائے۔ ہر ایک خدمت کی قیمت وہ ہوگی "جس سے روانگی کا کام چل سکے"، نہ یہ کہ اس روانگی میں جو کچھ خرچ ہوا ہو۔

پس نتیجہ یہ ہوگا کہ ریلیں جو مختلف محصول لگائیں گی وہ صاف وصریحی طور پر مصارف کے تناسب سے مختلف ہوگا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کسی خاص شئے کو زیادہ دور لیجانے کی بہ نسبت تھوڑی دور لیجانے کے لئے زیادہ محصول لگایا جائے، اگرچہ پہلی نظر میں یہ امر قیاس وعدل دونوں کے خلاف معلوم ہوتا ہے مگر وہ ان اصولوں کے بالکل موافق ہے جنھیں ہم نے ابھی ابھی

م کیا ہے، کہ مال کے پانچسو میل تک لیجانے کے لئے کسی ریلوے کو اپنی
لف مقابلہ کرنے والی ریلوں سے یا بحری راستہ سے مقابلہ پڑے اور
ے مال پر وہ بہت ہی پست شرح قبول کرلے، لیکن اس کے ساتھ ہی بہت
ن ہے کہ اس پانچسو میل سے سو میل میں نہ کسی دوسری ریل کا مقابلہ ہو
نہ دریا کی طرف سے آمد و رفت ممکن ہو، پس اس حصہ پر جو شہر واقع ہونگے
س "محصول کو برداشت کریں گے" وہ بنظر غالب اس سے زیادہ ہونگے
رسے پانچسو میل کی مسافت کے لئے زیادہ سے زیادہ عائد کئے جائیں گے۔[1]

ریلوں کے اقتصادی حالات میں ایک اور مزید خصوصیت یہ ہے کہ
یں پر زور و دیر پا مقابلہ کا عملدر آمد ناممکن ہے۔ جب سخت مقابلہ
ورت پیش آجاتی ہے تو ریلوں کا میلان یہ ہوتا ہے کہ شرح کرایہ اس
ے گھٹا دیں کہ اس سے فرداً فرداً گاڑی کے چلانے کا واقعی خرچ تو
ئے مگر مستقل سود اور ریل کے عملہ کے خرچ کا لحاظ نہ کیا جائے۔ اس
ت حالات میں ایک مفلس ریلوے (خاص کر جس کی سود کی رقمیں پہلے ہی
بقایا میں پڑی ہوئی ہوں، یا اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ وہ سزاول کے
ن ہو، ایک اچھی حالت کی ریلوے کی بہ نسبت زیادہ سخت رقیب
ہوتی ہے کیونکہ وہ لااوبالیانہ طور پر مہلک حد تک اپنی شرح کو گھٹا سکتی ہے۔
لاً ریلوں کو ہمیشہ مجبور ہونا پڑتا ہے کہ وہ اپنی شرحوں کے متعلق علانیہ یا
ر پر باہم اتفاق کرلیں۔ عام قوم کے نقطۂ نظر سے اس قسم کی معاملت
چھ اسی بات کے مشابہ معلوم ہوتی ہے کہ ریلوں نے اپنے نفع کی خاطر قوم کی
سے روپیہ کھینچنے پر باہم اتفاق کرلیا ہے۔

پس اس طرح پر حرفتی دنیا میں ریلوں کو جو ممتاز حیثیت حاصل ہے اس نے زمانہ جدید کی
موں کو اس امر پر مائل کردیا ہے کہ وہ انھیں خاص قواعد کے تابع کریں اور ان کے

س کی شرحوں کے اصول کے متعلق جانسن کی تصنیف "امریکی ریلوں کی نقل و حرکت"
American Railway Transportat) سنہ ۱۹۰۳ء دیکھنا چاہیئے۔

اب میں عدم مداخلت کے اصول کو کلیتہً ترک کردیں۔ بعض صورتوں میں جیسا
لہ پرشیا، آسٹریا، ہنگری اور دولت عامہ آسٹریلیا کی ریاستوں وغیرہ میں
ہے سلطنتیں خود ریلوں کی مالک ہو گئی ہیں اور اس کا کل کام انھیں کے
ہاتھ میں ہے۔ فرانس میں شخصی کمپنیوں کو ایک محدود زمانہ کے لئے فرمان دئے
جاتے ہیں اس زمانہ کے گزر جانے کے بعد ریلیں سلطنت کی ملک ہو جاتی ہیں۔
اس ملک کی بڑی بڑی ریلیں (یعنی ۲۵۵۰۰ میل کے مجموعہ میں سے
۲۰۵۰۰ میل) سنہ ۱۹۵۰ء و سنہ ۱۹۶۰ء کے درمیان قومی ملک ہو جائیں گی۔ لیکن
ریلیں جب تک شخصی ہاتھوں میں ہیں اس وقت تک بھی سلطنت سے
ان کا عام تعلق معمولی کاروباری مشاغل سے مختلف ہے۔ ابتدائی مستقل
مصارف کا ایک بہت بڑا حصہ فرانسیسی حکومت نے ادا کیا تھا۔ حکومت
نے ایک معینہ شرح نفع کی ادائی کی بھی ذمہ داری کی تھی۔ اس کے معاوضہ
میں شرح کرایہ خود حکومت مقرر کرتی ہے اور ڈاک، فوج، قیدیوں وغیرہ کی
نقل و حرکت مفت ہوتی ہے، ممالک متحدہ میں ریلیں اگرچہ شخصی ہاتھوں میں
چھوڑ دی گئی ہیں، مگر متفقی اور ریاستی حکومتوں کی جانب سے ان پر خاص
قانونی نگرانی ہوتی ہے۔ سنہ ۱۸۸۷ء کے بین الریاستی قانون تجارت میں
ایک دفعہ یہ رکھی گئی ہے کہ مختلف ریاستوں کے درمیان تجارت پر جو
محصول لگائے جائیں ان میں کوئی ریلوے کمپنی ناواجب طور پر خاص
اشخاص یا خاص مقامات کے لئے کوئی رعایت نہ رکھے۔ اسی قانون
میں ریلوں کے لئے یہ بھی ممنوع قرار دیا گیا ہے کہ ایک ہی لائن پر زیادہ
فاصلہ کی بہ نسبت کم فاصلہ کے لئے زیادہ محصول لیا جائے اور ریلوں
کی آمدنی آپس میں ملا کر تقسیم کرنے کو بھی ناجائز قرار دیا ہے۔ اسی قانون
میں یہ بھی قرار دیا ہے کہ پانچ ارکان کا ایک کمیشن ریاستوں کے باہمی
تجارتی تعلقات کے لئے قائم کیا جائے اور ارکان کا تقرر رئیس جمہوریہ
ممالک متحدہ کے ہاتھ میں ہو۔ اس جماعت کا فرض یہ ہے کہ وہ اس
قانون کے نفاذ و عملدرآمد کی نگرانی کرے مگر اسے یہ اختیار نہیں حاصل ہے کہ

ں کے شرائط کی خلاف ورزی پر بطور خود کوئی سزا دے سکے یا اپنے طور پر
ح کرایہ مقرر کر سکے۔ ؁۱۹۰۶ء کے ایک قانون نے کمیشن کو شرحوں کے
رر کرنے کا بھی اختیار دے دیا ہے۔ ٹرسٹ کے خلاف ؁۱۸۹۰ء والے
ی قانون کے دفعات ریلوں کے اتفاق باہمی کی ان مختلف صورتوں
خلاف بھی عائد کئے گئے ہیں جن سے یہ خیال ہوتا تھا کہ مختلف
ستوں کے درمیان تجارت میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ اس قومی
قانون کے علاوہ بہت سی ریاستوں نے بھی ایسے قوانین نافذ
ہیں جو محصول مال اور مسافروں کی شرح کرایہ میں امتیازات کے
لنے والے اور نامناسب اتفاق باہمی میں مانع ہیں۔ بیشتر ریاستوں
یلوں کے کمیشن بھی قائم ہو گئے ہیں، بعض جگہوں پر تو ان کے فرائض
مشورہ دینے اور شمار و اعداد کے جمع کرنے تک محدود ہیں، بعض
ں میں انھیں شرح کرایہ کے مقرر کرنے اور ان کو عمل میں لانے کے
ری اختیارات بھی حاصل ہیں[1]۔ جنگ کے زمانہ میں ممالک متحدہ کی ریلیں
ست حکومت کے زیر انتظام لے لی گئی تھیں۔ سلطنت متحدہ برطانیہ میں بھی
ں کے کاموں کی نگرانی کے لئے ایک کمیشن مقرر ہے جو ؁۱۸۷۳ء میں قائم
ا اور ؁۱۸۸۸ء میں قانون پارلیمنٹ کی رو سے مستقل کر دیا گیا۔ ہر ایک
ے کا انتہائی شرح کرایہ بورڈ آف ٹریڈ (مجلس تجارت) کی منظوری کے
ہے۔ متعدد ریلوں کی آمدنیوں کو یکجا کر کے تقسیم کرنے کی ممانعت نہیں
ر امتیاز قائم کرنا قانون کے خلاف ہے۔ بزمان جنگ ریلوں کا حکومت
نظام میں آ جانا انھیں اصولوں پر مبنی تھا جو ممالک متحدہ امریکہ میں اختیار
لئے تھے۔

۵۔ کام کرنے والے طبقہ کی طرف سے حکومت کی مداخلت۔

متحدہ کی عدالت عالیہ نے یہ طے کر دیا ہے کہ اس قسم کا اختیار یعنے خود کمیشن کا شرح
ل کا مقرر کرنا" عدالتوں کی نظر ثانی کے تابع ہونا چاہیے۔

کارخانہ کے قوانین۔ سرکاری بیمہ و وظائف:۔ زمانۂ جدید کی حکومتوں کا طریقہ متعدد اعتبار سے اب غیر مشروط انفرادیت کا نہیں رہا ہے۔ معاشرتی استحکام اور قوم کے مزدوری پیشہ و غریب تر افراد کے متعلق مجموعی معاشری فرائض کا خیال عام طور پر مسلم سمجھا جانے لگا ہے اور ہمارے زمانہ کے وضع قانون پر اس کا زبردست و نمایاں اثر پڑا ہے۔ انگلستان میں کارخانوں کے متعلق جو ابتدائی قوانین نافذ ہوئے تھے (جن کا حوالہ پہلے دیا جا چکا ہے) ان کی تقلید تمام بڑے بڑے حرفتی ملکوں میں ہو چکی ہے اور بہت شرح و بسط سے ان کا مجموعۂ ضوابط مرتب ہو گیا ہے جس کا مقصود یہ ہے کہ مزدوری کرنے والوں کو بے روک ٹوک مقابلہ کی سختی سے محفوظ رکھا جائے۔

ممالک متحدہ امریکہ میں اس قسم کی قانون سازی کا تعلق ریاستوں سے ہے نہ کہ متفقیت سے۔ اس اتحاد میں اب بھی بہت سی ریاستیں ایسی ہیں جن میں کارخانہ وار حرفت نے بہت ہی کم نشو و نما حاصل کی ہے اور وہاں تحفظی قوانین نافذ نہیں ہوئے ہیں۔ لیکن میساچوسٹس، نیویارک، پنسلوینیا، اوہایو، انڈیانا، الینائس اور تمام بڑی بڑی صنعتی ریاستوں میں کارخانوں کے متعلق نہایت حاوی و وسیع الاثر قوانین تیار کئے گئے ہیں۔ اور اب کم و بیش تمام ملک میں ان کی مثال کی تقلید کیجا رہی ہے۔ ان ریاستوں کے قوانین کارخانہ، اس امر کو ممنوع قرار دیتے ہیں کہ کام کرنے والوں سے ایسی حالتوں میں کام لیا جائے جو صحت و زندگی کے لئے مہلک ہو۔ ان میں آگ سے بچنے، آتش گیر مادوں کے اڑ جانے کو روکنے، کلوں کے گرد احاطہ بنانے، ہوا کی آمد و رفت وغیرہ کے متعلق دفعات موجود ہیں اور یہ بھی انتظام ہے کہ ان قوانین کے عملدرآمد کی نگرانی کے لئے انسپکٹر (ناظر) مقرر کئے جائیں۔ عورتوں اور نوعمر لڑکوں کے لئے کام کا وقت بھی قانوناً معین کر دیا گیا ہے۔ تمام صنعتی ریاستوں نے (ہر دو صنف کے) نوعمروں سے بہت زیادہ وقت تک کام لینے کے خلاف قانون نافذ کر دیا ہے اور بچوں سے کارخانوں میں کام لینے کو قطعاً ممنوع قرار دیا ہے۔ میساچوسٹس،

نیویارک اور دوسری متعدد ریاستوں میں کم از کم چودہ برس کی عمر کے لڑکوں کو کام پر لگانے کی اجازت ہے۔ دوسری ریاستوں میں اس سے کم عمر میں بھی کام لینا جائز ہے۔ انگلستان میں سنہ ۱۹۰۱ء کے عام تر قانون کارخانہ کے تحت میں معاہدہ کی حرفتی آزادی پر اسی قسم کے قیود عائد کر دئے گئے ہیں، کام کی حالتوں، اور عورتوں، نوعمروں اور بچوں سے کام لینے کے جائز اوقات، دونوں امور کو قانونی مداخلت کے تحت میں کر دیا گیا ہے۔ ایک ایسا ہی وسیع الاثر قانون کارخانہ جرمنی کی شہنشاہی حکومت نے سنہ ۱۸۹۱ء میں منظور کر لیا تھا۔ جنگ عظیم سے پیشتر برطانیہ عظمیٰ اور ممالک متحدہ دونوں میں سے کسی جگہ بھی یہ کوشش نہیں کی گئی کہ بالغ مرد مزدوروں کے کام کا وقت قانوناً محدود کیا جائے مگر اب اس وقت عام طور پر کام کے گھنٹوں کے قانوناً مقرر ہو جانے کے متعلق قریب ہے کہ قانون بن جائے۔ اب یہ معاملہ اصول کے بجائے زیادہ تر سہولت کار کا معاملہ بن گیا ہے۔

اس وقت کی ترقی کردہ رائے کا عام رجحان سنہ ۱۹۱۹ء کے معاہدۂ صلح کے "دفعات مزدوری" میں نظر آسکتا ہے، ابتدائی دفعات کی تمہید میں یہ کہا گیا ہے کہ "جمعیت اقوام کا مطمح نظر عالمگیر امن کا قائم کرنا ہے اور اس طرح کا امن صرف اسی صورت میں قائم ہو سکتا ہے جب اس کی بنا معاشری عدل پر ہو"۔ آگے چل کر یہ اعلان کیا گیا ہے کہ مزدوری کی صورت حالات میں قوم کے ایک بڑے حصہ کے لئے اس قدر ناانصافی سختی و افلاس موجود ہے کہ اس سے اس قدر وسیع بےچینی پیدا ہو جاتی ہے کہ دنیا کے امن و یکجہتی کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ ان حالات کی اصلاح و ترقی کی اشد ضرورت ہے، ازآنجملہ یہ کہ کام کے گھنٹوں کا انضباط ہو جائے جس میں کام کا انتہائی دن اور ہفتہ بھی مقرر کر دیا جائے۔ مزدوری مہیا کرنے کے ضوابط مقرر ہو جائیں، بےشغلی کی روک ہو جائے، بسر اوقات کے لئے مناسب اجرت کے مہیا کرنے کا

انتظام ہو، کام کرنے والوں کو مرض و علالت اور ایسے صدمات سے جوان کے کام کی وجہ سے حادث ہوں محفوظ رکھا جائے، بچوں، نوعمر لڑکے لڑکیوں اور عورتوں کی حفاظت کی جائے۔ پیرانہ سالی اور صدمات کے لئے سامان کیا جائے، مزدور جب خود اپنے ملک سے باہر دوسرے ممالک میں کام کرتے ہوں تو ان کے اغراض و مقاصد کی حفاظت ہو، آزادی اتحاد کے اصول کو تسلیم کیا جائے، پیشہ و صنعت کی تعلیم اور دوسرے معاملات کا انتظام کیا جائے۔“ مابعد کی ایک دفعہ (۲۴۷) میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ ”جن جگہوں میں اب تک ایسا نہیں ہوا ہے وہاں آٹھ گھنٹے کا دن یا اڑتالیس گھنٹہ کے ہفتہ کا معیار قائم کرنے کی کوشش کیجائے۔

کام کرنے والے طبقہ کے متعلق سلطنت کی تغیر یافتہ روش کا اظہار لازمی بیمہ اور وظیفۂ پیرانہ سالی کے طریقوں سے بھی ہوتا ہے، جن کا رواج براعظم یورپ کے متعدد ملکوں میں اور آسٹریلیا کی بعض نوآبادیوں میں ہو گیا ہے۔ زیادہ وسیع پیمانہ پر یہ طریقہ سب سے پہلے جرمنی میں اختیار کیا گیا۔ ۱۵؍ جون سنہ ۱۸۸۳ء کے شہنشاہی قانون کی رو سے ان تمام کام کرنے والوں کے لئے جنکی مزدوری ۴۷۶ ڈالر (تقریباً ڈیڑھ ہزار روپیہ) سالانہ سے زیادہ نہ ہو، بیماری کا بیمہ لازمی ہو گیا، اس بیمہ کے اخراجات کام کرنے والوں اور کام لینے والوں دونوں پر مشترکاً عائد ہوتے تھے، اوّل الذکر کو دو تہائی اور موخر الذکر کو ایک تہائی دینا پڑتا تھا۔ ۶؍ جولائی سنہ ۱۸۸۳ء کا اسی قسم کا قانون حادثات کے لئے بھی بیمہ کو لازمی قرار دیتا ہے، ان دونوں صورتوں میں حکومت خود کچھ نہیں دیتی تھی، لیکن پیرانہ سالی کے لازمی وظیفہ کی مد میں جو سنہ ۱۸۸۹ء کے قانون کی رو سے قائم ہوا ہے، حکومت ہر ایک وظیفہ میں ۱۱،۹۰ ڈالر (تقریباً سے روپیہ) سالانہ اس رقم کے علاوہ اور اس سے زائد دیتی ہے جو کام کرنے والوں اور کام لینے والوں کے رقوم سے جمع ہوں۔ فرانس و آسٹریا نے حادثات کے لئے لازمی سرکاری بیمہ جاری کر دیا ہے (بلکہ آسٹریا میں بیماری کے لئے بھی بیمہ رائج ہو گیا ہے) اور اطالیہ میں سنہ ۱۸۹۹ء کے قانون کے بموجب پیرانہ سالی اور کام سے ناقابل ہو جانے والوں کے لئے سرکاری بیمہ قائم ہو گیا ہے۔ نیوزیلینڈ کی نوآبادی نے سنہ ۱۸۹۸ء کے قانون کی رو سے

وظائف پیرانہ سالی کا ایک طریقہ جاری کیا ہے کہ زیادہ سے زیادہ ۱۸ پونڈ (۲۷۰ روپیہ) کا وظیفہ ایک شخص کو مل سکتا ہے، یہ کل رقم حکومت دیگی اس کے لئے وظیفہ پانے والے سے کوئی رقم وصول نہیں کیجائے گی، اس وظیفہ کے مستحق پینسٹھ برس کی عمر کے وہ لوگ ہونگے جو اس نوآبادی میں پینتیس برس رہ چکے ہوں جن لوگوں کی آمدنی کا کوئی اور ذریعہ ہو وہ اس وظیفہ کے مستحق نہیں ہیں، البتہ ان کی آمدنی رقم وظیفہ سے جس قدر کم ہو اسقدر پاسکتے ہیں وظائف پیرانہ سالی کا اس قسم کا طریقہ انگلستان میں بھی سنہ ۱۹۰۸ء و سنہ ۱۹۱۱ء کے قوانین کی رو سے اختیار کیا گیا۔ ان قوانین کے بموجب ستر برس سے زائد عمر کے تمام اہل حاجت کو زیادہ سے زیادہ پانچ شلنگ ہفتہ وار وظیفہ مل سکتا ہے، اور اس میں انھیں خود کوئی رقم پہلے سے نہیں دینا پڑتی۔ اس کے بعد سنہ ۱۹۱۱ء میں قومی بیمہ کا قانون وضع ہوا، جس میں حادثہ و علالت کے بیمہ کے لئے ایک عام اصول اختیار کیا گیا تھا اور اس میں رقم بطور شرکت کے دینا پڑتی ہے۔

نہایت ہی اعلیٰ انفرادیوں تک نے بھی یہ تسلیم کرلیا ہے کہ اپنے فرض اولیں کے طور پر اہل ملک کی جس قسم کی حفاظت سلطنت پر عائد ہوتی ہے اس میں محض جسمانی زیادتی اور جبری قزاقی ہی سے بچانا داخل نہیں ہے بلکہ بالواسطہ حفاظت بھی سلطنت کے مناسب حدود عمل میں تسلیم کی گئی ہے جس کا مقصود دغا و فریب یا دیدہ و دانستہ غفلت سے بچانا ہو لیکن انیسویں صدی کے دوران میں بالواسطہ حفاظتی طریق کے قوانین کے دائرہ میں بیحد وسعت ہو گئی ہے۔ اس ضمن میں اس قسم کی مشہور و معروف پیش افتادہ مثالیں جیسے غذاؤں میں آمیزش کے قوانین، دخانی کشتیوں اور عمارتوں کے معائنہ کے قوانین، انجنیروں اور دوا فروشوں وغیرہ کو سندوں کا دینا فوراً خیال کے سامنے آجاتی ہیں۔ لیکن منشیات کے بنانے اور بیچنے کی روک، علانیہ قمار بازی کی بندش وغیرہ کے متعلق امتناعی قوانین وغیرہ قانون سازی کے جس اصول کو ظاہر کرتے ہیں ان میں

صرف ایک قدم آگے بڑھا دیا گیا ہے۔ اصل یہ ہے کہ عملی طور پر تحفظی قانون (جس کا منشا یہ ہو کہ افراد کو خارجی گزند سے محفوظ رکھا جائے اور خود اسے دوسروں کو نقصان پہنچانے سے روکا جائے) اور مربیانہ قانون میں (جس کا مقصد لوگوں کو خود ان کے نفع کے لئے عملی کام کرنے پر مجبور کرنا ہے) کوئی قطعی خط تفریق کھینچ دینا بہت ہی دشوار ہے۔ اس باب میں زمانۂ حالیہ کی بیشتر حکومتوں کا انداز صاف طور پر معین نہیں ہوا ہے لیکن زمانۂ جدید کے قوانین کا ایک بہت بڑا حصہ ایسا ہے جو عملاً مربیانہ طرز کا ہے۔

۶۔ بلدی نگرانی:۔ زمانۂ جدیدہ کی بلدی نگرانی کے حیطۂ عمل میں حکومت کی طرف سے جو سرگرم کارروائی ہو رہی ہے اس کی بڑھتی ہوئی وسعت کا بھی آخر میں کچھ ذکر کر دینا بے محل نہ ہوگا۔ موجودہ حالات میں شہروں اور قصبوں میں پانی اور روشنی کا مہیا کرنا اور مختلف مضافات بلدیہ کے درمیان ذرائع آمد و رفت کا اجرا، ٹیلیفون کا سلسلہ وغیرہ اپنی نوعیت میں خاص مسائل ہیں۔ ایک بڑی حد تک ان کاموں کی نوعیت اجارے کی ہے، ان کا ایک ہی انتظام کے تحت میں ہونا ضروری ہے اور مختلف رقیب یکدگر کارکن قوم کے لئے ان کاموں کو انجام نہیں دے سکتے اور اگر ایسا کیا جائے تو اس میں اقتصادی نقصان تو ضرور ہی ہوگا۔ علیحدہ علیحدہ ٹیلیفون کے سلسلے، علیحدہ علیحدہ گیس اور پانی کی کمپنیاں، (جن کے نل برابر برابر جاری ہوں)، ایک ہی سڑک پر علیحدہ علیحدہ گاڑیوں کی پٹریاں صریحاً ناقابل عمل ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی جہاں یہ کام بے روک ٹوک شخصی ہاتھوں میں دیدئے جاتے ہیں وہاں اجاراتی قیمت کا اصول (جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے) شائع ہو جاتا ہے اور عام باشندگان کو اس سے نقصان پہنچتا ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ یا تو حکام سرکاری خود ان کاموں کو قوم کے لئے براہ راست انجام دیں، یا اگر کسی کمپنی کو اجارے کے حقوق عطا کریں تو اس کے ساتھ قیمتوں کے لئے خاص قواعد بھی معین کر دیں مگر بلدی ملکیت کی موجودہ وسعت کے متعلق طالب علم کو اس مضمون کی خاص

کتابوں کی طرف رجوع کرنے کی صلاح دینا چاہئے اس باب میں جو حوالے دئے گئے ہیں ان سے صرف اتنا ظاہر کرنا مقصود ہے کہ سلطنت کی مداخلت و نگرانی کے حدود کس درجہ وسعت پذیر ہو گئے ہیں اور یہ دور حاضرہ کی خاص خصوصیت ہے[۱]۔

قابل مطالعہ کتابیں

بی، لیروآ بولیو سلطنت جدیدہ (The Modern State.) کتاب اوّل و دوم (ترجمہ ۱۸۹۱ء)

جے، ہابس۔ سرمایہ داری حالیہ کا ارتقا (Evolution of Modern Capitalism.) باب سوم، چہارم و پنجم۔

جے۔ ڈبلیو جنکس، مسئلۂ ٹرسٹ (سنہ ۱۹۰۱ء) (The Trust Problem.) باب چہارم، دہم و یازدہم۔

ای۔ جانسن۔ امریکی ریلوے نقل و حرکت (سنہ ۱۹۰۳ء) (American Railway Transportation.) باب بست و نہم۔

اسناد مزید

ای، فون ہالے۔ ٹرسٹ (سنہ ۱۹۰۰ء) (Trusts.)

الیف۔ ڈبلیو ٹاسگ۔ ممالک متحدۂ امریکہ کی محصول درآمد و برآمد کی تاریخ (Tariff Histo yrof the United States.) (طبع پنجم سنہ ۱۹۰۱ء)

پی، ایشلی، جدید محاصل درآمد و برآمد کی تاریخ (سنہ ۱۹۰۴ء) (Modern Tariff History)۔

---

[۱] مزید تفصیل کے لئے دیکھو ''بین الاقوامی دائرۃ المعارف جدیدہ'' مضمون ''بلدی ملکیت'' ممالک متحدہ کے کمیشن برائے تحقیقات مسائل مزدوری سنہ ۱۹۰۰ء۔ ڈاروِن: ''بلدی تجارت'' (لندن سنہ ۱۹۰۳ء)۔

ڈبلیو، ایچ۔ ڈاسن۔ جرمنی میں اصول تحفظی سنہ ۱۹۰۴ء (Protection in Germany).

آر۔ ایلی۔ اجارات وٹرسٹ (سنہ ۱۹۰۰ء) (Monopolies and Trusts).

ممالک متحدۂ امریکہ کے حرفتی کمیشن کی رپورٹ (سنہ ۱۹۰۰-۲ء) (Report of United States Industrial Commissfon).

ایف، اس، ہاقمین۔ سلطنت کا حیطۂ اقتدار (The Sphere of the State). طبع سوم (سنہ ۱۸۹۸ء)

ہیمس، اجارات مجالس بلدیہ (سنہ ۱۸۹۹ء (Municipal Monopolies

کیرہی۔ قدرتی اجارات پر مجالس بلدیہ کی تملیک (سنہ ۱۹۰۰ء) (Municipal Ownership of Natural Monopolies.)

ممالک متحدۂ امریکہ کے کمشنر مزدوری کی رپورٹ۔ پانی، گیس، برقی روشنی کے انتظامات کی شخصی وعام ملکیت کی صورت حالات (سنہ ۱۸۹۹ء)۔ (Report of United States Commissioner of labour: Water, Gas, and Electric light plants under private and publice ownership).

ڈبلیو۔ ولوبی۔ بیمۂ مزدوران سنہ ۱۸۹۸ء (Workingmen's Insurance).

نیوزیلینڈ کی کتاب سالانہ (سال بسال (New Zealand Year Book).

ممالک متحدۂ امریکہ کے دفتر مزدوری کا رسالہ گورنمنٹ انڈسٹریل آربٹریشن (حکومت کی حرفتی تحکیم (سنہ ۱۹۰۵ء (Government Industrial Arbitration)

ایچ، سجک۔ اصول اقتصادیات (سنہ ۱۸۸۳ء) (Principles of Political Economy) کتاب سوم۔

تمت

JAMMU & KASHMIR UNIVERSITY
LIBRARY
No. 5230
Date 25.8.49
SRINAGAR

فہرست اصطلاحات

A

Absolute Monarchy	مطلق شاہی
Administrative	انتظامی
Aristocracy	اشرافیہ، اعیانیت
Autocracy	مطلق العنانی

B

Baron	بیرن
Borough	برو

C

Cabinet	کابینہ۔ کیبنٹ۔ مجلس وزرا
Cabinet System	نظام کابینی
Canton	کینٹن
Caucus	بزنک
Central Government	مرکزی حکومت
Centuria	سنتوریہ
Century	صدی۔ صدہ
Chamber of Commerce	ایوان تجارت
Chamber of deputies	دارالنائبین

منشور	Charter
منشوریت - قرطاسیت	Chartism
منشوری - قرطاسی	Chartist
شہری	Citizen
شہری مملکت، سلطنت	City State
عدالت دیوانی	Civil Court
حکومت دیوانی	Civil Government
ملازمت دیوانی	Civil Service
متمدن شاہی	Civilised Monarchy
مرکب وزارت - وزارت مرکبہ	Coalition Ministry
مجلس	Comitatus
مجلس سنتوریہ	Comitia Centuriata
مجلس فرقی	Comitia Curiata
مجلس قبائلی - ملی	Comitia Tributia
قانون عمومی - رواجی قانون	Common Law
دولت عامہ	Commonwealth
کمیون	Commune (Division in France)
اشتمالیت	Communism
ملت	Community
مخلوط دستور سلطنت	Composite Constitution
مرکب حکومت سلطنت	Composite State
عہدیہ - مشترکیت	Confederation
کانفرنس، مستشار	Conference
کانگریس، موتمر	Congress
استبدادی، مستحفظ	Conservative

Constituency	حلقہ انتخاب
Constituent Assembly	مجلس وضع دستور
Constitution	دستور۔ نظام سلطنت
Constitutional	دستوری، آئینی
Constitutional Monarchy	دستوری شاہی، آئینی بادشاہت
Consul	کانسل
Corporation	شخصیہ
Corpus Juris Civilis	مجموعہ قوانین روما
Count	کاونٹ
County	ضلع صوبہ
Country State	کشوری مملکت، ملکی سلطنت
Court of Chancery	عدالت نصفت
Court of Equity	عدالت حق رسی
Criminal Court	عدالت فوجداری
Culture State	تہذیبی مملکت سلطنت
Customary Law	رواجی قانون

D

Dark Ages	قرون مظلمہ۔ ازمنۂ تاریک
Deductive Political Science	قیاسی سیاسیات
Delegate (deputation)	وفید
Delegate (in an assembly)	نائب
Delegation	وفادت۔ توفید
Democracy	عمومیہ
Democrate	عمومیہ پسند
Demos (Greek Sense)	جرگہ

عموم	Demos (Modern Sense)
نائب	Deputy
مطلق العنانی	Despotism
مجلس ڈائیت	Diet
عضوی فساد، بدنظمی	Disorganization
خداداد حق،	Divine Right
ڈیوک	Duke
ڈوما	Duma

E

ارل	Earl
ارلیہ	Earldom
ایکلیسیہ	Ecclesia
کلیسائی نظم	Ecclesiastical Order
تجربیت	Empiricism
ایفور	Ephor
نصفت۔ معدلت۔ حق رسی	Equity
طبقہ	Estate (of the realm)
اخلاقیات۔ علم اخلاق	Ethics
خزانہ	Exchequer
عاملانہ	Executive

F

خاندانی بادشاہی	Family Kingdom
اطاعت	Fealty
وفاق۔ وفاقیہ۔ منفقیت	Federation, Federatory (State)
جاگیری شاہی	Feudal Monarchy

Feudal Nobility	اعیان جاگیردار۔ امراء جاگیری
Feudal Revenue	محاصل جاگیری
Feudalism	جاگیرت۔ جاگیرداری
Finance	مالیات
Financial	مالیاتی
Folkland	قبائلی زمین
Folk Moot	مجلس قبائلی
Franchise	حق رائے دہی

G

Gens, Gentis	گوت
Gentlemen	شرفاء
Governance	حکمرانی
Government	حکومت
Governor	والی۔ صوبہ دار
Guild	انجمن

H

Helot	(ہیلوت) زرعی غلام
Historical Political Science	تاریخی سیاسیات
Home Rule	سوراج، حکومت خود اختیاری
House of Commons	دارالعوام
House of Lords	دارالامراء
House of Parliament	ایوان پارلیمنٹ
House of Representatives	دارالنائبین
Hundred	تعلقہ
Hundred Moot	مجلس تعلقہ

I

Ideocracy	تصوریہ۔ تصوری حکومت
Imperial Chancellor	صدر اعظم
Imperium	آمیریت (امپریم)
Individualism	انفرادیت
Inductive Political Science	استقرائی سیاسیات
Initiative	بدایت
Inorganic	لاعضوی
Institution	ادارہ
International Law	قانون بین الاقوامی
Isolation	انفراد

J

Judge	جج
Jurisconsult, Jurist	متفنن
Jurisdiction	حد اختیار
Jurisprudence	قانونیات۔ اصول قانون
Jury	جیوری
Justice of the Peace	ناظم امن

K

Knight	نائٹ

L

Law State	قانونی مملکت، سلطنت
Lawgiver	قانون گو شارع
Layman	عامی۔ ناواقف۔ ناآشنا (مذہبی معنوں میں "دنیادار")
Legal State	قانونی مملکت، سلطنت

Legislation	وضع قانون ۔ قانون سازی
Legislative	تشریعی ۔ واضع قانون
Limited Monarchy	محدود شاہی
Local Administration	مقامی انتظام
Local Authority	مقامی حاکم
Local Community	مقامی جماعت
Local Government	مقامی حکومت
Local Institutions	مقامی ادارات
Lord Chancellor	لارڈ چانسلر
Lord Protector	لارڈ پروٹیکٹر
Lords Spiritual	دینی امراء
Lords Temporal	دنیاوی امراء
Loyalty	وفاداری

M

Magistrate	عامل
Magna Charta	منشور اعظم
Majority	کثرت ۔ کثرت رائے
Manor	مینر
Manorial	مینوری
Markgraf	سرحد دار
Marquis	مارکوئس
Middle Ages	ازمنۂ وسطے ۔ قرون وسطے
Migration	نقل وطن ۔ ہجرت
Minority	قلت ۔ قلت رائے
Mixed State	ممزوج حکومت

شاہی۔ شخصی حکومت شاہی	Monarchy
مشروط۔ مشروط شخصی حکومت	Monarchy (Limited)
بلدیہ والا شہر	Municipal Borough

N

قوم	Nation
قومی مجلس	National Assembly
اعدامیت	Nihilism
گروہ اعیان	Nobility
اعیان	Nobles

O

محدودیہ۔ عدیدیہ۔ چندسری حکومت	Oligarchy
اژدہامیہ۔ انبوہی حکومت	Ochlocracy
عضو	Organ
عضوی	Organic
عضوی قانون	Organic Law
عضویہ	Organism
عضویت	Organization
اصل	Origin
اصلی	Original
دیس نکالا۔ اخراج۔ نفی البلد	Ostracism

P

پیرش۔ حلقہ	Parish
پارلیمنٹ	Parliament
پارلیمنٹی	Parliamentary
خاندان پدرسری	Patriarchal family

Patriarchal Kingship	سری بادشاہی
Patriarchal Monarchy	سری شاہی
Patriarchal State	سری مملکت، سلطنت
Patrician	یسین (اشراف)
People	ب
Personal Law	ی قانون
Plebeian	ب (اجلاف)
Plebiscite	شارہ
Plutocracy	ونی حکومت۔ قارونیہ۔ اترافیت
Police	والی۔ پولیس، شرطہ
Police-State	والی مملکت، شرطی سلطنت، احتسابی سلطنت
Political Law	اسی قانون
Political Science	اسیات، علم السیاست
Politician	اس
Polity	میت (ارسطو)، نظم سلطنت
Popular Assembly	امی مجلس
Praetor	ریٹر
Prefect	ریفکٹ
Prerogative	صوص اختیارات
Presidential	صدارتی
Prince (mere title)	پرنس
Prince (Ruler)	حکمران
Private Law	صوصی قانون
Privileged Classes	امتیازی طبقات
Privileges	امتیازی حق۔ امتیاز

مجلس خاص	Privy Council
محمیہ	Protectorate
مُلکی قانون۔ عمومی قانون	Public Law
	Q
امر واقعہ	Question of fact
امر قانونی	Question of Law
	R
نسل	Race
مراجعہ	Referendum
رائخشتاگ۔ ریشتاگ	Reichstag
نمائندہ۔ نیابتی	Representative
جمہوریہ	Republic
عود شاہی، رجعت شاہی	Restoration
شاہی نظم ونسق	Royal Administration
دیہی حلقہ	Rural parish
	S
حکومت خود اختیاری	Self-Government
سینات	Senate
سیناتی	Senator
(زرعی غلام) سرف	Serf
(زرعی غلامی) سرفیت	Serfdom
ناظم ضلع۔ شیرف	Sheriff
اشتراکیت	Socialism
فرمانروا	Sovereign
صدر دار العلوم	Speaker

Speculative Political Science	تخمینی سیاسیات
Stagnation	جمود
State	مملکت ۔ سلطنت
States General	اسٹیٹس جنرل ۔ طبقات مجتمعہ
Storthing	اسٹارتھنگ
Super-Organic	فوق العضوی
Suzerainty	فرمانروائی

T

Theocracy	مذہبی حکومت
Tory	ٹوری
Trade-State	تجارتی مملکت، سلطنت
Tyranny	خودسری مملکت ۔ جبریہ ۔ جبریت
Tyrant	خودسر

U

Unitary State	فرویہ، وحدانی سلطنت
Urban parish	شہری حلقہ

V

Viscount	وائیکاؤنٹ

W

War-State	مسلّح مملکت، جنگی سلطنت

* * *

JAMMU & KASHMIR UNIVERSITY
LIBRARY
No ....
Dt ....
SRINAGAR

غلط نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳	۲۳	کی	کے
۴	۴	کی	کے
۶	۲۵	Staales	Staates
۹	۱۹	ازمنہ قدیم	ازمنہ قدیمہ
۱۰	۲۱	America	American
۱۳	۱۹	ساچوسٹس	مساچوسٹس
"	۲۳	نتیجے	نتیجہ
۱۷	۲-۳	تھا۔ کہ	تھا کہ
۲۰	۱۹	یولاک	پولاک
۲۵	۱۱	بہی	یہی
۲۶	۲۴	بچی	رچی
۲۷	۱	خصرت داؤد	حضرت داؤدؑ
	۷	وسو	روسو
	۱۰	یورپ کی ...... لگیں	یورپ کے ...... لگے
	۱۱	ژال ژاک روسو	ژان ژاک روسو
	۱۶	Lemathan	Leviathan
	۲۰	ہوجاتا ہے۔ اصلی	ہوجاتا ہے کہ اصلی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
	۲۱	خواہشوں	خواہشات
	۲۴	مملکت	سلطنت
۲۸	۱۸	حکومت دد	حکومت
۲۹	۳	مستقل معین	مستقل، معین
۳۰	۱۰	اپنی	اپنے
۳۱	۱۹	جو جرمانی	جرمانی
۳۶	۹	سنہ ۱۶۸۱	(سنہ ۱۶۸۱)
״	۲۴	بجبٹ	بیجھٹ
۳۸	۳	د مقیفن	مصنفین
۴۰	۲۱	جلدن	بہ چھ جلدوں
۴۱	۲	دلؤبی	ولوبی
״	۷	Coutract	Contract
	۱۶	Lewathean	Leviathan
۵۲	۲۳	اخلانی	اخلاقی
۶۳	۹	بجزے	تجزے
۶۴	۱۲	تو بھی	تو یہ بھی
۶۷	۲۱	ساسات	سیاسیات
۶۸	۲۱	ہاتھ ہوگی	ہاتھ میں ہوگی
۶۹	۱۰	ہدایت، مراجعہ	ہدایت و مراجعہ
	۲۱	کس	کسی
۷۲	۱۵	نومی	قومی
۷۴	۴	اد لوٹ گیر	اد لوٹ گیر کی
״	۲۳	یا	در

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۷۵	۱۷	(اسپنسر کے)	اسپنسر کے
۷۶	۹	Peussean	Rousseau
۷۷	۳	تحدیدی	تہدیدی
	۵	مملکت	سلطنت
	۸	تحدیدی	تہدیدی
۷۹	۶	تحدید	تہدید
	۲۴	اس کی	اس کے
۸۲	۱۱	اس	اسی
	۲۴	برگس	برجس
۸۶	۱۲	اس	ان
״	۲۳	نظریے	نظرے
״	۲۵	ہوسکتی تھی	ہوسکی
۸۸	۱۷	یک بنت	یکسانیت
۸۹	۱	پیدا ہو	پیدا ہوتا
	۵	کر لئے ہیں	کر لیتے ہیں
۹۰	۹	انضباتی	انضباطی
	״	“طبیعت افعال	“طبیعت فعال”
	۱۲	معاہدہ	معاندہ
	۲۵	جسم حیوانی میں	جسم حیوانی
۹۲	۱۲	قصد و ارادنی	قصد و ارادہ
״	۱۴	ملک	کلیسا
״	۱۵	مملکت	سلطنت
	۲۳	Allgemcine	Allgemeine

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۹۴	۴	مملکت	سلطنت
	۱۱	ڈبلیو برجس	ڈبلیو برجس
۹۵	۱۶	کی	کہ
۹۹	۳	**Amphiklyonic**	**Amphiktyonic**
	۶	"وحشی" اغیار	"وحشی" یا اغیار
۱۰۰	۲۴	**Morchia**	Monarchia
۱۰۱	۲۵-۲۴	Ancent and Mediwait	Ancient and Mediaeval
۱۰۵	۲۲	**Aunnal**	**Annual**
۱۰۷	۱۷	"انجمن اقوام"	"جمعیت اقوام"
۱۱۰	۲۴	جلینک	یلنک
		دول الحاضرہ	الدول الحاضرہ
	۱۰	قواعد	نفاذ
۱۱۴	۸	برتی جاتی ہے	برتی جاتی تھی
۱۱۵	۱۶	جوہیں	جوہیں۔
۱۲۲	۲۰	خاتمہ کرتا ہے	خاتمہ نہیں کرتا ہے
۱۲۵	۵	جلینک	یلینک
	۷	مملکت	سلطنت
۱۲۷	۵	وہ ان کے	وہ اس کے
۱۲۸	۴	اوروحکومت	اورحکومت
۱۳۶	۷	مشروط	(مشروط
	۱۰	غیرخیر متحدہ	غیر متحدہ
۱۳۳	۹	**Theocacp**	**Theocracy**
〃	۱۰	**Idolucracy**	**Idolocracy**

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۳۴	۱۷	وحکومتیں	×
۱۳۶	۱۳	وحدانی متفقی	وحدانی و متفقی
۱۳۹	۲۵	فصل	فضل
۱۴۷	۲۲	نظامہائے سلطنت	نظام سلطنت
۱۴۸	۲۰	نظامہائے سلطنت	نظامہائے حکومت
۱۴۹	۱۶	۸ -	۸ - ترمیم
۱۵۴	۲	**Fedual**	Federal
	۳	**Constutions**	**Constitutions**
۱۵۸	۲۰	نظام حکومت	نظام سلطنت
۱۶۲	۲	الحا	امحا
۱۶۴	۱	”بنڈسرانہہ“	”بنڈسراتہہ“
۱۷۱	۲۳	ہنگامے	ہنگامی
۱۷۴	۶	اس - کی	اسکی
۱۷۶	۵	بنڈسرانہہ	بنڈسراتہہ
	۸	کانگریس	کانگریسین
	۲۳	جمہوری	جمہوریت
۱۷۹	۲۰	مستحفظی انداز (کنسرویٹو)	مستحفظی (کنسرویٹیو) انداز
۱۸۷	۲۴	**Elementuir de drait**	Elementaire du Droit
۱۸۸	۱۸	کرسکتے ہیں	کرسکتا ہے
	۲۴	Canad	**Canada**
۱۹۰	۹	برس	برسوں
۱۹۱	۴	اس	اسی
۱۹۴	۲	یہی	بھی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۹۹	۲۲	آریگن	آریگان
۲۰۰	۱۶	اپنی رائے	اپنی رائیں
۲۰۱	۱۹	اذعان واطمینان	اطمینان
۲۰۲	۳	برخاست	برطرفی
۲۱۳	۱	کے پر	پر
	۲۰	آیا کہ	آیا
۲۱۸	۲،۱	دیوپرے	دیوپرے
۲۲۲	۲۳	(معتمد مملکت)	(معتمد سلطنت)
۲۲۳	۲۵	کی	کے
۲۲۴	۸	بلدیہ	بلدیہ،
۲۳۵	۱۳	کہیں	کبھی
۲۳۶	۵	بنا سکتی ہے	بنائے دیتی ہے
۲۳۸	۵	دفاقی	متفقی
۲۴۱	۸	سا	سے
	۹	نو آباد	نو آبادی
۲۴۴	۱۷	ہے ۔	ہے کہ
۲۴۵	۱۳	کا ریاست ہائے	کا۔ ریاستہائے
۲۴۶	۲۵	Re uolution	Revolution
۲۴۸	۱۸	مملکت	سلطنت
۲۵۱	۶	ارتقا کی	ارتقا کے
۲۵۸	۲	اسٹیس	اسٹبس
	۱۳	Representaion	Representative
	۱۷	وسیمر	ولیمنر

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۵۹	۲۰	ہے جہان	ہے۔ جہاں
۲۶۸	۱	بس	پس
	۳	صورت میں	صدورت
۲۶۹	۲۱	یریم	میریم
	۲۳	Souereignty of Since of	Sovereignty Since
۲۷۱	۱۹	تجربہ	تجزیہ
	۲۲	اس کے	اسی کے
۲۷۳	۸	اجرای	اجزائی
۲۷۷	۴	جرمنی	جرمانی
	۶	نہیں	تھے
	۲۴	نظام حکومت شہنشاہی	شہنشاہی نظام سلطنت
۲۸۱	۱۶	ہوجائے	ہوجائیں
۲۸۴	۱۵	(امریکہ کے انگریز)	امریکہ کے انگریز
۲۸۷	۱۰	نوآبادیوں کی	نوآبادیوں کو
۲۸۸	۹	قونیشیا	فونیشیا
۲۹۰	۱۲	تول گئے	کول گئے
۲۹۳	۶	اہلیت	اہمیت
۲۹۶	۱۰	نمایندگی"	نمایندگی
۲۹۹	۲۵	اہلیت	اہمیت
۳۰۱	۱۵	کرنے کی	کرنے کے
۳۰۲	۲۴	Imperlumet	Imperlum et
۳۰۳	۱۹	کس	کسی
۳۰۵	۱۶	تبعیت	تبعیت

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۰۷	۲۳	فری اسٹیٹ	فری اسٹیٹ تھا
۳۱۰	۶	اس	اسی
	۱۷-۱۰	کاؤنسل	کونسل
۳۱۲	۲۴	Common Wealth	Commonwealth
۳۱۹	۲۰-۱۹	〃 〃	〃
۳۲۰	۵	پی	بی
	۲۵	Domins	Dominions
۳۲۵	۶	آتی ہیں	آتے ہیں
	۱۷	و اضلاع	اور اضلاع
۳۲۹	۱۵	پرگنے	پرگنے پر
	۱۷	آخر میں	آخر میں وہ
	۲۱	(حلقہ)	(حلقہ مذہبی)
۳۳۰	۷	〃	〃
۳۳۱	۸	دونو	دونوں
۳۳۲	۵	کلونکٹیکٹ	کانکٹیکٹ
۳۳۴	۵	بینوجرسی	نیوجرسی
	۱۶	مدارس کی	مدارس کے
۳۳۶	۱۳	میر بلد	میر بلدہ
۳۳۷	۳	کونسل ہے،	کونسل کے
۳۵۹	۱۷	بورڈ	بورڈ کو
۳۶۱	۱۴	آوریگان	آریگان
۳۶۶	۲۴	اس طریقہ	وہ اس طریقہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۷۱	۴	ان	اس
۳۷۲	۳	دوسری	دوسرے
	۱۰	سیاسی خیالات کہ اس انداز پر منقسم کر دیا۔	سیاسی خیالات اسی انداز پر منقسم ہو گئے۔
۳۷۴	۲۲	موئید	موید
۳۷۵	۱۱	Progessive	Progressive
۳۷۶	۲۱	ہو گئی۔ یہانتک	ہو گئی یہانتک
۳۷۷	۲۱	Common Wealth	Commonwealth
۳۷۸	۱۹	منعقد ہوتا تھا	ہوتا تھا
۳۷۹	۶	ہوتا ہے	ہوتا
۳۸۰	۴	سی	اسی
۳۸۱	۶	تھا، جن کے	تھا جنکے
″	۲۰	استغراق	ذہول
۳۸۲	۲۳	جماعت پر	جماعت کے
۳۸۵	۱۴	جارہا ہے۔	جارہا ہو
۳۸۷	۲	“نیشنل”	نیشنل
۴۰۱	۸	اس وجہ سے	اس حد تک
	۱۱و۲۳	سجک	سجوک
۴۰۴	۲۲	اس	اسی
۴۰۷	۲۴	تاریخ	×
۴۰۹	۱۹	سجک	سجوک
۴۱۰	۸	مملکت	سلطنت
۴۱۱	۱۲	مملکت	سلطنت

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴۱۱	۱۵	اجتماعیت	اشتراکیت
۴۱۲	۴	ظاہر کرتا ہے	ظاہر کرنا ہے
۴۱۵	۱۲	کئے جانے ہیں	کئے جاتے ہیں
۴۱۷	۱۶	اشتراکیہ	اشتراکیہ کو
۴۱۸	۱۱	پہنچے ہیں	پہنچتے ہیں
۴۲۰	۸	جماعتوں میں	جماعتوں نے
۴۲۴	۱۲	Reuisionist	Revisionist
۴۳۱	۱۳	اپنے	اپنی
۴۳۴	۹	اسی امر	اسی
۴۳۷	۱۴	بعد کی	بعد کے
۴۳۹	۲۴	Monopolles	Monopolies
۴۵۱	۵	زمانۂ حالیہ	زمانۂ حال
۴۵۲	۱۶	Histo yrof	History of
۴۵۳	۲۰	سجک	سجوک

JAMMU & KASHMIR UNIVERSITY
LIBRARY
No. 5230
Date 25.8.49
SRINAGAR

ALLAMA
IQBAL LIBRARY
UNIVERSITY OF KASHMIR
HELP TO KEEP THIS BOOK
FRESH AND CLEAN